ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بیانُ السُّبحان

کا

پارہ نمبر ۲۵

اِلَيْهِ يُرَدُّ

فاضلِ اجل حضرت علّامہ مولانا سید عبدالدّائم جلالی

وہ تفسیر جو رسالہ مولوی دہلی میں ۱۳۵۶ھ سے باقساط شائع ہو رہی ہے

…مولوی کے اصرار پر

toobaafoundation.com

عطاء الرحمٰن صدیقی مالک وسیم بکڈپو دیوبند

نے برائے اشاعت معارف القرآن

محمدی پرنٹنگ پریس دیوبند یوپی

پچیسواں ۲۵ پارہ (جزو اول)

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَمَا تَخْرُجُ مِن ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ

قیامت کے علم کا حوالہ خدا ہی کی طرف دیا جاسکتا ہے اور کوئی پھل اپنے خول میں سے نہیں نکلتا اور نہ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور نہ وہ بچہ

وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِي قَالُوا آذَنَّاكَ مَا مِنَّا مِن

جنتی ہے مگر یہ سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے اور جس روز اللہ تعالیٰ اِن (مشرکین) کو پکارے گا (اور کہے گا) کہ میرے شریک (اب) کہاں ہیں وہ کہیں گے کہ (اب تو) ہم

شَهِيدٍ ۝ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَدْعُونَ مِن قَبْلُ ۖ وَظَنُّوا مَا لَهُم مِّن مَّحِيصٍ ۝

آپ سے یہی عرض کرتے ہیں کہ ہم میں (اس عقیدہ کا) کوئی مدعی نہیں اور جن جن کو یہ لوگ پہلے سے (یعنی دنیا میں) پوجا کرتے تھے وہ سب غائب ہوجائیں گے اور یہ لوگ سمجھ لیں گے

لَّا يَسْأَمُ الْإِنسَانُ مِن دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِن مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ ۝ وَلَئِنْ

کہ ان کے لئے کہیں بچاؤ کی صورت نہیں آدمی کا ترقی کی خواہش سے جی نہیں بھرتا اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو نا امید ہراساں ہوجاتا ہے اور اگر ہم اس کو کسی

أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِن بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ

تکلیف کے بعد جو کہ اس پر واقع ہوئی تھی اپنی مہربانی کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو میرے لئے ہونا ہی چاہیے تھا اور میں قیامت کو آنے والا نہیں خیال

قَائِمَةً وَلَئِن رُّجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِندَهُ لَلْحُسْنَىٰ ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

کرتا اور اگر میں اپنے رب کے پاس پہنچایا بھی گیا تو میرے لئے اس کے پاس بھی بہتری ہی ہے سو ہم اُن منکروں کو اُن کے (یہ) سب کردار ضرور

بِمَا عَمِلُوا وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۝ وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ

بتلادیں گے اور اُن کو سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں گے اور جب ہم آدمی کو نعمت عطا کرتے ہیں تو ہم سے

أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن

اور ہمارے احکام سے) منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ پھیر لیتا ہے اور جب اُس کو تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے آپ کہیے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ

كَانَ مِنْ عِندِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُم بِهِ مَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝ سَنُرِيهِمْ

کہ اگر یہ قرآن خدا کے یہاں سے آیا ہو (اور) پھر تم اس کا کہ انکار تو ایسے شخص سے زیادہ کون غلطی میں ہوگا جو (حق سے) ایسی دور دراز مخالفت میں پڑا ہو ہم عنقریب

اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِہِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَہُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ

ان کو اپنی قدرت کی نشانیاں ان کے گردونواح میں بھی دکھادیں اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جاوے گا کہ وہ قرآن حق ہے (تو) کیا آپ کے

اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ ۝ اَلَآ اِنَّہُمْ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّہِمْ ؕ اَلَآ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ

رب کی یہ بات (آپ کی شہادت کے لئے) کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے یاد رکھو کہ وہ لوگ اپنے رب کے روبرو جانے کی طرف سے شک میں پڑے ہیں یاد رکھو کہ وہ ہر چیز کو (اپنے علم کے) احاطہ میں...

تفسیر نیکی بدی کا نفع نقصان آدمی کو خود اُٹھانا ہوگا۔ کب ہوگا۔ جواب ملتا ہے۔ قیامت کے دن۔ قیامت ہی دار الجزاء ہے۔ پاداش کا جو دن مقرر ہے اس کا عذاب کھینچ کر اس دار العمل میں نہیں آسکتا۔ لیکن قیامت ہوگی کب۔ آخر اُس کا کوئی سال، مہینہ، دن مقرر ہے یا یوں ہی وہم ہی وہم ہے۔ پھر ہوگی تو جزا سزا کیسے ملے گی۔ ہمارے چھپے ہوئے اعمال کا کسی کو کیا پتہ۔ جب جرم ظاہر نہ ہو تو سزا کیسی اور کس کی قیامت ویامت۔ محض ڈراوے کی باتیں ہیں تکلیف وراحت جو کچھ ہے بس یہیں ہے۔ ہم مال اعمال حکومت عزت صحت جو کچھ حاصل کرتے ہیں اپنی کوششوں سے کرتے ہیں اور بالفرض اگر قیامت ہوئی بھی تو جس طرح اہلیت کی وجہ سے یہاں راحت حاصل ہے وہاں بھی چین ہی چین میسر ہوگا۔ جس طرح یہاں حمایتی اور مددگار موجود ہیں وہاں بھی ہونگے ہمارا ساتھ وہاں بھی نہیں چھوڑیں گے۔ اس قسم کی خرافات عام طور پر منکر قیامت بکتا ہے۔ اُسے نہیں معلوم کہ اللہ کا علم ہمہ گیر ہے۔ کونپل اور پتی پھوٹتی ہے شگوفہ کے غلاف سے پھل کی نوک نمودار ہوتی ہے۔ ماں کے پیٹ میں نطفہ نرینہ یا مادینہ قرار پکڑتا ہے اور بڑھ کر کس وقت دنیا میں انسانی یا حیوانی بچہ کی صورت میں نمودار ہوتا ہے سب کا علم اللہ کو ہے۔ اُس کی واقفیت محیطِ کل ہے۔ انسان کی کوئی حرکت اچھی یا بُری اس سے پوشیدہ نہیں۔ تعینِ وقت کے ساتھ قیامت کا علم بھی اُسی کو ہے۔ پھر یہ خیال کرنا کہ وہاں حمایتی کام آئیں گے بالکل غلط ہے۔ کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔ ساری عمر جن کو شریکِ خدا سمجھ کر پوجا کی وہ سب غائب ہوں گے۔ رہا یہ گمان کہ جو کچھ راحت و عیش ہم کو یہاں میسر ہے وہ ہماری اہلیت اور کوشش کا نتیجہ ہے خدا کو کیا دخل تو جس وقت دکھ ہوتا ہے اس وقت ہر طرف سے مایوسی کیوں ہو جاتی ہے اور کیوں لمبی چوڑی دعائیں کی جاتی ہیں۔ جس طرح عیش میں منہ پھلائے اور نیوڑائے پھرتے تھے اب بھی ایسا ہی کرو۔ بھلائی کے لئے پکار کیوں مچاتے ہو۔ دُہائی دینے سے کیوں نہیں تھکتے۔ یاد رکھو قیامت کے دن تکذیب و کفر کا بُرا مزہ چکھنا پڑے گا اور قیامت ہی کیا دنیا میں ہی دیکھ لوگے کہ قرآن کا فیصلہ اور رسول کا فرمان کس طرح حق ثابت ہو کر رہے گا۔ خود اس معاملے میں بھی تم کو قرآن کی حقانیت تسلیم کرنی پڑے گی اور دوسری گھمنڈ رکھنے والی قوموں کے متعلق بھی۔

تحلیل اجزاء اِلَیْہِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَۃِ گزشتہ آیات کا حاصل یہ تھا کہ اگر ضابطۂ الٰہی کی شکست نہ ہوتی کہ دنیا میں ہی حق و باطل اور ثواب و عذاب کا فیصلہ ہو چکتا۔ مگر چونکہ فیصلہ کا دن مقرر ہے۔ ہر شخص کی اچھائی بُرائی کا نتیجہ خود اُس کو اُس دن ملے گا اس لئے دنیا میں مہلت دیدی گئی ہے۔ اس پر سوال کیا جاسکتا تھا اور کہا جاسکتا تھا کہ قیامت آئے گی کب؟ اس کا جواب اس جملہ میں دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کا (تعیینی) علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔ پیغمبر برحق ہو یا فرشتہ مقرب ہر کوئی اس کے علم کو صرف خدا ہی کی طرف منسوب کرتا ہے خود واقف ہونے کا مدعی نہیں ہو سکتا۔

صحاح کی حدیث جبریل میں مذکور ہے کہ سائل کے سوال کے جواب میں حضورؐ نے قیامت کی علامات اور امارات بیان فرما دیں۔ دن تاریخ اور وقت ظاہر نہیں فرمایا اور اپنی لاعلمی ظاہر کی۔

وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَکْمَامِہَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِہٖ۔ یہ بھی سوال کیا جاسکتا تھا کہ قیامت کے دن جزا سزا کیسے ہوگی۔ ہمارے پوشیدہ اعمال کا کسی کو کیا علم۔ اس کا جواب اس آیت میں دیا۔ حاصلِ معنی یہ ہے کہ شگوفہ سے جو پھل نکلتا ہے اُس کی تعداد کیفیت مزہ رنگ شکل مقدار غرض کوئی حالت خدا سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ کوئی جاندار مادہ جب حاملہ ہوتی ہے تو اس کے پیٹ میں کیا ہے نر یا مادہ کس رنگ، کس شکل، کس کیفیت، کس مزاج، کس مقدار اور کس اطوار کا ہے۔ پھر کس وقت اور کب پیدا ہوگا۔ اس سے بھی خدا ہی واقف ہے۔ غیب اُس کا علم اتنا

toobaafoundation.com

وسیع الذیل اور ہمہ گیر ہے تو انسانی اعمال اس سے کس طرح پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِي قَالُوا آذَنَّاكَ مَا مِنَّا مِن شَهِيدٍ ۝ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَدْعُونَ مِن قَبْلُ وَظَنُّوا مَا لَهُم مِّن مَّحِيصٍ ۔ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اللہ کو ہمارے اعمال کا علم مسلم اور یوم الجزاء کا ہونا بھی صحیح ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ آسمان و زمین میں کسی کی سفارش مدد اور کوشش سود مند ہو جائے ۔ چاند اور تارے سورج اور سیارے مظاہر قدرت ہیں ۔ پیر ولی اور فرشتے مقرب بارگاہ ہیں ۔ زندگی بھر ہم نے اُن کی پوجا کی اُن کے اشاروں پر سر جھکائے ۔ کیا قیامت کے دن یہ ہمارے کام نہ آئیں گے ۔ اس فرضی وہم کی تردید ان آیات میں کی ہے ۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ اللہ (کی طرف سے اس کے ملائکہ) مجرموں کو پکاریں گے اور کہیں گے آج وہ (مفروضہ) خدائی کے ساجھی کہاں ہیں ان کو مدد کے لئے بلاؤ ۔ مجرم جواب دیں گے وہ سب آج کھو گئے کوئی مدد نہیں کر سکتا ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہمیں ان میں سے کوئی بھی نظر نہیں آتا ۔ ایسی حالت میں رہائی نہ ہونے کا ان کو یقین ہو جائے گا لیکن اب کیا ہووت جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت ۔

لَّا يَسْأَمُ الْإِنسَانُ مِن دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِن مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ ۝ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِن بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً ۔ انسان سے مراد ہے کافرانہ عقیدہ رکھنے والا انسان ۔ کافر العقیدہ آدمی کا قیامت پر یقین نہیں ہوتا اور اس کی نظر میں جو کچھ دکھ سکھ ہے وہ اسی دنیا کا ہے اس لئے وہ عیش و آرام کا خواہشمند ہوتا ہے تو صرف دنیا کے ۔ پھر اس کی خواہش ہوس کی حد تک ہوتی ہے اور ہوس بھی اُلٹی ۔ کبھی دنیوی عروج سے اس کا پیٹ نہیں بھرتا ۔ اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ بالکل ناامید ہو جاتا ہے ۔ اس کی نظر چونکہ محدود ہوتی ہے آخرت کا اس کو یقین نہیں ہوتا ۔ اس لئے اگر دنیا میں اس کو کوئی دکھ آیا تو وہ یقین کر لیتا ہے کہ میری زندگی برباد ہو گئی ۔ یہ مصیبت دور نہیں ہو گی ، لیکن خدا تو بہرحال رب العالمین ہے مومن غیر مومن سب پر رحم کرتا ہے ۔ اپنی رحمت سے جب مصیبت کو دور کر دیتا ہے تو کافر انسان کو غیبی کار سازی تو نظر نہیں آتی ، اس کی نگاہ صرف ظاہری اسباب پر ہوتی ہے اس لئے وہ کہتا ہے کہ یہ کامیابی مجھے اپنی کوشش سے ہوئی ہے ۔ میری ذاتی اہلیت اور کاوش اسی کی مستحق تھی ۔ اب یہ عیش مجھے ملتا ہی رہے گا ۔

وَلَئِن رُّجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِندَهُ لَلْحُسْنَىٰ ۔ اور اگر بالفرض قیامت ہوئی اور مجھے خدا کے پاس لوٹ کر جانا ہی پڑا تو وہاں بھی مجھے بھلائی ہی بھلائی ملے گی ۔ یعنی کوئی دکھ نہ ہو گا کیونکہ اپنی ذاتی قابلیت اور اہلیت کے سبب یہاں بھی مالدار با عزت اور خوش عیش ہوا ہوں وہاں بھی ایسا ہی رہوں گا ۔

فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا عَمِلُوا وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۔ لیکن اُس کا یہ خیال غلط ہے ۔ کافروں کو ان کے اعمال کی اطلاع قیامت کے دن ملے گی ۔ یہاں تو ان کو اپنے اعمال کی خرابی نظر نہیں آتی اور کفر کا وبال نہیں دیکھتا ۔ قیامت کے دن ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھنا ہو گا اور ساری رعونت دھری کی دھری رہ جائے گی ۔

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ ۔ آدمی کی بھی عجب حالت ہے ۔ خدا عیش دیتا ہے تو آدمی رُخ پھیرے منہ موڑے گردن نیوڑائے پہلو پھلائے الگ بچا بچا پھرتا ہے ۔ بھول کر بھی خدا کو یاد نہیں کرتا ۔ گویا سارا عیش اس کا اپنا استحقاقی اور خود پیدا کردہ ہے کبھی زائل ہی نہ ہو گا ۔ لیکن جب مصیبت آ گئی تو دکھ چھوتے ہی لمبی چوڑی دعائیں مانگتا ہے ۔ اس وقت اس کا اپنا عجز ظاہر ہوتا ہے ۔ اور خدا یاد آتا ہے ۔ (ابن کثیر کے نزدیک انسان سے مراد اس جگہ بھی کافر آدمی ہی ہے جو اللہ کی نعمتوں کا ناشکر گزار ہوتا ہے)

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن كَانَ مِنْ عِندِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُم بِهِ مَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۔ قرآن مجید کی صداقت کھلی ہوئی ہے ۔ دلائل کو دیکھ کر اس کی حقانیت کا کون انکار کر سکتا ہے لیکن گمراہیوں کو پھر بھی یقین نہیں آتا ۔ ایک طرف واضح سچائی ہے ، دوسری طرف جہالت کے تہ بہ تہ پردے ذاتی عناد مال نسب طاقت اور وجاہت کا غرور ۔ ایسی حالت میں دل میں تردد اور تذبذب کا ہونا ضروری ہے ۔ کوئی ان سے پوچھے کہ اگر قرآن پیام خداوندی نہیں اور خود ساختہ ہے تو اس پر عمل کرنے والوں کا کچھ بگڑتا نہیں ۔ بہرحال اس کی تعلیم زندگی کو سدھارنے والی ہے ۔ خدا کی طرف سے نہ سہی ۔ انسان کی بنائی ہوئی سہی لیکن اگر اللہ کی طرف سے ہے اور اس کو تم نہ مانو اور سچا نہ جانو تو تمہاری ہلاکت یقینی ہے جیسے راستہ کو چھوڑ کر

toobaafoundation.com

اِدھر اُدھر پگڈنڈیوں پر بھوٹ کر دور نکل جانے والوں سے زیادہ گم کردہ راہ اور کون ہوسکتا ہے۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۔ اہلِ تفسیر کے نزدیک اس آیت میں ایک پیشین گوئی کا اظہار ہے اور آیات سے مراد ہیں اسلامی فتوحات۔ آفاقی آیات تو وہ فتوحات ہیں جو مسلمانوں کو اطرافِ ملک میں حاصل ہوئیں۔ باوجود بے بضاعتی اور قلتِ تعداد کے تمام عرب مسخر ہوگیا اور روم و ایران کی حکومتیں تباہ ہوگئیں اور اُن کا ملک مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور بڑے بڑے جبّار فرماں بردار بن گئے اور آیات فی الانفس سے بدر کی شکست کی طرف اشارہ ہے اور فتح مکّہ مراد ہے۔ مجاہدؒ، حسن بصریؒ اور سدیؒ کا یہی قول ہے۔

أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۔ جس وقت اِن آیات کا نزول ہوا یعنی مکی دور میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ نہ ظاہر میں کوئی طاقت تھی نہ حکومت تھی، نہ ساز و سامان، اس لئے اگر کافر اس کی سچائی کو مشتبہ نظروں سے دیکھتے تھے تو ظاہری اسباب پر نظر کو محدود رکھنے والوں کا یہی شعار ہونا بھی چاہیئے تھا۔ اُن کو غیب کا کیا علم۔ لیکن اللہ کو تو سب آئندہ واقعات کا علم ہے۔ ہر چیز اس کے سامنے حاضر ہے۔ اس لئے ظاہر پرست کافروں کی طرف سے رُوئے خطاب پھیر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیا اور فرمایا کہ ہر چیز کا شاہد ہونا یعنی ہر چیز کا اللہ کے سامنے حاضر ہونا اللہ کے قول کی صداقت کے لئے کافی ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا میں جو واقعات ہوتے ہیں وہ اللہ کے علم کے مطابق ہوتے ہیں۔ اب کچھ چیزیں اس وقت موجود نہ ہوں اور اُن کا وقوع اللہ کے علم میں ہو تو وہ ضرور واقع ہوں گی۔

أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَاءِ رَبِّهِمْ ۗ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ۔ خرابی کی بنیاد یہ ہے کہ کافروں کو قیامت کے دن خدا کے سامنے جانے اور سزا پانے میں شک ہے اور عقائد و اعمال کی درستی کی جڑ یہ ہے کہ خدا کے علم اور قدرت کو ہمہ گیر سمجھا جائے۔ اسی لئے آیت میں دونوں فقروں کو تنبیہی لفظ سے شروع کیا ہے۔

مقصودِ بیان

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ سے ثابت ہو رہا ہے کہ قیامت کا تعینی علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔ کسی فرشتے اور نبی مرسل نے بھی اس سے واقف ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ وَمَا تَخْرُجُ الخ سے اللہ کے غیر محدود علم کو بیان کرنا مقصود ہے۔ لَا يَسْأَمُ الْإِنسَانُ الخ میں انسان کے عزم کی پستی، تنگ دلی اور غرور و انانیت کو بتایا ہے۔ مصیبت کے وقت اتنا تنگ دل کہ مایوس ہو جائے (اُس کا خدا کا یقین ہی نہیں تو مایوس کیوں نہ ہو) اور راحت کے وقت ایسا مغرور کہ اپنی کوشش اور اہلیت کا نتیجہ سمجھنے لگے۔ غرض خدا کی کسی حالت میں ضرورت نہیں۔ مصیبت میں یاس ہے آس نہیں اور راحت میں بر خود غلطی ہے خوفِ زوال نہیں۔ وَلَئِن رُّجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي میں ایک مفروضہ کا بیان کیا گیا ہے کہ کافر کو دنیا کی راحت دوامی راحت نظر آتی ہے لازوال۔ سب سے پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ کسی پیغمبر کو بھی قیامت کا دن تاریخ معلوم نہیں۔ دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ باریک سے باریک اور حقیر سے حقیر واقعہ کا علم بھی اللہ کو ہے۔ تیسری آیت سے تنبیہ ہونی چاہیئے اُن ظاہر بینوں کو جو دکھ اور تکلیف میں اگر مبتلا ہوتے ہیں تو مایوس ہو جاتے ہیں اور عیش ملتا ہے تو اس کو اپنی کوشش کا لازوال نتیجہ خیال کرتے ہیں۔ یعنی نہ آئندہ ان کو امیدِ راحت نہ خوفِ مصیبت۔ مال پر نظر محدود۔ ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ عقیدہ کی یہ خرابی کفر ہے۔ چوتھی آیت سے مستنبط ہوتا ہے کہ مومن صالح الاعمال کے افلاس اور کافر بدکار کے عیش سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اول سے خدا کی دشمنی ہے اور دوسرے سے دوستی، اس لئے آئندہ زندگی میں بھی ان دونوں کی یہی حالت ہوگی۔ یعنی مفلوک الحال ایماندار کو یہ نہ خیال کر لینا چاہیئے کہ میں خدا کا معتوب ہوں، میری آئندہ بھی یہی حالت رہے گی اور کافر مالدار کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ میں ہمیشہ یونہی رہوں گا۔ وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ الخ میں آدمی کے غلط فیصلہ کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اگر خوش عیش ہونے کی خدا کی یاد ضروری نہیں اور خدا سے بے نیازی ہے تو دُکھ کے وقت خدا کی یاد کیوں ہوتی ہے۔ مغرور انانیت کیوں عاجزانہ انکساری میں تبدیل ہو جاتی ہے وغیرہ۔

سُورَةُ شُورَىٰ

اس سورت کا نام سورۂ شوریٰ ہے اور حم عسق ہے۔ کبھی حمعسق بھی کہا جاتا ہے۔ پوری سورت مکی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت جابر، حسن بصری، عکرمہ، عطاء وغیرہم نے یہی صراحت کی ہے۔ حضرت ابن عباس کی ایک روایت اور قتادہ کے قول کے موافق قل لا اسئلکم

toobaafoundation.com

علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ سے چار آیت تک مدنی ہے ہجرت کے بعد ان آیات کا نزول ہوا۔ کل آیات کی تعداد ۵۳ کلمات ۸۶۶ اور الفاظ ۳۵۸۸ ہیں۔ حم عسق بعض کے نزدیک حروف ہیں اور ایک آیت ہے۔ بعض نے ان کو ذو فعل قرار دیا ہے اور دو آیتیں کہا ہے۔

متشابہات کے متعلق ایک ضروری تنقیح

شیخ محلی اور سیوطی وغیرہم نے صراحت کی ہے کہ متشابہات کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ حروف مقطعات میں کلام کرنے کی گنجائش بہت کم ہے اٹکل سے گفت گو کرنے کا راستہ مسدود ہے۔

ہماری نظر میں صحیح یہ ہے کہ مقطعات کی صحیح مراد اور قطعی تاویل سے تو سوائے خدا کے کوئی واقف نہیں۔ لیکن قطعی اور یقینی مراد کے علاوہ ان کے اندر بہت رموز و اسرار ہیں۔ اور علماء راسخین اپنی اپنی استعداد کے موافق اُن کو جانتے ہیں۔ ہاں علمائے خاص کے علاوہ عوام کچھ نہیں سمجھتے۔ البتہ علماء اور عوام دونوں گروہ اس ایمان میں مشترک ہیں کہ ان کی حقیقی مراد سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور ان کا نزول من عند اللہ ہے اور حق ہے۔ یہی تشریح ہے ان دو اقوال کی جو حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں اور بظاہر دونوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے۔ ایک قول میں ابن عباس نے فرمایا کہ متشابہات کی تاویل سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ دوسرے قول میں فرمایا میں بھی اُن علماء راسخین میں سے ہوں جو متشابہات کی تاویل جانتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ قطعی اور آخری تاویل سے تو خدا ہی واقف ہے۔ رہے اسرار اور رموز اُن سے علمائے خاص واقف ہیں اور میں بھی واقف اسرار ہوں۔

منشاءِ نزاع آیت لا یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون اٰمنا بہ کل من عند ربنا الآیۃ کی تشریح ہے۔ عام قرأتوں میں الا اللہ پر وقف ہے اور والراسخون فی العلم جدا کلام ہے۔ اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ متشابہات کی تاویل بس خدا ہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور علماء راسخین کہتے ہیں یہ سب اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے لیکن ایک متواتر قرأت میں والراسخون فی العلم پر وقف ہے اور یقولون سے کلام علیحدہ ہے۔ اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ اللہ اور راسخ علماء کے علاوہ کوئی اور (معمولی عالم اور عامی شخص) متشابہات کی تاویل سے واقف نہیں اور اصولِ تفسیر میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ایسی دو قرأتیں دو آیتوں کے حکم میں ہوتی ہیں اور دونوں کا مفہوم اپنی اپنی جگہ صحیح ہوتا ہے۔ اصولِ تفسیر کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اول الذکر قرأت کا مطلب تو یہ ہے کہ متشابہات کی حقیقی تاویل سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ نہ عارف کامل نہ عالم راسخ (اس سے کسی راسخ العلم عارف کے عالم اسرار ہونے کی نفی نہیں نکلتی) اور دوسری قرأت کا مطلب یہ ہے کہ متشابہات کے اسرار و رموز اللہ بھی جانتا ہے اور راسخ العلم عارف بھی۔

اس تنقیح کی بنا پر قرآن کے بعض اجزاء کے ناقابلِ فہم اور بے کار ہونے کا شبہ پیدا نہیں ہوتا۔ حقیقت میں قرآن مجید کی آیات میں ظاہری احکامِ قطعیہ کے علاوہ کچھ رموز و اسرار اور دقائق و حقائق بھی ہیں اور خاص خاص علماء ان کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور استنباط بھی کرتے ہیں۔ علماءِ متقدمین کے علاوہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اسرارِ حقیقت تک پہنچنے کی بہت کوشش کی ہے۔ ہم نے بھی اپنی اس تفسیر میں بقدرِ امکان کاوش کی ہے کہ علماءِ عارفین کے عرفانی چشمے سے چند قطرے حاصل کرنے کی سعیِ بلیغ کی ہے، لیکن یہ اسرار بینی اور حقائق رسی قطعی اور یقینی نہیں ہوتی، اسی لئے ان پر اعتمادِ کامل نہیں کیا جاسکتا .... متشابہات کو حل کرنے کی بھی علماءِ عارفین نے اسی قسم کی کوششیں کی ہیں اور حضرت ابن عباس نے بھی اسی طرح کی تاویل جاننے کا دعویٰ کیا ہے فافہم فانہ اھم۔

حم عسق کی جو تشریح بطریقِ عکرمہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ اُس کا خلاصہ ہے کہ ح حلم الٰہی م مجدِ الٰہی ع علمِ الٰہی س سناءِ الٰہی (روشنی) اور ق قدرتِ الٰہی ہے۔

شہر بن حوشب اور عطاء بن ابی رباح کی روایت عن ابن عباس میں ہے کہ (ح) سے مراد حرب قریش ہے یعنی قریش باہم لڑیں گے۔ م سے ملک ہے یعنی ملک ایک قوم سے دوسری قوم کی جانب منتقل ہوگا۔ ع سے مراد عدو ہے یعنی قریش کی سلطنت پر ان کا دشمن چنگیز خاں یا اور کوئی حملہ کرے گا۔ س یعنی سنین قحط آئیں گے۔ ق قدرِ الٰہی ہے جو مخلوق میں نافذ ہے جس کو کوئی تدبیر روک نہیں سکتی (خطیب فی السراج)

ابن جریر نے اس جگہ ایک اثر غریب منکر نقل کیا ہے از احمد بن الازہر (یا احمد بن زہیر) از عبدالوہاب بن نجدۃ الحوطی از عبدالقدوس ابوالمغیرہ بن الحجاج

toobaafoundation.com

از ارطاۃ بن المنذر۔ ابن عباس سے ایک شخص نے کہا۔ مجھے حم عسق کی تفسیر بتائیے۔ ابن عباس نے سر جھکا کر منہ پھیر لیا۔ سائل نے دوبارہ سوال کیا۔ ابن عباس نے پھر بھی منہ پھیر لیا۔ سہ بارہ سوال کرنے پر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت حذیفہ بن الیمان موجود تھے۔ آپ نے فرمایا۔ میں تجھے اس کی تفسیر بتاؤں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ ابن عباس تجھے اس کی تفسیر کیوں نہیں بتاتے۔ بات یہ ہے کہ یہ آیت ابن عباس کے خاندان کے ایک شخص کے متعلق ہے۔ اس خاندان میں عبداللہ نام کا ایک شخص ہوگا (شاید خلیفہ منصور) مشرقی دریاؤں میں سے ایک دریا پر اس کا پڑاؤ ہوگا۔ دریا کے دونوں جانب دو آبادیاں ہوں گی۔ جب اللہ چاہے گا کہ اس خاندان کی حکومت زائل ہو تو دونوں آبادیوں میں سے ایک آبادی پر آگ (یعنی لڑائی کی آگ) مسلط فرمائے گا۔ صبح کو وہ شہر سوختہ خاکستر نظر آئے گا۔ دوسرے حصہ والے تعجب بھی کریں گے اور خوشی بھی کہ ہماری بستی تو بچ گئی وہ دن یونہی گزر جائے گا۔ رات ہوگی تو قوم کے بڑے بڑے جبار جمع ہونگے اور اللہ اس قطعہ زمین کو مع اُن سرکشوں کے دھنسا دے گا یعنی تختہ اُلٹ جائے گا (آخری خلیفہ عباس کے زمانہ میں تاتاری سپہ سالار نے مسلمانوں کے تمام سرداروں اور امراء و علماء کو بہانہ سے ایک خیمہ میں بلوا کر چُن چُن کر قتل کر دیا تھا۔ شاید خسف سے یہی مراد ہو) پس حٰم عسق سے یہی مراد ہے یعنی حٰم عزیمت از جانب حق تعالیٰ۔ (ع) عدلِ الٰہی (س) سکون (ق) قضاء الٰہی یعنی عباسی خاندان کی تباہی عزیمتِ الٰہی کے تحت عدل کے موافق بقضاء و قدر عنقریب ہوگی۔ یہ حکم قضاءً ظلماً نہ ہوگا عدل کے موافق ہوگا (رواہ ابن ابی حاتم والخطیب) شیخ ابن کثیر نے اس اثر کو غریب منکر قرار دیا ہے اور یہی صحیح ہے۔ نواب صدیق خاں بھوپالی نے تفسیر فتح البیان میں اسی روایت کو موضوع قرار دیا ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ ارطاۃ بن المنذر، عبدالقدوس، عبدالوہاب سب ثقہ راوی ہیں۔ ابو داؤد نے سنن میں عبدالوہاب سے چند روایات لی ہیں۔ اسی طرح احمد بن الازہر بھی ثقہ ہے پھر موضوع ہونے کے کوئی معنی نہیں۔ ہاں اگر ابن الازہر کی جگہ ابن زہیر ہو تو یہ شخص مستور الحال ہے۔ پھر بھی مستور الحال کی روایت کو موضوع نہیں کہا جا سکتا، خصوصاً ایسی حالت میں کہ ابن ابی حاتم کسی روایت کو جب تک اُس کی اسناد حسن نہ ہو نقل ہی نہیں کرتے۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

حٰمٓ ۚ عٓسٓقٓ ۞ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ

حٰم عسق اسی طرح آپ پر اور جو (پیغمبر) آپ سے پہلے ہو چکے ہیں اُن پر اللہ تعالیٰ جو زبردست حکمت والا ہے

الْحَكِيْمُ ۞ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۞ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ

(دوسری صورتوں اور کتابوں کی) وحی بھیجتا رہا ہے اُسی کا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہی سب سے برتر اور عظیم الشان ہے کچھ بعید نہیں کہ

يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي

آسمان اپنے اوپر سے (کہ اُدھر ہی سے بوجھ پڑتا ہے) پھٹ پڑیں اور (وہ) فرشتے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور اہل زمین کے لئے معافی مانگتے

الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۞ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ

ہیں خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی معاف کرنے والا ہے رحمت کرنے والا ہے اور جن لوگوں نے خدا کے سوا دوسرے کارساز قرار دے رکھے ہیں

toobaafoundation.com

اللّٰہُ حَفِیۡظٌ عَلَیۡہِمۡ ۫ۖ وَ مَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِوَکِیۡلٍ ۞ وَ کَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ قُرۡاٰنًا

اللہ ان کو دیکھ بھال رہا ہے اور آپ کو اُن پر کوئی اختیار نہیں دیا گیا اور ہم نے اسی طرح آپ پر (یہ) قرآن عربی وحی کے

عَرَبِیًّا لِّتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰی وَ مَنۡ حَوۡلَہَا وَ تُنۡذِرَ یَوۡمَ الۡجَمۡعِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ ؕ فَرِیۡقٌ فِی الۡجَنَّۃِ

ذریعہ سے نازل کیا ہے تاکہ آپ (سب سے پہلے) مکہ کے رہنے والوں کو اور جو لوگ اس کے آس پاس ہیں اُن کو ڈرائیں اور جمع ہونے کے دن سے

وَ فَرِیۡقٌ فِی السَّعِیۡرِ ۞ وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَہُمۡ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّ لٰکِنۡ یُّدۡخِلُ مَنۡ یَّشَآءُ فِیۡ

ڈرائیں جس کے آنے میں ذرا شک نہیں ایک گروہ جنت میں (داخل) ہوگا اور ایک دوزخ میں ہوگا اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ان سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے

رَحۡمَتِہٖ ؕ وَ الظّٰلِمُوۡنَ مَا لَہُمۡ مِّنۡ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیۡرٍ ۞ اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ۚ

اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور اُن ظالموں کا (قیامت کے روز) کوئی حامی مددگار نہیں کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا دوسرے کارساز قرار دے رکھے ہیں۔

فَاللّٰہُ ہُوَ الۡوَلِیُّ وَ ہُوَ یُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ۫ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۞ؑ وَ مَا اخۡتَلَفۡتُمۡ فِیۡہِ ع ۲

سو اللہ ہی کارساز ہے اور وہی مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور جس جس بات میں تم (اہل حق کے ساتھ)

مِنۡ شَیۡءٍ فَحُکۡمُہٗۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبِّیۡ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ ٭ۖ وَ اِلَیۡہِ اُنِیۡبُ ۞ فَاطِرُ

اختلاف کرتے ہو اُس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے یہ اللہ میرا رب ہے میں اسی پر توکل رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں وہ آسمان

السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا وَّ مِنَ الۡاَنۡعَامِ اَزۡوَاجًا ۚ

و زمین کا پیدا کرنے والا ہے اُس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے اور (اسی طرح) مواشی کے جوڑے بنائے (اور) اس کے

یَذۡرَؤُکُمۡ فِیۡہِ ؕ لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ ۚ وَ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ۞ لَہٗ مَقَالِیۡدُ السَّمٰوٰتِ

(جوڑے ملانے کے) ذریعے سے تمہاری نسل چلاتا رہتا ہے کوئی چیز اس کی مثل نہیں اور وہی ہر بات کا سننے والا دیکھنے والا ہے اسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمان

وَ الۡاَرۡضِ ۚ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ۞

اور زمین کی جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور (جس کو چاہے) کم دیتا ہے بے شک وہ ہر چیز کا پورا جاننے والا ہے

تفسیر تمام آسمانی مذاہب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ہر پیغمبر پر وحی الٰہی فرود آئی۔ وحی کی کیفیت نوعیت اور کمیت میں خواہ اختلاف ہو اور تفصیلی احکام جُدا جُدا ہوں لیکن اصولی اشتراک سب میں ہے اور امور مندرجہ ذیل کی تعلیم سب جگہ ایک ہی طرح ہے۔ (۱) اللہ واحد ہے، خالق ہے۔ رزاق ہے عالم محیط ہے، حاکم مطلق ہے اور متصرف کل ہے (۲) اُسی کے تشریعی احکام جاری ہونے چاہئیں۔ حق و باطل اور اچھے بُرے کا فیصلہ وہی کر سکتا ہے۔

toobaafoundation.com

اگر انسانی افہام مختلف ہوں، کسی کی عقل ایک بات کو صحیح اور دوسرے کی دانش اُس کو غلط بتاتی ہو تو فیصلہ کرنے کا حق صرف خدا کو ہے۔ کوئی شخص اپنی رائے سے فیصلہ نہیں کرسکتا (۳) قیامت ضرور آئے گی اور اعمال کی جزا سزا ملے گی۔ کچھ لوگ جنت میں اور کچھ دوزخ میں جائیں گے (۴) اگر اللہ چاہتا تو سب لوگ ہم خیال ہوجاتے اور اختلافِ رائے نہ ہوتا، سب صراطِ مستقیم پر ہوتے یا سب گمراہ ہوتے مگر اللہ نے نہ چاہا کہ سب کا ہم خیال ایک گروہ ہو اُس نے اپنی مشیّت کے مطابق بعض کو رحمت سے نوازنا چاہا (۵) پیغمبر کا کام تبلیغِ وحی ہے۔ گمراہیوں کی ذمہ داری پیغمبروں پر نہیں (۶) قیامت کے دن اللہ کی مشیت کے خلاف کوئی بھی کسی گمراہ کی حمایت نہ کرسکے گا۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے اصول تمام پیغمبری ادیان میں مشترک ہیں ہر نبی کی زبان کا اختلاف ہو تو ہو غرضِ وحی ایک ہی ہے۔

تحلیلِ اجزاء

حٰمٓ عٓسٓقٓ۔ اس کی حقیقی مراد سے اللہ ہی واقف ہے۔ بعض رموز واسرار ابن عباس کے قول سے اخذ کرکے ہم لکھ چکے ہیں۔

كَذٰلِكَ يُوحِيٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ یعنی جس طرح اللہ عزیز حکیم محمد رسول اللہ کے پاس قرآن وحی کے ذریعے سے بھیجتا ہے۔ اسی طرح پہلے انبیاء کے پاس صحیفے اور کتابیں وحی کے ذریعے سے اس نے بھیجی تھیں (ابن کثیر) تشبیہ کس بات میں ہے وجہ شبہ یعنی امر جامع تین چیزوں کو قرار دیا جانے کا احتمال ہے۔ (۱) تمام اصول عقائد، مکارم اخلاق اور تفصیلی احکام میں اشتراک ہو ایسا نہیں ہوا۔ اقوام کے حالات زمان ومکان کا اختلاف اور زبانوں کا تباین اشتراکِ کلی سے مانع ہے۔ اسی لئے سیاسی مدنی اور بعض اخلاقی احکام کی تفصیل میں ادیانِ سماوی باہم مختلف ہیں۔ نماز اور زکوٰۃ کے طریقے، جہاد کا حکم، مالِ غنیمت کو تصرف میں لانے نہ لانے کا فیصلہ تیمم کی تشریع غرض بکثرت تفصیلی احکام میں اختلاف ہے اس لئے تمام عقائد واعمال کی تعلیم کو مشترک نہیں کہا جاسکتا۔

(۲) اصول میں اتحاد خواہ اصول عقائد ہوں یا اصولِ مکارم یہی صحیح ہے۔ امام رازی نے اس جگہ لکھا ہے کہ ہم نے سورہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى کی تفسیر میں لکھ دیا ہے کہ اس میں اول توحید کا بیان ہے۔ دوم نبوت اور سوم دارِ آخرت کی تشریح اور آخر میں فرمایا ہے۔ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى یعنی ابراہیم وموسیٰ کے صحیفوں میں ان ہی تینوں چیزوں کا بیان ہے۔ گویا امام کی تشریح کے موافق آیت كَذٰلِكَ يُوحِيٓ میں انہی تینوں مشترک چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔ اور بات بھی یہی ہے۔ اللہ کی توحید کے اندر اس کے تمام خصوصی اوصاف آجاتے ہیں اور قیامت کے اقرار کے اندر قیامت کی تفصیل کا اقرار آجاتا ہے۔ اور نبوت سے دینِ الٰہی کا بندوں تک پہنچنا اور اُس کے بتائے ہوئے احکام پر چلنا ضروری قرار پاتا ہے۔ رہی احکام کی تفصیل اور کمی بیشی تو اس میں اشتراک نہیں، ہر شریعت انفرادیت کی حامل ہے۔

(۳) کیفیتِ وحی میں اشتراک۔ کیفیتِ وحی کو وجہ شبہ مشترک قرار دینا غلط ہے کیونکہ بروایت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ۔ حضور کے پاس وحی مختلف طریقوں سے آتی تھی، کبھی جرس کی آواز کے ساتھ آتی تھی، کبھی بشری شکل میں فرشتہ آتا تھا اور پیامِ الٰہی پہنچاتا تھا، سخت سردی کے زمانے میں انقطاعِ وحی کے بعد پیشانی مبارک سے اتنا پسینہ جاری ہوتا تھا جیسے کسی فصد کھول دی (رواہ البخاری ومسلم قد نقلناہ مع حذف بعض التفاصیل) یہ کیفیت تو حضور کی وحی کی تھی یعنی جرس والی صورت میں وحی اتصالی ہوتی تھی اور فرشتہ کی صورت میں وحی کو ہم معمولی وحی کہہ سکتے ہیں۔ معلوم نہیں۔ دوسرے انبیاء کے پاس وحی کس طرح آتی ہے۔ صرف القائے قلبی ہوتا تھا یا سب کے پاس فرشتہ آتا تھا یا وحی اتصالی ہوتی تھی اور وحی کے وقت پیغمبر تمام بشری صفات سے پاک ہوجاتا تھا۔ اس کی تفصیل معلوم نہیں ہاں حضور کی وحی میں اتنی خصوصیت ضرور ہم کو معلوم ہے کہ قرآن کتابی شکل میں بحیثیت مجموعہ نازل نہیں ہوا، دوسرے پیغمبروں پر وحی کا نزول بصورتِ کتابی ہوا اور پورا صحیفہ یا کتاب عطا کی گئی۔ واللہ اعلم۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ یعنی آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اللہ ہی کی مخلوق مملوک مقبوض اور محکوم ہے کوئی دوسرا نہ ان کا خالق ہے نہ مالک نہ قابض نہ حاکم اور متصرف۔ لیکن کیا اُس کو اُن کی مخلوقیت مملوکیت اور محکومیت سے کوئی نفع پہنچتا ہے یا ان میں سے کوئی اُس کے مشابہ اور مساوی ہے ایسا ہرگز نہیں ہے۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ۔ وہ ہر نفع اندوزی غرض، مشابہت مماثلت اور مساوات سے بلند اور برتر ہے۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ۔ عظمتِ الٰہی کی ہیبت سے قریب ہے کہ آسمان پارہ پارہ ہوجائیں۔ کذا قال ابن عباس و ضحاک

toobaafoundation.com

دوسری (کعب الاحبار (ابن کثیر) یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ کفار جو اللہ کے لئے بیٹا اور بیٹیاں قرار دیتے ہیں اور بیہودہ بکواس کرتے ہیں۔ اس بیہودگی سے آسمان خستگانتہ ہوجائیں تو بعید نہیں۔ بعض مفسرین نے فَوْقِهِنَّ کی ضمیر زمین کی طرف راجع کی ہے جو آیت بالا میں مذکور ہے یا کافروں کی جماعتوں کی طرف ضمیر لوٹتی ہے۔ یعنی خدا کی شان میں کافروں کی یہ بیہودگیاں اس قابل ہیں کہ اگر ان کے اوپر سے آسمان پھٹ پڑیں تو بعید نہیں۔ (سراج)

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۔ آسمانوں کے شق ہوجانے کا یہ دوسرا سبب بیان کیا۔ ایک تو خدا کی شان میں کافروں کی بیہودہ بکواس۔ دوسرے فرشتوں کی تحمید و تقدیس کی پرجلال ہمہ وقت مشغولیت (ہکذا فی السراج) یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ کی عظمت کی ہیبت سے آسمانوں کا پارہ پارہ ہوجانا بھی بعید نہیں اور اس کی ہیبت سے فرشتے بھی اس کی تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں۔

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۔ ملائکہ زمین والوں کے لئے معافی مانگتے ہیں۔ زمین والوں سے صرف اہل ایمان مراد ہیں۔ دوسری آیت میں آیا ہے۔ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الآیۃ یا گنہگار اور کفار سب مراد ہیں۔ ان کے گناہوں کے ڈر سے فرشتے بھی لرزتے ہیں کہ کہیں عذاب کی کوئی چھینٹ ہم پر بھی نہ پڑ جائے۔ اس لئے مجرموں کے لئے معافی کی درخواست کرتے ہیں۔

اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۔ یعنی نادانی کی حالت میں جن سے گناہ ہوجاتے اور وہ پشیمان ہوکر توبہ کرلیں تو اللہ ان کے لئے غفور رحیم ہے۔ ہم نے اللہ کے غفور رحیم ہونے کی یہ تشریح ایک دوسری آیت کی روشنی میں کی ہے لیکن اگر دونوں آیتوں کو اپنی اپنی جگہ رکھا جائے اور ایک کو دوسری کی تشریح نہ قرار دیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ آیت توبہ میں توبہ قبول ہونے کی شرط یہ قرار دی ہے کہ نادانی سے گناہ ہوجائے اور پھر پشیمان ہوکر توبہ کرلی جائے۔ اس آیت میں غفران و رحمت کو مطلق رکھا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اللہ کی مغفرت اور رحمت عمومی ہے۔ اگر بندوں کے گناہوں پر گرفت ہوتی اور اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو کوئی بھی زندہ نہ بچتا۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۔ یہ تو اللہ کی طرف سے اپنے غفور رحیم ہونے کی ندا تھی اور فرشتوں کی طرف سے زمین والوں پر شفقت تھی۔ رہا سرکش کافروں کا اللہ کے ساتھ سلوک تو اس کی صورت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا کارساز اور سرپرست سمجھ رکھا ہے۔ ان کے بھروسہ پر جیتے ہیں ان کے ناموں کی رٹ لگاتے ہیں۔ ان کو پکارتے ہیں ان سے مرادیں مانگتے ہیں۔ ان کے نام پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ ان کی پوجا کرتے ہیں۔ غرض اللہ کو چھوڑ کر ان کو دوست سمجھ رکھا ہے تو اللہ ان کے اعمال کا نگراں ہے۔ اس کو ان کے کرتوت سب معلوم ہیں۔ ان سے منوانا اور زبردستی راہ راست پر لانا رسول کا کام نہیں۔ رسول ان کے اعمال کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا ۔ یعنی جس طرح جس مقصد کے لئے اللہ نے گزشتہ پیغمبروں کے پاس صحیفے اور کتابیں اور پیام ہدایت بھیجے تھے۔ اسی طرح آپ کے پاس بھی عربی زبان میں قرآن بھیجا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی الفاظ بھی قرآن کا جزو ہیں اور رسول اللہ کو وحی قرآن عربی زبان میں ہوئی تھی۔

لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۔ تاکہ مکہ کے باشندوں کو اور مکہ کے چہار اطراف والوں کو اللہ کی نافرمانی سے آپ ڈرائیں۔ مَنْ حَوْلَهَا سے مکہ کے قریب گرداگرد رہنے والے ہی مراد نہیں ہیں بلکہ مکہ چونکہ وسط زمین ہے اس لئے اول نزول وحی مکہ کے باشندوں کے لئے ہوا۔ پھر ہر سمت جہاں تک آبادی ہے سب اسلام کے مکلف ہوئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے پہلے کعبہ کو نمودار فرمایا پھر اس کے گرد تمام زمین بچھائی۔ یعنی مشرق مغرب شمال جنوب ہر سمت زمین پھیلائی۔

وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۔ یوم الجمع سے مراد ہے قیامت کا دن جس میں اگلے پچھلے سب جمع ہوں گے اور حساب کتاب کے بعد ایک گروہ جنتی اور دوسرا دوزخی ہوگا۔ آیت بالا کی بناء پر بعض مفسرین نے صراحت کی ہے کہ دوزخیوں کا دوزخی ہونا اور جنتیوں کا جنتی ہونا علم الٰہی میں پہلے سے مقرر ہے۔ حدیث میں بھی آیا ہے۔ کل میسر لما خلق لہ۔ یعنی جس غرض کے لئے آدمی کی تخلیق ہوئی آدمی کو اسی کی توفیق ملتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ ہم لوگوں کے پاس حضور والا دو تحریریں دونوں ہاتھوں میں لئے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا تم جانتے ہو یہ کیسی تحریریں ہیں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں نہیں معلوم حضور آگاہ فرمائیں۔ حضور نے دائیں ہاتھ والی تحریر کے متعلق فرمایا۔ یہ رب العالمین کی

toobaafoundation.com

طرف سے ایک تحریر ہے جس میں اہلِ جنت کے اور ان کے باپوں اور قبیلوں کے نام ہیں۔ ان میں زیادتی کمی نہیں ہو سکتی۔ پھر بائیں ہاتھ والی تحریر کے متعلق فرمایا یہ دوزخیوں کی تحریر ہے جس میں ان کے اور ان کے باپوں اور قبیلوں کے نام ہیں جن میں بیشی کمی نہیں ہو سکتی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ جب معاملہ ختم ہو گیا تو اب ہم عمل کیوں کریں۔ فرمایا اعتدال کا نیک راستہ اختیار کرو۔ قرب کی کوشش کرو جنتی کا خاتمہ جنتی کے کام پر ہوگا۔ خواہ وہ کوئی کام کرتا ہو، اور دوزخی کا خاتمہ دوزخ کے کام پر ہوگا۔ خواہ وہ کوئی کام کرتا ہو۔ پروردگار اپنے بندوں کے کام سے فارغ ہو چکا ہے۔ اس کے بعد حضورؐ نے دائیں ہاتھ والی تحریر کی طرف اشارہ کیا۔ (وہ غائب ہو گئی) اور فرمایا فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ۔ پھر بائیں ہاتھ والی تحریر کو پیچھے پھینکنے کا اشارہ کیا (اور وہ بھی غائب ہو گئی) اور فرمایا فَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ۔ (رواہ احمد والنسائی والترمذی وقال حسن صحیح) حضرت براء بن عازب اور بعض دوسرے صحابیوں سے بھی اسی طرح کی روایات آئی ہیں۔ الفاظ کچھ مختلف ہیں۔

میں کہتا ہوں حدیث اپنی جگہ صحیح ہے۔ اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کی تعیین تخلیق سے پہلے ہو چکی ہے جس کا علم اللہ کو ہے اور حضور والا کو بھی اس کی اطلاع دے دی گئی تھی لیکن آیتِ مذکورہ میں اس ازلی نوشتہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں بلکہ آیت میں تو قیامت کے ہولناک ہونے کا بیان ہے جبکہ ایک فریق جنتیوں کا ہوگا اور دوسرا دوزخیوں کا۔ وہ وقت بہت خوفناک ہوگا۔ یہ مطلب تو اس آیت کے کسی جزء سے مترشح نہیں ہوتا کہ تخلیق سے پہلے جنتی اور دوزخی ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً۔ اگر اللہ چاہتا تو آدمیوں کے یہ دو فریق نہ ہوتے ایک ہی گروہ ہوتا (خواہ جنتی یا دوزخی) اللہ قادر و مختار ہے جیسا چاہے کر سکتا ہے لیکن

وَلَٰكِن يُدْخِلُ مَن يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ ۚ وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُم مِّن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ۔ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے (اور اس کو راہِ راست پر چلنے کی توفیق دیتا ہے اور شیطانی مکر سے محفوظ رکھتا ہے) ہاں جو ناحق کوش اور بے جا حرکتیں کرنے والے ہیں یعنی جنھوں نے خدا کے اختیارات مخلوق کو دے رکھے ہیں یا خدا کو عاجز قرار دیتے ہوتے دوسروں کو اس کا شریک سمجھ رکھا ہے قیامت کے دن اُن کا نہ کوئی کارساز ہوگا نہ مددگار۔ خطیب نے تفسیر سراج میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہوتے اللہ نے فرمایا تھا کہ آپ اُن کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ یعنی آپ میں یہ طاقت نہیں ہے کہ سب کو مومن بنا دیں۔ ہاں اللہ کو یہ قدرت ہے اگر وہ چاہتا تو سب کو ایمان پر جمع کر دیتا۔ خطیب کی یہ تشریح ہماری تفسیر سے مختلف ہے۔ اول تو خطیب کے نزدیک وکیل اور ذمہ دار نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ سب کو ایمان پر جمع کرنے کی قدرت نہیں اور ہم نے ذمہ دار نہ ہونے کی تشریح یہ کی تھی کہ اگر کوئی ایمان نہیں لاتا تو اس کی باز پرس آپ سے نہ ہوگی۔ دوسرے ایک امت بنانے کا معنی خطیب کے نزدیک یہ ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب کو مومن بنا دیتا اور ہماری تشریح اس سے عام ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب آدمیوں کو ایک گروہ بنا دیتا خواہ سب کو مومن بنا دیتا یا غیر مومن۔ واللہ اعلم بحقیقۃ مرادہ۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۖ فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ مدد کرنے کی اولیں شرط مددگار کی طاقت ہے۔ مدد کرنے والے میں اگر طاقت نہ ہو تو وہ حاجت مند کی کارسازی کیسے کر سکتا ہے۔ پھر طاقت بھی ہونی لازم ہے ورنہ مدد کا نتیجہ معلوم۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو کارساز سمجھنے والے یاد رکھیں کہ ان کا کوئی فرضی معبود کارسازی کی طاقت نہیں رکھتا۔ چاہے وہ باطل معبودوں اور طاغوتوں کو اپنا کارساز سمجھ رہے ہوں، مگر کارسازی کسی کے بس کا کام نہیں۔ کوئی ہمہ گیر طاقت نہیں رکھتا۔ کوئی مُردوں کو زندہ نہیں کر سکتا۔ یہ خصوصیت تو صرف اللہ کی ہے۔ وہ بے جان کو جاندار بناتا ہے اور اس میں سب کچھ کرنے کی قدرت ہے۔ اس لئے کارساز وہی ہے کوئی دوسرا نہیں۔ حاصل یہ کہ نہ دنیا میں کوئی دیوی دیوتا پیر فقیر پتھر پانی درخت ستارہ اور سیارہ کچھ نفع پہنچا سکتا ہے، نہ آخرت میں عذاب سے بچا سکتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ کی تفسیر میں هُوَ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ فرمایا ہے۔ اس صورت میں کافر و مومن کی عمومی کارسازی ظاہر کرنی مقصود نہ ہوگی، بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ کافروں نے تو دوسروں کو اپنا ولی اور مددگار بنا رکھا ہے مگر اللہ صرف اہلِ ایمان کا مددگار ہوگا ان کی نصرت کرے گا۔ اسی کی تائید دوسری آیت سے ہوتی ہے۔ فرمایا ہے۔ اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا اور کافروں کے متعلق فرمایا وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ گویا کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں اور مسلمانوں کا مولیٰ اللہ ہے۔ جنگِ اُحد میں جب کافروں کے سردار نے مسلمانوں سے پکار کر کہا۔ إِنَّ لَنَا عُزَّىٰ وَلَا عُزَّىٰ لَكُمْ۔ عُزّیٰ ہماری دیوی ہے اور تمہارے لئے کوئی عزیٰ نہیں یعنی

toobaafoundation.com

عزّیٰ کی مدد سے ہم غالب آئے تو حضورؐ نے فرمایا۔ اَللّٰہُ مَوْلٰنَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ۔ اللہ ہمارا کارساز ہے مددگار ہے۔ تمہارا کوئی مددگار کوئی کارساز نہیں یعنی عزّیٰ مدد نہیں کر سکتی۔ مددگار تو صرف خدا ہے اور اس کی مدد ہم کو حاصل ہے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ۔ انسانوں کے باہمی اختلاف اور کسی چیز کی حقانیت و بطلان کے متعلق قضا و آثار کا فیصلہ کرنا یعنی اشیاء کی حلت و حرمت کے احکام تجویز کرنا اور جاری فرمانا اللہ کا کام ہے۔ حاصل یہ ہے کہ خالقِ کل اللہ ہے۔ قادرِ مطلق اللہ ہے کارساز اللہ ہے تو افکار و اعمال کی تصحیح و تغلیط اور احکام کی تحلیل و تحریم بھی اُسی کا کام ہے۔ کسی کا از خود یا دوسروں کے کہنے سے کسی چیز کو صحیح یا غلط یا حلال حرام قرار دینا باطل ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ دینی امور کا فیصلہ کرنا خدا کا کام ہے۔ یعنی آیت مذکورہ میں لفظ من شیٔ خاص ہے اور اس سے مراد دینی احکام ہیں مگر ابن کثیر اور جلال محلی کے نزدیک من شیٔ نکرہ ہے۔ اس میں دینی یا دنیوی کی کوئی تخصیص نہیں۔ یہی تفسیر صحیح ہے کیونکہ مسلمان کے لئے دنیا دین جدا جدا نہیں۔ پوری زندگی دین ہے۔ زندگی کی ہر حرکت دین کے لئے ہے۔ دوسرے مذاہب والوں کی دنیا اور ہے اور مسلمان کی دنیا اور۔ اس لئے زندگی کے ہر معاملے کے صحیح غلط اور جائز ناجائز ہونے کا فیصلہ اللہ کے حکم کی روشنی میں ہی کیا جانا چاہیئے۔ اللہ شارع احکام ہے۔ قرآن دستورِ شریعت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شارحِ شریعت ہیں۔ یعنی واقفِ اسرار مفسر حضور کا ہر فرمان فیصلۂ الٰہی ہے کسی دوسرے کارساز اور حاکم کی گنجائش نہیں۔ اس لئے دوسروں کو حاجت روا حکمران اور معبود قرار دینا بڑی عجیب بات ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔ اس میں روئے خطاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ یعنی آپ کہہ دیجئے کہ ایسا خالق کارساز قادرِ مطلق حاکم برحق خدا میرا رب ہے۔ اسی کا مجھے بھروسہ ہے اور اپنی پوری زندگی کا رُخ میں اُسی کی طرف پھیر رہا ہوں۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ وہی فاطر السموات والارض ہے۔ یعنی آسمان زمین اور ان کی درمیانی کائنات کو عدمِ محض سے نکال کر شکلِ ہستی پہنانے والا وہی ہے۔ ہر چیز اس کی مسخر ہے۔ کوئی شے خود مختاری کا سر نہیں اُٹھا سکتی۔ اُسی نے

جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا۔ تمہاری قلبی تسکین جسمانی راحت تعاونِ زندگی اور تناسل کے لئے تمہاری دو صنفیں بنائیں۔ مرد اور عورت تمام عناصر متحد۔ مادہ ایک، صنف جدا جدا اور کیفیت منافع الگ الگ۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا۔ اسی نے تمہاری غذا سواری اور دوسرے منافع کے لئے چوپایوں کو الگ الگ صنف بنایا اور نر مادہ کا جوڑا لگایا۔

يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ۔ اس طریقہ سے تمہاری نسل کو پھیلاتا ہے۔ یعنی اوّل تخلیقِ کائنات کی جس میں انسان کی شخصی بقا کے لئے اسباب پیدا کئے۔ پھر نر و مادہ کو الگ الگ بنایا اور صنفوں کو ملا کر جوڑا لگایا اور اس طرح نسلِ انسانی کو پھیلایا۔ اس پوری تقریر سے واضح ہو گیا کہ اللہ کی طرح کوئی چیز نہیں۔ نہ جوہرِ ذاتی میں، نہ صورت و کیفیت میں، نہ مقدار اور مرتبہ میں، نہ صفت اور حالت میں۔ امام راغب نے لکھا ہے کہ مثل کا لفظ تمام الفاظ سے زیادہ عام ہے۔ ندّ اُس کو کہتے ہیں جو ذاتی جوہر میں مشابہ ہو۔ شبیہ مشترک الکیفیت کو کہتے ہیں۔ مساوی مقدار میں برابری رکھنے والے کو کہتے ہیں۔ مشاکل لمبائی چوڑائی اور ہیئت میں ایک طرح کی چیز کو کہتے ہیں اور لفظ مثل ان سب معانی کو حاوی ہے۔ لیس اللہ کا کوئی مثل نہیں۔ یعنی نہ جوہرِ ذاتی میں نہ صفات میں نہ کیفیت صورت اور مرتبہ میں۔ خلاصہ یہ کہ کائنات میں سے اللہ کی طرح کسی کی ذات نہیں، صفت نہیں کیفیت اور حالت نہیں، ہیئت اور خاصیت نہیں، مرتبہ اور طاقت نہیں۔ وہ ہر تمثیل تشبیہ اور تنظیر سے پاک ہے۔ زمان و مکان سے منزہ ہے امکان کی ہر آلائش سے مبرا ہے۔ خارج و ذہن کی قیود سے خدا ہے جو کچھ اُس کے متعلق کہا جائے اس سے وہ ماوراء ہے۔ جو تصوّر دماغ میں لایا جائے وہ اس سے بلند ہے۔ ہر قول و بیان کی ہمہ گیری اور ہر تصوّر کی رسائی اور پہنائی بارگاہِ الوہیت کے سامنے سپر انگندہ ہے۔ سچ ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ پھر کسی دوسرے کو کارساز کیوں سمجھا جائے۔ کیوں کسی کے سامنے سرِ بندگی جھکایا جائے اور کیوں کسی سے غلط آس لگائی جائے۔

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ سمیع و بصیر بھی تو اللہ ہی ہے۔ یعنی اُس کے سوا کوئی سنتا اور دیکھتا بھی تو نہیں۔ گو بظاہر دوسرے بھی دیکھتے سنتے ہیں، لیکن کوئی بھی ایسا نہیں کہ ہر آواز کو سن سکے یا کسی آواز کی ہر کیفیت کو سن سکے۔ اسی طرح کوئی بھی اس موجودات کی ہر چیز کی صورت کو نہیں دیکھ سکتا۔ نہ کسی ایک صورت کو دیکھنے کے بعد اس کی ہر کیفیت اور پوری حقیقت سے واقف ہو سکتا ہے۔ کون ہے کہ کروڑوں مخلوق کی پکار کو ایک وقت ایک ساعت،

toobaafoundation.com

ایک دقیقہ اور ایک ثانیہ میں سن کر سمجھ سکے۔ کون ہے افلاک و کواکب ملائکہ اور ارب در ارب غیبی کائنات کی ہر حرکت کی آواز کو سن سکے۔ کون ہے جو دماغی ہر تصور اور ہر قلبی خطور کی خفیف ترین لہر کی آہٹ پا سکے۔ پتیوں اور کلیوں کی چٹک اور نوکِ خار کی شکست کی کھٹاک کون سماعت کر سکتا ہے۔ ایسا سننے والا تو اللہ ہی ہے۔ یہ بھی سوچو کہ تاریک غاروں کے اندر رات اندھیری میں چیونٹی کے پاؤں کی حرکت کو کون دیکھتا ہے۔ روئے زمین کے ہر سبزے کے حقیر ترین ہر جزء کی بالیدگی کون ملاحظہ کر رہا ہے۔ ان گنت قطروں کی روانی اور ذراتِ ہوائی کی روانی کس کے زیرِ معائنہ ہے۔ غرض ہر ذرہ کائنات کی ہر آن پیدا ہونے والی تغیراتی موج کا کون مشاہد ہے۔ یہ خصوصیت تو اللہ ہی کی ہے۔ پس وہی سمیع ہے وہی بصیر ہے۔ نہ کوئی دوسرا دیکھتا ہے نہ سنتا ہے۔ پھر کسی دوسرے کو کیوں پکارا جائے، کیوں اپنی حالتِ زار دکھائی جائے اور کیوں مدد کے لئے بلایا جائے۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اُسی کے پاس تو زمین آسمان کے خزانوں کی کنجیاں ہیں۔ (مقالید کے معنی کنجیاں، مقدورات و ممکنات اللہ کا خزانہ ہے جو اُس کے قبضہ میں ہے اور اس کی قدرت نامحدود ہے (امام قشیری) یعنی زمین کے اندر سونا چاندی قیمتی جواہر ہر مفید دھات اور ہر طرح کی روئیدگی اور بالیدگی کی طاقت مخفی ہے جس کی کوئی گنتی نہیں۔ نہ کوئی جان سکتا ہے۔ اور آسمانوں میں بھی طرح طرح کے غیبی خزانے پوشیدہ ہیں۔ سیارے ستارے ملائکہ غیبی طاقتیں اتھاہ توانیں ناقابلِ تصور برقی لہریں اور خدا جانے کیا کیا مخفی صلاحیتوں کے دفینے مدفون ہیں اُن غیبی خزانوں میں سے۔

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ۔ وہ جس کو چاہتا ہے فراخی کے ساتھ دیتا ہے جس کو چاہتا ہے رزق کی تنگی دیتا ہے۔

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ وہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے جس کو جتنا جب جہاں سے اور جس طور سے مناسب سمجھتا ہے دیتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی نہیں جس کے پاس زمین آسمان کے خزانے ہوں۔ ان خزانوں کی کنجیاں ہوں۔ کھولنے اور دینے کی طاقت ہو۔ تصرف کرنے کا اختیار ہو۔ دینے اور نہ دینے کی مصلحت کا علم ہو۔ لینے والے کی قابلیت اور مقدارِ قابلیت سے واقفیت ہو۔ جب کسی کے بس میں کچھ نہیں۔ ہر ماسوا نا واقف عاجز تہی دست اور محتاج ہے تو پھر منگتا کو منگتا کیا دے سکے گا۔ نادار سے مانگنا عبث ہے۔ عاجز کے پاس طاقت کہاں کہ وہ کسی کی مدد کر سکے۔ ایسے عاجزوں، جاہلوں، تہی دستوں اور بے بسوں کو اولیاء بنانا اور کارساز تصور کرنا سراسر حماقت ہے۔ خسرانِ مآلی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

مقصود بیان

كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ الخ سے تمام ادیانِ سماویہ اور مسالک انبیاء کے اصولی اشتراک و وحدت کی طرف اشارہ ہے۔ امہات العقائد اور اصول مکارمِ اخلاق کی تعلیم ہر پیغمبر کے پیشِ نظر رہی۔ شرک انکارِ قیامت تکذیبِ رسالت اور اشاعتِ فسق و فجور کی ہر پیغمبر نے ممانعت کی، حکمِ خداوندی کے مطابق زندگی کی رفتار کو ڈھالنے کی ہر ایک نے ہدایت فرمائی۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ الخ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اللہ کی عظمت کی ہیبت اور جلال کے خوف سے آسمان اور ملائکہ یعنی سب سے بڑی مرئی اور غیر مرئی مخلوق بھی لرزاں اور ہراساں ہے۔ اس خوف سے آسمانوں کا پھٹ پڑنا بعید نہیں اور ملائکہ ہر دم تسبیح و تقدیس میں مشغول ہیں۔ یا خدا کے متعلق کافروں کی بیہودگیاں ایسی لرزہ خیز ہیں کہ آسمان باوجود اپنی تہاریت و عظمت کے اور ملائکہ باوجود اپنی کرامت اور منزلت کے لرزاں ترساں ہیں۔

يَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ سے واضح ہوتا ہے کہ ملائکہ اہلِ زمین کے لئے استغفار کرتے ہیں یعنی گناہگاروں کی شفاعت کرتے ہیں۔ یہ آیت شفاعتِ ملائکہ پر دلالت کر رہی ہے۔

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ سے صراحۃً ثابت ہے کہ کسی کی نافرمانی کی ذمہ داری پیغمبر پر نہیں اور بقول خطیب پیغمبر سب کو ایمان پر جمع کرنے کی قدرت نہیں رکھتے نہ اس پر مکلف ہیں۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا کا لفظ بتا رہا ہے کہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا اور الفاظ و معانی کے مجموعہ کا نام قرآن ہے۔

وَلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ الخ سے یہ امر مترشح ہو رہا ہے کہ اللہ نے اپنی دونوں صفتوں یعنی رحمت و غضب کا اظہار چاہا۔ اس لئے سب آدمیوں کے دو گروہ کر دئیے ایک خیال پر سب کو جمع نہیں کیا۔

مَنْ حَوْلَهَا کے لفظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ رسول پاک کی رسالت تمام اطرافِ عالم کے لئے عمومی تھی۔ يَوْمَ الْجَمْعِ سے معلوم ہو رہا ہے کہ قیامت کے دن اگلے پچھلے سب آدمی جمع ہوں گے۔ ایسا نہ ہوگا کہ قبروں سے اٹھتے جائیں حساب ہوتا جائے اور جنت و دوزخ میں داخل ہونے کا تانتا بندھا رہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ میں اظہارِ تعجب ہے اُن لوگوں کی حالت پر جنہوں نے حقیقی قادرِ مطلق عالمِ کل سمیع و بصیر کارساز کو چھوڑ کر

toobaafoundation.com

دوسرے جھوٹے کارساز بنا رہے ہیں اس آیت کو پڑھ کر درس بصیرت اور سبق نصیحت لینا چاہیئے اُن پجاریوں کو جو اولیاء و انبیاء و ملائکہ بلکہ ہر جھوٹے پیر فقیر کو کارساز سمجھتے اُن کے مزاروں پر چڑھاوے چڑھاتے اور منتیں مرادیں مانگتے ہیں اللہ کچھ نہیں سمجھتے کہ اُن کے بس میں خود کچھ نہیں۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ سے ثابت ہو رہا ہے کہ تشریع یعنی اشیاء کی تحلیل و تحریم کا حق صرف خدا کو ہے۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ میں کلمہ حصر بتا رہا ہے کہ اللہ کے علاوہ نہ کوئی سنتا ہے نہ دیکھتا ہے۔ یعنی پوری کیفیت اور ماہیت کو خواہ کسی ایک چیز ہی کی ہو یا ہر آواز اور ہر صورت کو یہاں حقیقت اور مجاز کی تعطیل بے محل ہے۔ کیونکہ واقعہ میں نہ بطور حقیقت نہ بطور مجاز کوئی شخص بھی نہ سمیع ہے نہ بصیر وغیرہ۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم

وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ

اور موسیٰ و عیسیٰ کو (مع ان سب کے اتباع کے) حکم دیا تھا (اور ان کی امت کو یہ کہا تھا) کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا مشرکین کو وہ بات بڑی گراں گزرتی

اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ

ہے جس کی طرف آپ ان کو بلا رہے ہیں۔ اللہ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے اور جو شخص (خدا کی طرف) رجوع کرے اسکو اپنے تک رسائی دیدیتا ہے اور وہ لوگ بعد اس کے

بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

کہ ان کے پاس علم پہنچ چکا تھا محض آپس کے ضد اضدی سے باہم متفرق ہوگئے اور اگر آپکے پروردگار کی طرف سے ایک وقت معین تک (کیلئے مہلت دینے کی) ایک بات

لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝

پہلے قرار نہ پاچکی تو دنیا ہی میں ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے (مراد اس سے مشرکین عہد نبوی کے ہیں) وہ اسکی طرف سے ایسے

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ

(قوی) شک میں پڑے ہیں جس نے (انکو) تردد میں ڈال رکھا ہے سو آپ اسی طرف (ان کو برابر) بلاتے جایئے جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے اور (اس پر) مستقیم رہیے اور انکی فاسد

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا

خواہشوں پر نہ چلیئے اور آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میں سب پر ایمان لاتا ہوں اور مجھ کو یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ (اپنے اور) تمہارے درمیان

وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

میں عدل رکھوں اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور

تمہارے عمل تمہارے لئے ہماری تمہاری کچھ بحث نہیں اللہ ہم سب کو جمع کریگا اور (اس میں شک ہی نہیں کہ) اسی پاس جانا ہے

تفسیر حضرت آدمؑ اس زمین پر آئے اور رفتہ رفتہ آپ کی نسل پھیلی۔ مدت تک لوگ سادہ فطرت پر رہے۔ ایک خدا کے بندے۔ سب ایمان دار نہ کوئی مشرک نہ بے ایمان نہ دوسرے کی حق تلفی کرنے والا، اس لئے کسی قانونی مجموعہ کی ضرورت ہی نہ تھی بعض آدمی گناہگار ضرور تھے، لیکن بدعقیدہ نہ تھے نہ ان کا کوئی پیرو نہ طرفدار اللہ کے نیک بندوں کی معمولی تنبیہات ایسے گناہگاروں کی اصلاح کے لئے کافی تھیں۔ اسی لئے حضرت آدمؑ کو رسول نہیں بنایا۔ آپ صرف نبی تھے۔ صاحب وحی والہام۔ رسول نہ تھے صاحب صحیفہ و کتاب۔ صحاح کی مشہور حدیث شفاعت میں آیا ہے کہ جب لوگ جمع ہو کر حضرت آدمؑ سے شفاعت کرنے کی درخواست کریں گے تو آپ شجرہ ممنوعہ کو کھانے کا عذر پیش کر کے فرمائیں گے تم نوحؑ کے پاس جاؤ وہ زمین والوں کے لئے اللہ کی طرف سے اولین رسول تھے الحدیث۔ یہ حدیث بھی بتا رہی ہے کہ رسالت کا آغاز حضرت نوحؑ سے ہوا اور خاتمۂ رسالت تو بہر حال محمد رسول اللہ کی ذاتِ گرامی پر ہوا۔ دونوں کے درمیان تین جلیل القدر صاحب صحیفہ صاحبِ شریعت پیغمبر ہوئے۔ ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ۔ حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ابراہیمؑ تک جتنے پیغمبر گذرے وہ سب شریعت نوحؑ کے پیرو تھے۔ مثلاً حضرت صالحؑ حضرت ہودؑ۔ جب ابراہیمی دور آیا تو نئی شریعت اور نئی ملت پیدا ہوئی اور آپ کے بعد جتنے انبیاء اور رسول گذرے سب ملتِ ابراہیمی کے پیرو تھے۔ مثلاً حضرت اسماعیلؑ حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ حضرت شعیبؑ وغیرہ۔ حضرت موسیٰؑ کا دور آیا تو توریت سب سے پہلی مدون کتاب نازل ہوئی اور حضرت عیسیٰؑ کے دور تک اس کے قوانین واجب العمل رہے۔ حضرت یوشعؑ حضرت حزقیلؑ حضرت داؤدؑ حضرت سلیمانؑ اور دوسرے انبیاء شریعت موسوی کے پابند تھے۔ زبور کتاب ضرور نئی تھی، لیکن شریعت نئی نہ تھی۔ توریت کے احکام کے خلاف کوئی حکم زبور میں نہ تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کا دور آیا تو انجیل نازل ہوئی۔ اور حضور سید المرسلین کی نبوت تک شریعت انجیل نافذ رہی۔ اس کے بعد قرآن مجید کا نزول ہوا۔

اللہ کی ذات و صفات ہر تغیر اور زمان و مکان کی حدود سے پاک ہیں۔ قیامت کا وقوع ہر زمانہ کے ہر آدمی کے محاسبۂ زندگی کیلئے ضروری ہے۔ نظم کائنات کو قائم رکھنا اور پیغمبروں تک اللہ کا پیام پہنچانے کے لئے ملکوتی طاقتوں کو بہر حال ہر زمانہ میں ضرورت ہے۔ اصول خیر و شر اور زندگی کے بنیادی قوانین کی اساسیں سے ہر زمانہ ہر ملک اور ہر قوم کا انسانی ذہن عاجز ہے، اس لئے مکارم اخلاق اور امہات الاعمال نظریات کی تشریح ہر زمانہ میں خدا کی طرف سے ایک ہی جیسی ہونی لازم ہے۔ مثلاً چوری، زنا، دراز دستی، خیانت، رشوت، جھوٹ، بہتان، غیبت، فحاشی، مکاری، دغا، دھوکہ دہی وغیرہ ہر زمانہ میں بری حرکات ہیں اور ان کی سزا ضروری ہونی چاہیئے۔ خواہ کسی نوعیت کی ہو۔ غرض مبدء و معاد اللہ ملائکہ کتب سماویہ انبیاء انذار و خیر و شر اور اصول فضائل و رذائل کی تعلیم ہر زمانہ میں ایک ہی طرح کی رہی ہے اسی کو دین کہا گیا ہے اور اسی کی اقامت کا حکم ہر پیغمبر کو ایک ہی طرح کا دیا گیا۔ رہا فروعی اختلاف مثلاً جرائم کی سزاؤں کی کمی بیشی بعض اشیاء کی علت و حرمت تو یہ اختلاف زمان و مکان اور اقوام کے قوامی مزاج کے اختلاف کے پیش نظر تمام ادیان سماویہ میں ہوتا رہا ہے لِكُلٍّ جَعَلْنَا شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ہر ایک کا گھاٹ علیحدہ راستہ جدا۔ یہ اختلاف شریعت کا اختلاف ہے۔ دین کا اختلاف نہیں۔

غرض تمام انبیاء نے متحد الفکر ہو کر اپنے اپنے دور میں اقامت دین کی کوشش کی اور چونکہ سب کو حکم دیا گیا تھا کہ آپس میں پھوٹ پیدا نہ کرنا۔ دینی تفرقہ نہ کرنا۔ اس لئے ہر آنے والے نے گذشتہ کی تصدیق کی۔ شریعت کے اختلاف کے باوجود گذشتہ شریعت کو گذشتہ دور کیلئے غلط اور غیر مفید نہیں قرار دیا اور اس طرح انبیاء کی تمام جماعت یک دل ہونے کے ساتھ یک زبان بھی ہو گئی۔ اور چونکہ انسانی معاملات میں ان کو عدل کرنے اور صحیح وزن قائم رکھنے کا بھی حکم دیا گیا تھا۔ نسب مودت زوجیت وطنیت والدیت و مولودیت مخدومیت اور خادمیت زبان رنگ کسی تعلق اور رابطہ کو اقامت عدل پر ترجیح دینے کی اجازت نہیں دی گئی تھی، اس لئے تمام انبیاء نے معاملات عبادت نفس اور سلوک باللہ میں میزان عدل کے دونوں پلڑے برابر رکھے۔ ہر نبی زندگی بھر اقامت دین کی کوشش میں سرگرم رہا۔ انتقال کے بعد اس کا صحیح جانشین آیا اور اس کے تزکیہ پیغمبر کے زیر اثر رہ کر تعلیم نبوت کو سیکھ لیا نے کی پوری زندگی میں سعی بلیغ کی اور جس طرح ہر پیغمبر ذاتی لالچ اور غرض سے آزاد رہ کر تبلیغ و ہدایت کرتا تھا اسی طرح اس کے صحیح جانشین نے بھی خواہش نفس اور لالچ سے بچ کر اقامت دین کی خدمت کی رفتہ رفتہ ایسے لوگ پیغمبر کے جانشین ہونے لگے جن کا ایمان مردہ اور نور روح افسردہ تھا۔ ہوا و ہوس کا غلبہ اقتدار اور برتری

toobaafoundation.com

کی خواہش کا تسلط اور دوسروں کے حقوق پر چھاپہ مارنے کا جذبہ برسرِعمل تھا اور پیغمبری سے دوری بھی ہوتی گئی تھی۔ تعلیم نبوت لوگوں کو فراموش ہوگئی تھی۔ دلوں پہ زنگ اور روحوں پر کثافت چھا گئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود کتاب اللہ کے موجود ہونے اور دستِ نبوت حاصل کر چکنے کے سب آپس میں لڑ پڑے ایک دوسرے کے خلاف ہوگیا۔ پھوٹ پڑگئی، فرقے بن گئے۔ اختلاف نے مخالفت کی شکل اختیار کرلی۔ تحقیقِ حق کا جذبہ ذاتی عناد میں تبدیل ہوگیا۔ اور علم کے بعد بیوں جہالت کا دور آگیا۔ اور ہر شخص بجائے خدا کے نفس کا بندہ ہوگیا۔ اللہ نے اُمتِ اسلامیہ کو متنبہ کرنے کے لئے گزشتہ انبیاء و اقوام کے احوال بیان کئے اور حضورِ اقدس کو امرِ الٰہی کا پابند رہنے، استقامت قائم رکھنے اور خواہشِ نفس کی پیروی کو ترک کرنے کا حکم دیا اور افرادِ ملت کو مامور فرمادیا کہ تم دوسری قوموں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو اور صاف کہدو کہ ہمارے عمل ہمارے ساتھ، تمہارے عمل تمہارے ساتھ۔ قیامت کے دن ہم سب کو جب اللہ جمع کرے گا تو فیصلہ کردے گا۔

تحلیل اجزاء

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى حضرت نوحؑ سے پہلے کوئی رسول نہ تھا۔ انبیاء ضرور ہوئے تھے۔ اُن کی کوئی شریعت جامع نہ تھی۔ سب سے اوّل رسول حضرت نوح ہوئے تھے، اس لئے نوح سے پہلے پیغمبروں کا تذکرہ آیت میں نہیں کیا۔ آخری پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔ اور دونوں کے درمیان ابراہیم اور موسیٰ تین جلیل القدر پیغمبر گذرے تھے، اس لئے ان پانچوں کا دینی اشتراک بتا رہا ہے کہ ان کی شریعتوں پر چلنے والے دوسرے پیغمبر بھی نیا دین لے کر نہیں آئے تھے اُن کا دین بھی وہی تھا جو ان پانچوں بزرگ ترین ہستیوں کا تھا۔ دین سے کیا مراد ہے۔ اس کو ہم کئی جگہ لکھ آئے ہیں اور ان آیات کے تفسیری مقالہ میں بھی ذکر کردیا ہے۔ بعض لوگوں کو شریعت کے اختلاف کی وجہ سے دین کے اختلاف کا دھوکہ ہوتا ہے۔ حالانکہ شریعت سے مراد تحلیل و تحریم کے وہ خصوصی جزئی فرعی احکام ہیں جو اختلاف زمان و مکان اور تفاوت اقوام کے مصالح کے پیشِ نظر بدلتے رہے ہیں لیکن دین ہمیشہ اٹل رہا۔ اللہ کی ذات و صفات کا عقیدہ ہر جگہ ایک ہی ہے۔ اللہ کا شارع ہونا، قیامت کا آنا، اعمال کا محاسبہ ہونا۔ سماوی و ارضی ملائکہ کا اپنی اپنی خدمت پر مامور رہنا اور اعمال کی دنیا میں مکارمِ اخلاق محاسن و اقوال و افعال کا ضروری قرار پانا ہر پیغمبر کی تعلیم کی اصلی روح ہے۔ کسی کا دوسرے سے سرِ مو تفاوت نہیں۔ ہاں شریعت میں اختلاف ضرور ہے۔ مثلاً دو بہنوں کا ایک وقت میں ایک مرد کی زوجیت میں رہنا حضرت یعقوب کے زمانے میں جائز تھا۔ توریت میں اس کی ممانعت کردی گئی۔ شراب پہلے حلال تھی توریت میں حرام کردی گئی۔ جہاد ضروری تھا، مگر مالِ غنیمت حاصل کرنے کی ممانعت تھی اونٹ کا گوشت کھانا ممنوع تھا جزیہ قبول کرنا ناجائز تھا۔ ایمان نہ قبول کرنے والے کافروں کو قتل کردینے کا حکم تھا۔ حضرت عیسیٰ کی شریعت میں شراب، اونٹ بلکہ سور کا گوشت بھی حلال کردیا گیا۔ جہاد بند ہوگیا۔ کافروں کو قتل کرنے کی ممانعت ہوگئی۔ شریعت محمدیہ میں مالِ غنیمت حلال ہوگیا۔ جزیہ جائز ہوگیا، ذمی کافر کو قتل کرنے کی ممانعت ہوگئی اور حربی کو قتل کرنے کا حکم ہوگیا۔ اونٹ کا گوشت حلال، شراب اور سور کا گوشت حرام قرار پایا۔ غرض اس طرح کے اختلاف شریعتوں میں ہوتے رہے، مگر دین اور اقامتِ دین میں اتحاد رہا۔ کسی نے کسی کی تکذیب نہیں کی۔ مجاہد نے بھی آیت مذکورہ کی تشریح میں اسی وحدتِ دینی کی صراحت کی ہے جو بخاری میں موجود ہے۔

اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ۔ تمام انبیاء کو اقامتِ دین کے حکم کے ساتھ تفرقہ فی الدین کی ممانعت کردی گئی تھی یعنی تحلیل و تحریم احکام میں اختلاف کے باوجود دینی تفرقہ کی ممانعت کردی گئی تھی (ہکذا فسرہ قتادہ) قتادہ نے یہ بھی فرمایا اس میں (درپردہ) لوگوں کی مذمت کی گئی ہے کہ تم نے یہ نہ جانا کہ دینی تفرقہ سے بربادی ہوتی ہے اور اقامت جماعت مضبوطی کا سبب ہے۔ جماعت پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے اور پھوٹ پر عذاب۔

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ۔ یعنی دین توحید اور ممانعت شرک کی دعوت مشرکوں کو کھلتی ہے۔ قتادہ نے اس فقرہ کی تفسیر میں فرمایا مشرکوں پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کی دعوت گراں گذری۔ ابلیس اور اس کی ذریات اس سے دل تنگ ہوئے، لیکن اللہ کو یہی منظور تھا کہ دین توحید غالب ہو توحید کا بول بالا ہو اور مخالف دشمن ذلیل و خوار ہوں۔ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ

toobaafoundation.com

مَنْ يُّنِيْبُ۔ قتادہ نے کہا جس کو چاہتا ہے اللہ اپنی بندگی کیلئے خالص فرمالیتا ہے۔ اور جو گڑگڑاتا ہے اس کو اپنے پاس تک پہنچنے کا راستہ بتا دیتا ہے۔ ایمان اور صلاح اعمال کی ہدایت کر دیتا ہے۔ اس مطلب پر یشاء کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو گی۔ اور اگر من کی طرف لوٹائی جائے تو معنی میں زیادہ لطافت پیدا ہو جائے گی۔ یعنی جو شخص خود اللہ کی طرف جانا چاہتا ہو اللہ اس کو چُن لیتا ہے اور برگزیدگی عطا فرماتا ہے۔ اس مطلب کے موافق آیت میں ارادہ اور نیت کو خالص رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ اس آیت میں اہل کتاب کی مذمت ہے اور مسلمانوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہے۔ یعنی اہل کتاب کو جب کتاب مل گئی اور علم شریعت حاصل ہو گیا تو اب لگے دینی اختلاف کرنے اور اس اختلاف کی بنیاد محض آپس کا حسد، بغض، دشمنی اور ایک کی دوسرے پر نفسانی تسلط کی زیادتی تھی۔ چنانچہ اہل کتاب کے بہتر فرقے ہو گئے جو باہم تکفیر کرتے ہیں۔ شریعت ایک دین ایک مگر ذاتی عداوت کے تحت ہر ایک دوسرے سے لپٹ گیا پھوٹ پڑ گئی۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ۔ یعنی اگر اللہ کا ضابطۂ میعاد مقرر (تا زندگی) مہلت دینے کا نہ ہوتا (آخرت کو دار الجزاء اور دنیا کو دار العمل نہ بنایا گیا ہوتا تو اسی زندگی میں) ان کا باہمی فیصلہ کر دیا جاتا (حق پرست کو جزا اور باطل پرست کو سزا دے دی جاتی ہے۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ۔ یعنی یہود اور نصاریٰ نے اپنی کتابوں میں تحریفات کی تھیں۔ قرآن بھیج کر اُن کی تحریفات کو مٹا دیا گیا اور اصل حکم ظاہر کر دیا گیا۔ اب پچھلے لوگوں پر لازم تھا کہ اللہ کا شکر کرتے اور قرآن کو سچا جانتے اور اس پر ایمان لاتے، مگر وہ شک میں ہی پڑے رہے۔ ایمان نہ لائے، بے اطمینانی کی حالت پر قائم رہے۔

شیخ ابن کثیر نے تفسیری مطلب اس طرح لکھا ہے کہ اگلے لوگوں نے جو کچھ تحریفات کی تھیں پچھلے لوگوں کے پاس اُن کی صداقت ثابت کرنے کی کوئی یقینی دلیل نہیں یہ تو کورے مقلد ہیں بغیر دلیل و برہان کے اختلافات میں پڑے ہیں۔ جیسا اگلوں نے لکھ دیا، پچھلوں نے متحیر ہو کر ان کی تقلید کر لی اور لگے باہم لڑنے اور نفسانی خواہشوں پر اڑنے۔ شیخ محلی نے مطلب کی توضیح اس طرح کی ہے کہ اہل کتاب رسول اللہ کی رسالت کے معاملہ میں شک میں پڑے ہیں دین اُن کے پاس باقی نہیں رہا۔ توحید کو انہوں نے مٹا دیا اب کیا کریں مضطرب ہیں۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ۔ شیخ ابن کثیر نے لکھا ہے اس پوری آیت میں دس کلمات ہیں اور ہر کلمہ ایک مستقل حکم ہے۔ آیت الکرسی کے علاوہ کوئی دوسری آیت ایسی نہیں ہے۔ آیت الکرسی میں ضرور دس امور کا ذکر ہے۔ اس فقرہ میں ذٰلک مشار الیہ کیا ہے۔ اس کے متعلق علماء تفسیر کے مختلف اقوال ہیں۔ ہر اہل کتاب کی پھوٹ، کتاب، علم، حکم، توحید، بہر حال دعوت کا حکم ہے حکم کی بنیاد علت اور جہت کچھ بھی ہو۔

وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ یہ آیت بھی مجمل ہے۔ جیسا حکم دیا گیا ہے اُس پر قائم رہو۔ یہ الفاظ مختلف معانی کو حاوی ہیں۔ امام راغب نے کہا کہ راہِ مستقیم کو لازم پکڑ لو۔ قتادہ نے کہا امر الٰہی پر قائم رہو۔ سفیان ثوری نے کہا قرآن پر ٹھیک قائم رہو۔ ضحاک نے کہا فرض رسالت کی ادائیگی پر قائم رہو۔ اس تاکید کا مقصد یہ ہے کہ اپنی یا کسی دوسرے کی خواہش کی پیروی مت کرو۔ امر الٰہی کو سامنے رکھو۔ اس کی تشریح آئندہ آیت میں فرمائی ہے۔

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ۔ یعنی لوگوں کے میلان خاطر اور جھکاؤ کے پیچھے نہ چلو۔ آدمیوں کا کسی طرف میلانِ خاطر چونکہ ہر خرابی کی جڑ ہے اور تنظیم انسانی کو تباہ کرنے والا ہے۔ خواہشات میں تضاد ہے اور حق ایک ہی ہے، اس لئے زندگی کا کوئی دستور العمل بن ہی نہیں سکتا۔ اگر لوگوں کے رجحانات اور میلانات کا اتباع کیا جائے کسی کا جھکاؤ قومیت کی طرف ہے کوئی وطنیت کا شکار ہے۔ کسی کے خیال میں بیوی بچوں یا ماں باپ بہن بھائی کی محبت ہر چیز پر غالب ہے۔ کوئی دوستی پر سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہے۔ کسی کو مالی مفاد یا شخصی راحت ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ کوئی زبان اور رنگ کے جھگڑوں میں پھنسا ہوا ہے۔ غرض میلانات میں اختلاف تباین کی حد تک پہنچا ہوا ہے اور کسی ایک شخص یا گروہ کے مرغوبات کو دستورِ زندگی میں ترجیح دینا دوسروں کے جذبات کو مجروح بلکہ مردہ کر دینے والا ہے، اس لئے واجب الاتباع صرف امر خداوندی ہے میلان بشری نہیں۔

toobaafoundation.com

وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۔ اس جملہ کا مطلب دو طرح سے ہو سکتا ہے ۔ ایک تو یہ کہ اللہ نے جو قرآن نازل فرمایا ہے یہ کہہ دو میرا اس پر ایمان ہے ۔ میں اس کو حق جانتا ہوں ۔ اس کے علاوہ کوئی دستور میرے لئے قابلِ اتباع نہیں یا یہ مطلب کہ اللہ نے جو کتاب بھی نازل فرمائی سب پر ایمان ۔ وہ سچی کتاب تھی ۔ اس کے کچھ حصوں کو سچا جانوں اور کچھ حصے میں اپنی طرف سے یا کسی کی رعایت سے تبدیل کر لوں ۔ ایسا نہیں کر سکتا ۔ کسی حکم کو لفظاً یا معنیً بگاڑ دوں یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا ۔

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آدمیوں کے آپس میں عدل کروں ۔ معاملاتِ بشری کو درست رکھوں کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے دراز دستی نہ کرے حق تلفی نہ کرے ۔ انسانی معاشرہ بیجا اونچ نیچ مظلومیت تفاخر عدمِ مساوات اور تغلب سے تباہ نہ ہو ہر شخص کو اس کا حق پہنچ جائے ۔ سیاست مدنیت سماج اور اخلاق کی درستی ہو جائے اور یہ سب کچھ امرِ خداوندی کی روشنی میں ہو ۔ نفسانی خواہش اور شخصی جھکاؤ کے زیرِ اثر نہ ہو ۔ ابوالعالیہ نے اس فقرہ کی تفسیر میں فرمایا کہ مساوات قائم رکھوں ، توحیدِ الٰہی پیشِ نظر رکھوں ، تمام پیغمبروں اور کتابوں کو سچا جانوں ۔ کسی کی تغلیط و تکذیب نہ کروں

اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۔ اللہ ہم سب کا رب ہے یعنی وہی خالق اور وہی معبود ہے ۔ اسی کے احکام جاری ہیں ۔

لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ اپنے اپنے اعمال ہیں جیسی کرنی ویسی بھرنی ۔ ایک کے عمل کو دوسرے کے عمل میں دخل نہیں ۔

لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۔ ہمارا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں یعنی کوئی ذاتی جھگڑا نہیں ۔ امرِ حق واضح ہو چکا اب جھگڑا کیسا ۔

اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۔ اللہ کے پاس سب کو لوٹ کر جانا ہے وہ ایک دن سب کو یکجا کرے گا اور ہر شخص کے اعمال کی جزا سزا دے گا ، جیسا کیا ہوگا سامنے آئے گا ۔ خازن اور بغوی نے صراحت کی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے ۔ ابن کثیر نے سدی کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے ۔ کیونکہ آیت مکی ہے اور جہاد کا حکم ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوا ۔ جہاد سے اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا ۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ منسوخ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ۔ آیت کا یہ مفہوم نہیں کہ کافروں سے بالکل جدائی کر لی جائے اُن سے کچھ تعرض نہ کیا جائے بلکہ جھگڑا کرنے کی ممانعت ہے ۔ اظہارِ حق کے لئے دلیل پیش کرنا یا کافروں کے ظلم و سرکشی کو رد کنے کے لئے جہاد کرنا اس آیت کی رُو سے ممنوع نہیں پھر منسوخ قرار دینے کی کیا ضرورت ہر مفہوم اپنی جگہ ثابت ہے دونوں میں تضاد نہیں ہے ۔

خطیب نے سراج میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے امیر المومنین حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے ۔ فرمایا ایمان چار ستونوں پر قائم ہے صبر ، یقین ، عدل اور جہاد ۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی چار شاخیں ہیں ۔ صبر کی چار شاخیں ہیں ۔ شوق ، خوف ، زہد ، انتظار ۔ جس شخص کو جنت کا شوق ہوگا وہ خواہشات کو ترک کر دے گا ۔ جس کو جہنم کا ڈر ہوگا وہ محرمات و ممنوعات سے علیحدہ رہے گا جو دنیا سے بے رغبت ہوگا دینی مصیبتوں سے بچ جائے گا ۔ جس کو موت کا انتظار ہوگا وہ نیکیاں کرنے میں جلدی کرے گا ۔ یقین کی بھی چار شاخیں ہیں ۔ تبصرۂ فطنت ۔ تاویل الحکمت ۔ موعظۃ العبرت ۔ سنت سابقین ۔ جس نے تبصرۂ فطنت یعنی آئینۂ دانش حاصل کیا وہ تاویلِ حکمت کو پہچان لے گا اور جس کو فہمِ حکمت حاصل ہو گیا اُس نے درسِ عبرت کو جان لیا اور درسِ عبرت کو سمجھ لینے کے بعد طریقۂ اولین معلوم ہو جائے گا ۔

عدل کی چار شاخیں یہ ہیں ، غور و فہم ، تازگیٔ علم ، بوستانِ علم ، دانش حکمت جس نے غور و فہم حاصل کر لیا اس نے علم کو جمع کر لیا ۔ وہ راہِ حکمت سے نہیں بھٹکتا اور دانش کا راستہ اس کو معلوم ہو جاتا ہے اور حلم سے اس کا کام نہیں بگڑتا ۔ جہاد کی بھی چار شاخیں ہیں نیک باتیں سکھانا بری باتوں سے روکنا ، ہر موقع پر سچ بولنا ، فاسقوں سے نفرت کرنا ، جس نے نیک باتوں کا حکم دیا اس نے اپنی کمر مضبوط کر لی ، جس نے بری باتوں سے روکا اس نے منافقوں کی کمر توڑ دی ۔ جس نے ہر موقع پر سچ کہا اس نے اپنا فرض ادا کیا اور جس نے فاسقوں سے نفرت کی اس کا غصہ محض اللہ کے واسطے ہوگا ، اس لئے اللہ تعالیٰ اُس کے دشمنوں کو مقہور کر دے گا ۔ یہ سن کر سائل اٹھا اور سرِ مبارک کو چومنے کے بعد چلا گیا ۔

مقصودِ بیان :- آیت شرع لکم من الدین سے ثابت ہو رہا ہے کہ سب پیغمبروں کا دین ایک ہی ہے ۔ اسلام بھی کوئی نیا دین نہیں ہے ان اقیموا الدین سے واضح ہو رہا ہے کہ ہر زمانہ کی موجودہ شریعت کی پابندی کے علاوہ ہر پیغمبر کا فرض تھا کہ وہ اقامتِ دین کی کوشش کرے ۔ دلا

toobaafoundation.com

تفرقوا فیہ میں کھلی ہوئی نفی ہے کہ دینی امور میں کوئی دوسرے کی مخالفت نہ کرے اور پھوٹ نہ پیدا کرے۔ کبر علی المشرکین سے ظاہر ہو رہا ہے کہ مشرکوں کو وحدتِ ادیان کی دعوت ناگوار ہے اور قرآن کے پیش کردہ اصولوں سے ان کو نفرت ہے۔ وما اختلفوا الا من بعد ما جاءهم العلم میں اگرچہ اہلِ کتاب کی حالتِ بد کا تذکرہ فرمایا ہے، لیکن خصوصی طور پر یہ ہے درسِ نصیحت ہر مسلمان کے لئے کہ قرآن و حدیث کے بعد ذاتی عناد اور نفسانی عداوتوں کی وجہ سے باہم لڑنا اور کسی کو بے دین قرار دینا جائز نہیں۔ نہ حنفی شافعی کو نہ شافعی مالکی کو نہ مالکی حنبلی کو بے دین قرار دے نہ خواہ مخواہ جھگڑے کر کے مسلمانوں کے شیرازہ کو پراگندہ کرے۔ لفظ فادع سے تبلیغ دینی کا وجوب ظاہر ہو رہا ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ واستقم یعنی خود بھی استقامت رکھی جائے دیگرے را نصیحت اور خود را فضیحت کا مصداق نہ بن جائے لیکن یاد رکھو کہ خود تراشیدہ عقلی استقامت کافی نہیں۔ امرِ الٰہی کے زیرِ ہدایت استقامت زندگی ضروری ہے، اسی لئے کما امرت فرمایا۔ ولا تتبع اهواءهم سے اُن واعظوں، مولویوں اور پیروں کو نصیحت حاصل کرنی چاہیئے جو عوام کی خواہشات کو رد کرنے کی جرأت نہیں رکھتے اور کوشش کرتے ہیں کہ امرِ الٰہی میں تراش خراش کر کے اس کو عوام کی مرضی کے سانچے میں ڈھالتے رہا کریں۔ وامرت لاعدل سے ثابت ہو رہا ہے کہ انسانی سماج اور معاشرہ میں عدل قائم رکھنے کا قانون خدا نے بنایا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مامور فرمایا کہ لوگوں کے باہمی حقوق کی حد بندی عدل کے ساتھ کر دیں وغیرہ۔

وَالَّذِيْنَ يُحَاجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے (دین) کے بارے میں (مسلمانوں سے) جھگڑے نکالتے ہیں بعد اس کے کہ وہ مان لیا گیا اُن لوگوں کی حجت ان کے رب کے نزدیک باطل ہے

عَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ

اور اُن پر غضب (واقع ہونے والا ہے) اور اُن کے لئے (قیامت کو) سخت عذاب (ہونیوالا) ہے اللہ ہی ہے جس نے (اس) کتاب (یعنی قرآن) کو اور انصاف کو نازل فرمایا

وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ۝ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ

اور آپ کو اس کی کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو (مگر) جو لوگ اُس کا یقین نہیں رکھتے اس کا تقاضا کرتے ہیں اور جو لوگ یقین رکھنے والے

اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ

ہیں وہ اُس سے ڈرتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ برحق ہے یاد رکھو کہ جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں بڑی دور

ع ۲ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝

کی گمراہی میں (مبتلا) ہیں اللہ تعالیٰ (دنیا میں) اپنے بندوں پر مہربان ہے جس کو (جس قدر) چاہتا ہے روزی دیتا ہے اور وہ قوت والا اور زبردست ہے

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا

جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اُس کو اُس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم اس کو کچھ دنیا (اگر چاہیں)

toobaafoundation.com

نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ○ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ

دیدیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں کیاان کے کچھ شریک (خدائی) ہیں جنھوں نے اُن کے لئے ایسا دین

الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

مقرر کردیا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی اور اگر (خدا کی طرف سے) ایک قول فیصل (ٹھہرا ہوا) نہ ہوتا تو (دنیا ہی میں) ان کا فیصلہ ہوچکا

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ہوتا اور (آخرت میں) ان ظالموں کو ضرور دردناک عذاب ہوگا (اس روز) آپ ان ظالموں کو دیکھیں گے کہ اپنے اعمال (کے وبال) سے ڈر رہے ہونگے اور وہ (وبال) ان

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ○

پر واقع ہو کر رہے گا اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ بہشتوں کے باغوں میں داخل ہوں گے وہ جس چیز کو چاہیں ان کے رب کے پاس انکو ملے گی یہی بڑا انعام ہے۔

تفسیر

قیامت کا واقع ہونا یقینی ہے۔ جن کو یقین ہے وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں کیونکہ اُن کی نظر میں قیامت ضرور آئے گی اور اعمال کی پاداش ضرور ملے گی۔ اس لئے ان کو اندیشہ ہوتا ہے کہ معلوم نہیں ہمارا نتیجہ کیا ہو اور جن کو قیامت کا یقین نہیں وہ بڑی بے فکری کے ساتھ خواہش کرتے ہیں کہ قیامت جلد آجائے مگر ہے یہ بات بڑی گمراہی کی کیونکہ کسی کی عجلت طلبی سے قیامت پہلے تو آنہیں جائے گی۔ ضابطۂ الٰہیہ موجود ہے عمل کی دنیا کی پاداش کا عالم کھنچ کر آجائے یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ یہاں عمل کی مہلت ہے جس کا دل چاہے کرے، لیکن دینے نہ دینے والا دنیا میں بھی خدا ہی ہے۔ آخرت مانگو آخرت ملے گی دنیا مانگو دنیا ملے گی آخرت نہ ملے گی۔ اللہ بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ کفر و ایمان اور عصیان و فرمانبرداری سے رزق میں کمی بیشی نہیں ہوجاتی۔ اللہ کا لطف کو سب ہی کو شامل ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ ہاں انسانی زندگی درست کرنے کیلئے اس نے برحق کتاب نازل فرمادی ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے بندوں کا باہم یا خدا اور بندے کے درمیان صحیح توازن قائم کر دیا ہے۔ اللہ کی الوہیت اور بندہ کی عبدیت کی حدود مقرر کردی ہیں پھر ہر شخص کے حقوق کی بھی حدبندی کردی ہے۔ کسی کو دوسرے کی حدود میں داخل ہونے کا حق نہیں دیا۔ وزن برابر رکھنے اور اپنے اپنے حق پر قائم رہنے کے قوانین اللہ ہی نے تو بنائے ہیں کسی اور نے تو نہیں بنائے اگر کسی دوسرے نے بنائے ہوں تو بتاؤ وہ کون ہے جس نے شرکت الوہیت کا دعویٰ کیا ہو۔

تحلیلِ اجزاء

وَالَّذِيْنَ يُحَاۗجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ۔

آیت کے دو اجزا حل طلب ہیں ۱۔ اللہ کی شان میں جھگڑا کرنے والوں سے کون لوگ مراد ہیں۔ قتادہ نے فرمایا یہودی اور عیسائی مراد ہیں جو جھگڑتے تھے کہ ہمارا نبی تمہارے نبی سے پہلے تھا۔ ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے تھی۔ ہم انبیاء کی اولاد ہیں۔ ہمارے باپ دادا پیغمبر تھے۔ نبوت کا حصہ ہمارے ہی فریق میں (رہا) ہے۔ انہی کے ساتھ ان مشرکوں کا بھی شمول ہے جو خانۂ کعبہ کی تولیت اور اپنی قوت و کثرت پر اتراتے تھے۔ حضرت ابن عباس کے ایک قول میں یہودی مراد ہیں جو مسلمانوں سے جھگڑتے اور ان کو بے پڑھا لکھا سمجھ کر بہکاتے تھے۔ ابن عباس کے دوسرے قول میں آیا ہے کہ انہیں گمراہوں میں منافقوں کی اس جماعت کا بھی شمار تھا جو دورِ جاہلیت اور عہدِ بت پرستی کے لوٹ آنے کی آس لگائے بیٹھے تھے۔

toobaafoundation.com

ان تمام تفسیری اقوال سے اَلَّذِیۡنَ یُحَآجُّوۡنَ کی تعیین مقصود نہیں ہے۔ آیت مکی ہے اور ہجرت سے پہلے تو یہودیوں اور عیسائیوں سے کوئی مناظرہ مسلمانوں کی طرف سے نہیں ہوتا تھا۔ نہ مکی دور میں اہل کتاب اہل قرآن کے سامنے کوئی ضعیف قوی حجت پیش کرتے تھے۔ بلکہ ان تمام اقوال میں یہودیوں عیسائیوں مشرکوں اور منافقوں کا تذکرہ بطور تمثیل ہے یعنی حکم آیت اُن لوگوں کو بھی شامل ہے بلکہ اہل کتاب مشرک اور منافق ہی پر کیا موقوف ہے بہت سے وہ کلمہ گو بھی اسی حکم میں داخل ہیں جو حضورؐ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے یا زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوجی طاقت سے اُن کو شکست دی تھی۔ ان میں سے بہت لوگ ارتداد کی حالت میں مارے گئے۔ اُن پر اللہ کا غضب اور عذاب شدید باقی رہا۔ بہت سے لوگ عذاب شدید اٹھا کر دوبارہ تائب ہو گئے اور اللہ کے غضب سے بچ گئے۔
اس لئے سب سے اچھا اور صحیح حضرت مجاہد کا وہ تفسیری قول ہے جس میں آپ نے اَلَّذِیۡنَ یُحَآجُّوۡنَ کے مصداق کی تعیین نہیں کی اور ان تمام لوگوں کو حکم آیت میں شامل کر رکھا ہے جو دینِ الٰہی میں جھگڑتے ہیں۔ حُجَّتُہُمۡ دَاحِضَۃٌ کے یہ معنی ہیں کہ ان کے پاس کوئی قوی مضبوط و پائیدار دلیل نہیں ہر دلیل لغزش کھا رہی ہے کیونکہ ہر حجت کا مدار شرک پر ہے اور شرک خود کوئی پائیدار حقیقت نہیں۔ بے قیام ہے عدیم الثبات خالص توہم اور خیال آفرینی۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ وَ الۡمِیۡزَانَ الکتاب سے مراد ہے قرآن مجید۔ ابن کثیر نے کہا ہر آسمانی کتاب مراد ہے۔ میزان سے مراد عدل ہے (مجاہد و قتادہ) واحدی نے اس کو اہلِ تفسیر کا قول کہا ہے۔ میزان اسم آلہ ہے یعنی ترازو اور مصدر بھی ہے۔ آیت میں آیا ہے فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُہٗ۔ وَ مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُہٗ روزانہ۔ وزن یعنی ترازو کے دونوں پلڑے برابر رکھنا۔ ثقل وزن جنس والے پلڑے کا جھکنا خفتِ وزن جنس والے پلڑے کا اوپر اٹھ جانا۔ عدل میں بھی دونوں طرف برابری ہوتی ہے کسی طرف جھکاؤ نہیں ہوتا نہ افراط نہ تفریط۔ اسی وجہ سے میزان کے معنی ہو گئے عدل۔ آیت میں میزان سے مراد میزانِ قیامت نہیں بلکہ وہ عادلانہ ضوابط ہیں جو اللہ نے نازل فرمائے ہیں۔ اللہ کے حقوق کیا ہیں اپنے نفس کا کیا حق ہے۔ بندوں میں ماں باپ بہن بھائی بیوی بچے دوسرے اقارب اجانب محلہ والے، شہر والے، دوست دشمن غرض ہر شخص کا حق جدا جدا ہے۔ اور ضوابط الٰہیہ نے ان کی حدبندی کر دی ہے۔ انہیں قوانین کے مجموعہ کا نام شریعت ہے۔ مطلب یہ نکلا کہ اللہ نے برحق کتاب (قرآن یا ہر آسمانی کتاب) بھی نازل فرمائی اور انسانی تعامل میں عدل قائم رکھنے کے لئے شریعت بھی اتاری۔ کتاب اور شریعت تو آ گئی، لیکن اُن کو مان کر عمل کرنے والوں اور نہ ماننے والوں یا مان کر عمل نہ کرنے والوں کو بدلہ کب ملے گا۔
وَ مَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّ السَّاعَۃَ قَرِیۡبٌ تو کیسے معلوم تمہیں کون بتائے شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو۔ اُمید رکھو قیامت دُور نہیں۔ یعنی آنکھ بند ہوجاتے ہی قیامت شروع ہو جائے گی۔ من مات فقد قامت قیٰمتہ۔ جو مرا اُس کی قیامت آگئی۔ قیامت کا آغاز ہو گیا۔ یوم معہود کا کسی کو علم نہیں، لیکن آنے والی چیز ہر لمحہ قریب ہوتی جاتی ہے اور جانے والی چیز ہر آن دور ہوتی رہتی ہے۔ اسی لئے قیامت کی گھڑی کو قریب فرمایا۔ جب قیامت کی گھڑی سر پر کھڑی ہے تو جلد آنے کی درخواست یا دور سمجھ کر کفر و معصیت میں دونوں باتیں لغو ہیں۔
یَسۡتَعۡجِلُ بِہَا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِہَا۔ قیامت کے جلد آنے کی طلب تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو اُس کے آنے کا یقین نہیں ہوتا ورنہ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡہَا ۙ وَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہَا الۡحَقُّ جو لوگ قیامت کو حق جانتے اور ایمان و یقین رکھتے ہیں وہ تو اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اللہ کا یہ فیصلہ یقیناً صحیح ہے۔ مشاہدہ سے اس کا کھلا ثبوت ملتا ہے قیامت کی ہولناکیاں حقیقت میں ایسی ہیں کہ جو لوگ اس کا یقین رکھتے ہیں تصور کرنے ہی سے اُن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں دل لرز جاتے ہیں اور خون خشک ہو جاتا ہے۔ ہول قیامت کا یقین مومن کے بدن کو فربہ نہیں ہونے دیتا۔
اَلَاۤ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُمَارُوۡنَ فِی السَّاعَۃِ لَفِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ۔ قیامت کے وقوع میں جھگڑنے والے یعنی انکار یا شک کرنے والے یقیناً بھٹک کر دور چلے گئے ہیں یوں تو اگر کسی کو قیامت کا یقین ہو، لیکن غفلت کے سبب کچھ تیاری نہ کرے ٹالتا رہے اور کہتا رہے کہ ابھی کیا جلدی

toobaafoundation.com

ہے نیکی کرنے کے لئے عمر پڑی ہے۔ یہ بھی گمراہی ہے، لیکن بڑی گمراہی اُن لوگوں کی ہے جو نفس کے فریب میں آکر وقوع قیامت کا یقین ہی نہیں کرتے۔

چونکہ منکرین قیامت حاصل زندگی صرف دولت راحت اور عیش و طرب کو جانتے ہیں اور ان کو یہ چیزیں میسر بھی ہیں تو اُن کے دماغوں میں یہ شبہات پیدا ہوتے ہیں کہ اگر ہم گمراہ ہوتے ہماری زندگی کی رفتار صحیح نہ ہوتی تو ہم کو یہ عیش و آرام کیسے ملتا۔ دولت کی فراوانی، رزق کی کثرت اور اولاد کی بہتات ہمارے پاس کیوں ہوتی، اس قسم کے شبہات بے بنیاد ہیں۔ کہاں قیامت اور اعمالِ زندگی کی اُخروی پاداش کا مسئلہ اور کہاں اس زندگی میں رزق کی کثرت۔

اَللّٰہُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِہٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ۔ یہ اللہ کی دین ہے وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ اُس میں دینے کی طاقت بھی ہے وہ سب پر غالب ہے۔ کوئی اُسے روک نہیں سکتا، اس لئے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اللہ کے لطیف ہونے کی تشریح اہل تفسیر نے مختلف طرح پر کی ہے۔ مقاتل نے کہا کہ بندہ نیک ہو یا بد اللہ اس کو بھوکا نہیں مارتا۔ عکرمہ نے کہا بندوں کے حق میں بھلائی کرتا ہے۔ سدی نے کہا اللہ نرمی کرتا ہے۔ ایک مفسر نے کہا اللہ منافع پہنچاتا اور مصیبتیں دور کرتا ہے۔ امام جعفر صادق نے کہا رزق میں لطف فرماتا ہے۔ اگر ایک بارگی دے دے تو برباد کر دیں۔ شیخ جُنید نے کہا اللہ نے اپنے اولیاء پر لطف فرمایا ہے تو اولیاء نے اس کو پہچانا۔ اگر اعداء پر لطف فرماتا تو وہ منکر نہ ہوتے۔ شیخ حسین بن الفضل نے کہا کہ قرآن مجید نازل فرمایا یہ اُس کا لُطف ہے۔ حسب صراحت خطیب ابن عباس کا قول ہے کہ لطیف کے معنی ہیں مہربان۔ ایک عالم نے تشریح کی ہے کہ لطیف وہ ہے جو نافرمان کو سزا دینے میں عجلت نہ کرے اور امیدوار کو محروم نہ چھوڑے، ایک اور عالم کا قول ہے جو لوگ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں اللہ ان پر رحم فرماتا ہے۔ امام قشیری نے کہا لطیف وہ ہے جو تمام امور کی باریکیاں اور اسرار جانتا ہو۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ لطف الٰہی ایک مرکب حقیقت ہے علم رحمت اور نرمی سے۔ مومنوں پر اس کا لطف ظاہر ہے کہ کافر بھی اس کے لطف سے محروم نہیں، کمترین لطف یہ ہے کہ دنیا میں ان کو چھوڑ رکھا ہے۔ عذاب نازل نہیں کیا۔ اور آخرت میں جرم سے زیادہ سزا تجویز نہیں فرمائی۔

امام قشیری کی تشریح نازک حقیقت رکھتی ہے۔ دوسری آیت وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ میں بھی اسی مفہوم کو ظاہر کیا ہے۔ اگر ابن عباس اور قشیری کے بیان کردہ مفہوم کا مجموعہ آیت میں مراد لیا جائے تو زیادہ مناسب ہے یعنی اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اُن کو رزق دیتا ہے کہاں کہاں سے دیتا ہے۔ کیسے دیتا ہے، کتنا کتنا دیتا ہے۔ ان اسرار کو وہ جانتا ہے۔ کمیت کیفیت اور ہر طرح کی اندرونی حالت سے وہ واقف ہے۔ کبھی مومن کو کم، اور کافر کو زیادہ دیتا ہے (تاکہ صبر کرنے سے مومن کے مدارج میں ترقی اور غفلت میں رہنے یا ناشکری کرنے کافر کے وبال میں اضافہ ہو) کبھی مومن کو زیادہ اور کافر کو کم دیتا ہے (تاکہ شکر کرنے سے مومن کے رزق و ثواب میں مزید زیادتی اور مایوس ہو کر بے صبر بن جانے سے کافر کے عذاب اُخروی اور رزق دنیوی میں تنگی بڑھ جائے)

مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَۃِ نَزِدْ لَہٗ فِیْ حَرْثِہٖ وَمَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِہٖ مِنْہَا وَمَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ نَّصِیْبٍ جو آخرت کی کمائی کی نیت رکھتا ہے (یعنی ایمان کے ساتھ آخرت کے ثواب کے لئے اعمال صالحہ کرتا ہے) ہم اس کی کمائی میں (دس گنہ سے سات سو گنہ تک) زیادتی کر دیں گے اور جو دنیا کی کمائی کی نیت رکھتا ہے اس کو ہم دنیا میں دیتے ہیں آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ بخاری مسلم وغیرہ کی صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ جیسی جس کی نیت ویسا اُس کا نتیجہ۔ بیہقی کی روایت کردہ حدیث میں آیا ہے اللہ فرماتا ہے اے آدم زاد تو میری عبادت کیلئے فارغ ہو جا (دوسرا کوئی کام نہ کر) میں تیرے سینے کو تونگری سے بھر دوں گا۔ اور بقدر ضرورت تیری حاجت پوری کر دوں گا۔ اگر تو نے ایسا نہیں کیا تو تیرے سینے کو افکار سے بھر دوں گا۔ اور تیری حاجت پوری نہ کروں گا۔ (رواہ الحاکم ایضاً)

امام قشیری نے کہا بظاہر آیت قدسی کافروں کے بارے میں ہے جن کی نیتوں میں ثواب آخرت تو ہوتا ہی نہیں ہے۔ ساری کوشش

toobaafoundation.com

دنیا کے لئے ہوتی ہے اُن کے اعمال کا ثواب اسی دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔ دنیوی مال ومتاع میں ترقی کر دی جاتی ہے۔ آخرت میں اُن کی نیکیاں اکارت جائیں گی۔ بعض علما نے آیت کے حکم میں کافر و مسلمان دونوں کو داخل کیا ہے۔ آخرت کی نیت تو صرف مسلمان کی ہوتی ہے۔ اور دنیوی نیت صرف کافر کی۔ ہاں کبھی مسلمان کی نیت میں بھی صرف فلاحِ دنیا ہوتی ہے تو ایسی نیکی آخرت میں قابلِ اعتبار نہیں۔ دنیا میں (کافروں کی طرح) کچھ ثمرہ مل جاتا ہے۔ رہی وہ نیکی جس میں مشترک نیت ہو یعنی دین و دنیا دونوں کی فلاح، تو بعض علماء نے کہا جتنی کوشش میں آخرت کی نیت ہوگی اتنا ثواب آخرت میں ملے گا۔ مؤخر الذکر تفسیر کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضرت ابی ابن کعب راوی ہیں کہ حضور گرامی نے ارشاد فرمایا اس اُمت کو بشارت دے دی گئی ہے کہ اُن کو شوکت رفعت نصرت اور اقتدار حاصل رہے گا جب تک یہ لوگ آخرت کے کام سے دنیا حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں۔ (یعنی دین کو دنیا کی کمائی کیلئے نہ سیکھیں اور اسلامی احکام کی پابندی محض دنیا کے لئے نہ کریں) جب لوگ آخرت کے کام سے دنیا چاہیں گے تو ان کے لئے آخرت میں کوئی حصّہ نہ ہوگا۔ (رواہ احمد والحاکم وابن حبان وابن مردویہ) اس حدیث میں لفظ اُمت صراحتہً بتا رہا ہے کہ آیت قدسیہ کا جو مفہوم ہے اُس کے مصداق صرف مسلمان ہیں جو مفہوم آیت کا ہے وہی حدیث کا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ آیت کو مسلمان اور کافر دونوں کے لئے عام قرار دیا جائے اور حدیث میں تذکرہ صرف مسلمانوں کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی اُس کے آخرت میں سوا آگ کے اور کچھ نہ ہوگا۔ اور دنیا میں بھی اس کے اس فعل سے سوا، رزق مقسوم مقدر کے کچھ زیادہ نہیں مل سکتا۔ گویا حبر الامۃ کی نظر میں نُؤْتِهٖ مِنْهَا سے مراد ہے رزق مقسوم مقدر اور مرادِ حدیث دنیا سے مراد ہے دنیا کی دین پر ترجیح۔ خطیب نے اس آیت شریفہ سے استنباط کیا ہے کہ جب دنیا اور آخرت دونوں کو اللہ نے کھیتی فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ کھیتی بغیر محنت مشقت برداشت کرنے کے حاصل نہیں ہوتی، اس لئے کوشش اور محنت لازم ہے پھر جب محنت ہی کرنی ہے تو دنیا فانی کے لئے محنت کرنی فضول ہے۔ لازوال آخرت کیلئے کرنی چاہیئے۔

رازی نے لوامع میں لکھا ہے کہ خواہش اور ارادہ کرنے والے تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) دنیا کے طالب (۲) آخرت کے طالب (۳) مولیٰ کے طالب۔ ان میں سے ہر گروہ کی خصوصیات و علامات ہیں۔ طالب دنیا کی علامت یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس میں دین کا نقصان ہو رہا ہو، مگر دنیا میں زیادتی ہوتی ہو وہ اس سود سے پر راضی ہو جاتا ہے۔ باوجودیکہ دنیا میں وہ محتاج نہیں ہوتا، مگر دنیا کی بیشی کے لالچ میں دین کا خسارہ برداشت کر لیتا ہے۔ غریب مسلمان میں اُس کو کوئی کشش نظر نہیں آتی وہ غریب مسلمانوں کو در خورِ اعتنا ہی نہیں جانتا۔ ہر کام و کوشش میں دنیوی فائدہ کو ہی نظر کے سامنے رکھتا ہے۔ طالب آخرت کی خصوصیات طالبِ دنیا کی خصوصیات کے برعکس ہیں۔ جس کام میں آخرت کا خسارہ ہو وہ اس کو نہیں کرتا، پوری زندگی میں آخرت کا اہتمام رکھتا ہے۔ غریب مسلمانوں کی طرف سے توجہ کو نہیں ہٹاتا۔ رہا طالبِ مولیٰ جس کا بیان آیت يُرِيدُونَ وَجْهَهٗ میں آیا ہے تو وہ دونوں جہان سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے مخلوق سے عزلت اختیار کرتا ہے اور ہر وقت نفس کے پنجہ سے رہائی پانے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ خطیب نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ طالبِ مولیٰ اللہ کے اور بندوں کے حقوق ادا کرے اپنے حقوق کا خواہشمند نہ ہو اور ان تمام فرماں برداریوں میں اس کے پیشِ نظر محض رضائے مولیٰ کی طلب ہو نہ جنت کی طمع نہ دوزخ کا ڈر۔ یعنی اطاعت برائے اطاعت کرے طمع اور خوف کے زیر اثر نہیں۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ۔ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ کفار شریعت اسلامیہ کے حلال حرام کو نہیں مانتے اور قرآن کو سچا نہیں جانتے اور محمد الرسول اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم پر نہیں چلتے بلکہ ان شیطانوں کی راہ پر چلتے ہیں جن کو انہوں نے الوہیت کا درجہ دے رکھا ہے اسی بنا پر حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے رکھا ہے، مگر اللہ نے اس تحلیل و تحریم کا حکم نہیں دیا۔ نہ اُن کے مفروضہ خداؤں کو اس کا اختیار دیا ہے۔ پھر یہ شریعت کہاں سے لائے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں نے عمرو بن لحی قمعہ کو دیکھا کہ دوزخ میں اپنی آنتیں گھسیٹتا پھر رہا تھا۔ یہی پہلا شخص تھا جس نے بتوں کے نام پر سانڈھ چھوڑا تھا۔

toobaafoundation.com

وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ۔ کلمۃ الفصل سے مراد وہی ضابطۂ الٰہیہ ہے جس کو اس سے پہلے دو جگہ کلمۃ سبقت من ربک فرمایا ہے یعنی دنیا کا دار العمل اور آخرت کا دار الفصل ہونا اور دنیا میں عمل کی مہلت ملنا اور عذابِ آخرت کا دنیا میں کھینچ کر نہ آنا۔

وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ ظالم وہ ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور سعادتِ اُخروی سے اس کو محروم رکھا کم زیادہ سب سے بڑے ظالم مشرک ہیں اور ان سے کم مسلمان گناہگار رہے۔ یہاں بقرینۂ سباق مشرک مراد ہیں، مسلمان گناہگار مراد نہیں۔

تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ۔ اس آیت میں قیامت کی حالت کا بیان ہے۔ قیامت کے دن مشرکوں کو اپنی بدکاریوں کے عذاب کا اندیشہ ہوگا، مگر یہ خوف سودمند نہ ہوگا۔ عذاب تو ان پر آکر رہے گا۔ کوئی بچا نہ سکے گا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ۔ اس جملہ میں مومنین صالحین کی حالت کا بیان ہے اور گزشتہ جملہ میں مشرکوں کی کیفیت بیان کی تھی۔ رہ گنا ہگار اہلِ ایمان کا بیان تو ان کا انجام براہِ راست اللہ کے ہاتھ میں ہوگا۔ اُس کی مشیت ہوگی تو مغفرت ہو جائے گی ورنہ سزا برداشت کرنی ہوگی۔

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ جنت میں مکان باغ میں کھانا پینا لباس خادم حکومت عزت غرض ہر چیز مومنین صالحین کو اُس تفصیل کے ساتھ ملے گی جو قرآن مجید کی مختلف آیات اور احادیثِ صحیحہ میں موجود ہے، لیکن ان گنت نعمتوں کا ہر الفاظ میں نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے مجملاً فرما دیا کہ جو کچھ چاہیں گے اللہ کے پاس ملے گا۔ مومن زندہ ہوتا ہے۔ اس کا دل دماغ اور تمام تصورات زندہ ہوتے ہیں اُس کے ہر خیال میں پاکیزگی اور نورانیت ہوتی ہے۔ اُس کے آئینۂ دماغ میں جو صورت پیدا ہوتی ہے وہ زندہ ہوتی ہے اور واقعی اثر رکھتی ہے۔ ہاں عوام الناس کے خیالات نفسانیات سے مرکب ہوتے ہیں، کثیف ہوتے ہیں، تاریک ہوتے ہیں اُن میں نورانیت نہیں ہوتی مردہ ہوتے ہیں۔ زندگی کا کوئی نشان اُن کے اندر نہیں ہوتا، اس لئے اُن میں کوئی خارجی اثر بھی نہیں ہوتا۔ یوں سمجھو کہ مومن کے آئینۂ قلب میں جو صورت آتی ہے وہ اتنی نورانی اور پر اثر ہوتی ہے کہ مجسم شکل میں باہر موجود ہو جاتی ہے۔ یہ ہی خرقِ عادت ہے اور عام آدمی کے خیالات میں یہ روشنی نہیں ہوتی وہ خود مردہ ہوتے ہیں۔ پھر زندہ ہو کر خارج میں کیسے نظر آئیں، لیکن بعض مومن خالص النور نہیں ہوتے۔ اُن کا ایمان روشنی کے انتہائی درجہ تک نہیں پہنچتا بداعمالی یا ضعیف عقیدہ کے سبب نورانیت میں ظلمت شامل ہو جاتی ہے نہ مکمل روشن ہوتے ہیں نہ بالکل تاریک، اس لئے دنیا میں ان کے خیالات کو وہ درجہ حاصل نہیں ہوتا جو خالص الایمان مومن کے خیالات کو حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اتفاقاً ہی کبھی ان کے خیالات میں سے کوئی خیال خارجی دنیا میں مجسم شکل میں موجود ہو جاتا ہے ورنہ عموماً دماغی پیداوار دماغ ہی میں ختم ہو جاتی ہے اور بیرونِ دماغ اُن کا کوئی نشان بھی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسے مومن کا قلب معارضۂ نفس میں مبتلا ہوتا ہے کبھی قلب غالب آجاتا ہے کبھی نفس۔ لیکن دارِ آخرت میں نفس کا معاوضہ ختم ہو جائے گا اور روح میں خالص روشنی پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے وہاں جو خیال پیدا ہوگا وہ بصورتِ مجسم حسبِ ارادۂ الٰہی نمودار ہو جائے گا۔ اور مومن جو کچھ چاہیگا فوراً مل جائے گا۔ خواہش پیدا ہوتے ہی چیز حاصل ہو جائے گی۔ آیت کا یہی مطلب ہے۔ واللہ اعلم۔

ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ۔ مشرک دنیا کی نعمتوں کو فضلِ کبیر سمجھتا ہے۔ حالانکہ وہ فنا پذیر ہیں لازوال نہیں۔ اس کے علاوہ کسی شہنشاہ کو بھی یہ بات میسر نہیں کہ جونہی جو خواہش دل میں پیدا ہوئی فوراً وہ حاصل ہوگئی۔ پُرجلال ہمہ گیر حکومت رکھنے والوں کو بھی زبان یا قلم یا اشارۂ ابرو اور خطوطِ پیشانی سے حکم دینا پڑتا ہے اور تعمیلِ حکم کا کچھ دیر انتظار کرنا پڑتا ہے خواہ ایک منٹ ہی ہو، لیکن اہلِ جنت کی حالت ایسی نہ ہوگی۔ اُن کو ہر نعمت میسر ہوگی، اور زبان سے مانگنے منگوانے کی ضرورت بھی نہ ہوگی نہ حصولِ دعا کے لئے انتظار کرنا پڑے گا۔ اُدھر خواہش پیدا ہوئی اِدھر وہ چیز موجود ہوگئی حقیقت میں فضلِ کبیر یہی ہے۔

مقصودِ بیان

اَللّٰهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ الخ سے یہ بتا دینا مقصود ہے کہ پیامِ ہدایت اور عادلانہ دستورِ حیات نازل کرنا اللہ کا کام ہے۔ اس آیت سے اللہ نے مہرِ یاس ثبت کر دی اُن فلاسفروں اور قومی لیڈروں اور اصلاحاتِ انسانی کا دعویٰ کرنے والوں کے دماغوں پر، زبانوں پر اور قلم کی نوکوں پر جو انسانی معاشرہ کے لئے دستورِ حیات تصنیف کرنے کے مدعی تھے یا مبدعہ و

معاد اور مافوق الطبعیات کی عقلی موشگافیوں کو قطعی صحیح سمجھتے تھے اُن کو معلوم ہوجانا چاہیئے کہ اللہ وہی ہے جس نے کتاب نازل کی الہیاتی تعلیمات کیلئے مبدء و معاد و ملائکہ صفات ذاتِ رسالت وحی ولایت کرامت وغیرہ کی جو جہاں بین اس کتاب میں ہے وہی آخری فیصلہ کا درجہ رکھتی ہے فلسفہ کی تمام کاوشیں غیر مفید اور تخمینی ہیں یہ حق اللہ ہی کا ہے پھر اس کتاب میں خصوصیت کے ساتھ انسانی معاشرہ کی تنظیمی تامل کے اصول بیان کئے گئے ہیں جنہیں خالق مخلوق کے اقدار کی صحیح وزن کشی کی گئی ہے۔ حق اللہ اور حقوق العباد کو جانچنے اور صحیح حدبندی کرنے کے ضوابط عامہ بیان کئے گئے ہیں۔ عدل و اعتدال کی یہ ترازو خصوصیت کے ساتھ اللہ نے اتاری ہے۔ پس عبرت حاصل کریں جاہل صوفی مکار پیر غلط رو لیڈر، بے عمل اور خود غرض مولوی، بے وقوف فقیہ، کور دانش مفکر، بہکے ہوئے فلاسفر اور گمراہ جمہوریت کے ناکارہ ممبر جو تشریعی توانین تصنیف توکرنے کے مدعی ہیں جو خلاف شرع بکواس کرتے ہیں اور از خود کسی چیز کو حلال اور کسی چیز کو حرام قرار دیتے ہیں۔ خصوصاً بگڑے ہوئے صوفی تو اپنے شیطانی الہامات کو نہ فقط عقل کی روشنی سے بے نیاز سمجھتے ہیں بلکہ ان کو وحی کے مقابلے پر لا کھڑا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شریعت الگ ہے اور طریقت الگ۔ مولوی کا راستہ جدا ہے اور فقیر کا جُدا۔ گویا فقیر وہ ہے جس نے قرآن اور وحی کے مقابلے میں دوسری الہامات شریعت تصنیف کرنے کا دعویٰ کیا ہو اور پیغمبر معصوم کے لائے ہوئے قرآن کو غلط یا بے ضرورت قرار دیا ہو۔

آیت وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ سے دو باتیں معلوم ہوئیں ۱۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ قیامت کب اور کس دن کس تاریخ کو آئے گی۔ ۲۔ لفظ لَعَلَّ سے اس طرف اشارہ ہے کہ لوگوں کو قیامت کے قریب ہونے کی اُمید رکھنی چاہیئے۔ اللہ کا علم تو بہر حال یقینی ہے اور ہر اُمید سے پاک اُمید کا رُخ انسانوں کی طرف ہے۔ انہیں کو امید رکھنی چاہیئے کہ قیامت قریب ہے۔ قریب ہونے کے دونوں معنے تفسیری مطلب میں لکھ چکے ہیں۔

آیت يَسْتَعْجِلُ بِهَا الخ میں انکار قیامت کو عجلت طلبی کی بنیاد قرار دیا ہے۔ کیونکہ قیامت کا ہول محاسبہ کا ڈر نجات و ہلاکت کے بین بین دماغی تردد جنت کی کشش اور دوزخ کی لپیٹ، فرشتوں کی صف بندی، اربوں انسانوں کی کس مپرسی کی حالت، سفارشی فقدان اور اللہ کا پُر جلال ظہور، یہ تمام باتیں قیامت کا یقین رکھنے والوں کے دلوں کو لرزا دیتی ہیں، لیکن جس کو ان باتوں میں سے کسی بات کا یقین ہی نہ ہو وہ ان تمام یقینی الوقوع واقعات کا مذاق اڑاتا ہے اور فوری قیامت آجانے درخواست کرتا ہے

اَللّٰهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ الخ سے واضح ہو رہا ہے کہ رزق کی کمیت، کیفیت اور حالت کا اختلاف اللہ کی مصلحت بینی پر مبنی ہے۔ اللہ ہی واقف ہے کہ کس کو کتنا کب اور کیسے اور کہاں سے رزق دیا جاتا ہے، اس لئے مومن عارف کا فرض ہے کہ وہ اگر مفلس ہو تو اللہ کے رزق کے خزانوں کو اپنے لئے بند نہ سمجھ لے اور یقین رکھے کہ یہ اللہ کی نازک مصلحت ہے۔ انسانی فہم سے بلند۔ وہ جب چاہے گا تنگی کو فراخی سے بدل دے گا۔

آیت مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ الخ سے اہلِ ایمان کو سبق لینا چاہیئے اور مرکزِ توجہ صرف آخرت کو قرار دینا چاہیئے اور زندگی کی حرکت کو دینی آخرت کی نیت سے کرنا چاہیئے یعنی دنیا کو دین سمجھنا چاہیئے۔ دین کو حصول دنیا کا ذریعہ نہ بنا لینا چاہیئے۔ لفظ حرث سے لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ بغیر کوشش اور محنت کے محض دعاؤں کی قوت پر دین و دنیا کی تمنا بے سود ہے۔ نتیجہ کمائی کے حصول کیلئے کمائی کرنی ضروری ہے۔ اس آیت میں لفظ نَزِدْ اور نُؤْتِهٖ سے یقینی طور پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسانی کوشش رزاق نہیں حصولِ رزق کا ذریعہ ضرور ہے۔ دینے والا خدا ہی ہے، حاکم وہی ہے۔ خزانہ اُسی کا ہے انسان عملی بہانہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں ہوں یا آخرت میں اعمال انسانی موجب اور علتہ تامہ نہیں۔ اللہ کی مرضی لازم ہے۔ خدا چاہے کوشش بشری کے بعد دے دے نہ چاہے تو ہزاروں کوششوں کے بعد بھی نہ دے وغیرہ۔

ذٰلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۗ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا

یہی ہے جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے اُن بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے آپ (اُن سے) یوں کہئے کہ میں تم میں سے کوئی مطلب

toobaafoundation.com

إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۗ وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

نہیں چاہتا بجز رشتہ داری کی محبت کے اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس میں اور خوبی زیادہ کردیں گے بے شک اللہ بڑا بخشنے والا بڑا

شَكُورٌ ۝ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۖ فَإِن يَشَإِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللَّهُ

قدردان ہے کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ انھوں نے خدا پر بہتان باندھ رکھا ہے سو خدا اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے اور اللہ تعالےٰ

الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝

باطل کو مٹایا کرتا ہے اور حق کو اپنے احکام سے ثابت کیا کرتا ہے وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے

تفسیر

آدمی اپنا مال، اہل وعیال یہاں تک کہ عزت و جان کو خطرہ میں ڈالتا ہے۔ ہلاکت سے نہیں ڈرتا، طوفانوں سے مقابلہ کرتا ہے پہاڑوں سے ٹکرا جاتا ہے۔ چڑھتے دریاؤں کی گھومتی اور چکراتی موجوں میں کود پڑتا ہے۔ یہ سب کچھ کیوں کرتا ہے۔ شہرت یا دولت یا سیادت یا عزت یا حکومت واقتدار کے حصول کے لئے، زندگی میں عیش کرنے اور مزے اڑانے کے لئے، جذبات کی تسکین اور حیوانی قوتوں کی پیاس بجھانے کے لئے کون مصلح ہے جو ہوس واقتدار سے خالی ہو، کون مدبر ہے جس کو سیادت قومی اور قیادت ملکی کی خواہش نہ ہو، ایسا کون حق پسند حق گو اور حق پرست ہے جو سچائی کا اعلان اشاعتِ تبلیغ صرف سچائی کی خاطر کرتا ہے اور دنیا کی کوئی دوسری خواہش اس پر غالب نہیں ہے۔ لیکن مفاد پرستی اور غرض جوئی کسی حق کو بھی حدودِ حق کے اندر نہیں رہنے دیتی۔ باطل کا تو ذکر ہی کیا ہے صرف ایک گروہ ایسا ہے جو حق پرستی کرتا ہے، حق گوئی اس کا شیوہ ہے، اعلانِ حق اس کا شعار ہے، ساری دنیا کو وہ حق کا پرستار دیکھنا چاہتا ہے۔ باطل پرستی کی آگ میں پھنستے ہوئے لوگوں کو وہ کمر پکڑ کر کھینچتا اور آگ سے بچاتا ہے۔ اپنا مال قربان کرتا ہے، سکون برباد کرتا ہے۔ اہل وعیال اور اعزاء واحباب کو تج تا ہے، بھوک پیاس کی شدت اور حدت برداشت کرتا ہے، جسمانی اذیتیں جھیلتا ہے، ذلتیں اٹھاتا ہے اپنے بشری جذبات کو مردہ کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ کبھی انتہائی دکھ اٹھاتے ہوئے اپنی جان بھی دے دیتا ہے، مگر کسی آدمی سے اس کو لالچ نہیں ہوتا۔ اُس کے پیشِ نظر صرف کائنات بشری کی سدھار اور سنوار ہوتی ہے نہ وہ بادشاہ بننے کا خواہشمند ہوتا ہے نہ امیر کبیر ہو جانے کا لالچی نہ لیڈر اور سردار کہلائے جانے کا خواستگار نہ جاہ وحشم اور خیل وخدم کا پرستار نہ اپنے ہاتھ پاؤں چوموانے اور فرعون بدمست بن کر عیش کرنے کا متمنی۔ اس کو اپنی محنت کی داد اپنی کوشش کی قدر اپنے ایثار کے صلے کی خواہش ہوتی ہے تو رب العالمین سے نہ کہ کسی چھوٹے بڑے انسان سے۔ یہ مقدس گروہ انبیاء کا ہے جو دنیا کے سامنے انسانی صلاح وفلاح کا ایک نظریہ رکھتا ہے۔ دنیا کے تمام چھوٹے مراتب ومدارج کا فرق مٹا دیتا ہے اور ایک چیز مابہ الامتیاز پیش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جو شخص میری پیش کردہ تعلیم کو پائے گا وہ میری دوستی کا مستحق ہے اور میرے ساتھیوں کی دوستی کا مستحق ہے جو نہ مانے گا وہ نہ میرا دوست نہ میرے ساتھیوں کا نہ خدا کا۔

تحلیل اجزاء

ذَٰلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اللہ کی طرف سے فضلِ کبیر کی بشارت مومنین صالحین کو ہے۔ یہاں دو باتیں جاننے کے قابل ہیں ۱۔ ایمان سے مراد صرف جان لینا نہیں بلکہ یقین اور تصدیق ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رسول تو بعض کافر بھی جانتے تھے۔ ہرقل عیسائی تھا اور حضور کی رسالت سے واقف بھی تھا۔ بلکہ بعض یہودی تو حضورؐ کی شناخت اتنی بداہت کے ساتھ کرتے تھے جیسے اپنے بچوں کی یَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ اس کے باوجود وہ سب کافر کے کافر رہے تصدیق واقرار سے خالی وَإِنَّ فَرِيقًا لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ دانستہ حق کو چھپاتے تھے۔ ۲۔ بے اختیاری

toobaafoundation.com

شبہات ایمان کو ضرر نہیں پہنچاتے۔ دل میں اگر اضطراراً کوئی وسوسہ خلافِ ایمان پیدا ہو تو قابلِ گرفت نہیں۔ صحابہ کے روشن قلوب میں بھی کبھی ایسے شبہات ہوتے تھے اور وہ ان کو دفع کرنے کی کوشش کرتے تھے اور زبان پر لانا بھی اُن کو گوارا نہ تھا اور حضور والا نے اس کو عین ایمان قرار دیا تھا، اسی لئے قرآن مجید میں بکثرت مقامات پر اٰمَنُوْا یا مُؤْمِنُوْا یا مُؤْمِنِیْنَ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ظہر لہم الایمان یا یطلعون علی الایمان اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ استعمال نہیں فرمائے یعنی ایمان کسبی کو قابلِ مدح قرار دیا بے اختیاری ایمان کو قابلِ اعتبار نہیں سمجھا کیونکہ بے اختیاری ایمان کو یقین نہیں کہا جاتا۔ دشمن کی کوئی خوبی آدمی کو معلوم ہو جائے تب بھی اس کی عداوت کبھی دل سے نہیں جاتی۔

تنبیہ آیت مقدسہ میں بشارت عام اہلِ ایمان کو نہیں دی گئی نہ بغیر ایمان کے ظاہری نیکی کرنے والے کو بلکہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کرنے والے کو خوشخبری دی ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان کے لئے عمل صالح ضروری ہے اور عمل صالح کے لئے ایمان لازم ہے۔ دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں۔

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى۔ اگر واعظ شخصی مفاد کا کچھ خواہش مند ہو اور نصیحت قبول کرنے والوں سے کچھ لالچ رکھتا ہو تو اس کے خلوص اور خیر خواہی میں شبہ کیا جا سکتا ہے۔ پیغمبر کے علاوہ ہر مصلح ذاتی منفعت اندوزی سے خالی نہیں۔ ہاں جو سنتِ پیغمبری پر چلے گا وہ ہر طمع سے آزاد ہو گا۔ تفسیری مطالب پر غور کرنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ آیت میں استثناء متصل نہیں منقطع ہے۔ یعنی مودت فی القربیٰ کا جو استثناء کیا گیا ہے وہ اجرِ تبلیغ نہیں اس کو اجر کہا ہی نہیں جا سکتا مثلاً ما جاء فی القوم الا حماء یعنی میرے پاس قوم نہیں آئی، مگر ایک گدھا آیا تھا۔ اس مثال میں ظاہر ہے کہ حماء کا شمار قوم میں نہیں ہے قوم والے سب آدمی ہوتے ہیں۔ گدھے کو آدمی نہیں کہا جا سکتا۔ بالکل یہی صورت آیت میں ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مودت فی القربیٰ پیغمبر کی تبلیغ کی اجرت تھی انبیاء کے سلسلے میں نفی اجرت تو صریحاً منصوص ہے۔ حضرت نوحؑ نے فرمایا تھا۔ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اسی طرح حضرت ہود و صالح و شعیب علیہم السلام کے ذکر میں بھی صراحت ہے کہ سب نے اپنی اپنی قوموں سے کہہ دیا تھا کہ ہم کسی اجرت کے خواستگار نہیں ہیں حضورؐ کے متعلق بھی منصوص ہے۔ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ قوت کے ساتھ فرمایا قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ یعنی میں تم سے کچھ اجرت کا طالب نہیں اور بالفرض اگر تم کو شبہ ہو کہ میں تم سے کچھ مانگوں گا تو جو کچھ مانگوں وہ تمہارا ہے تم ہی لے لینا۔ ان آیات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر کا اجرت طلب کرنا ممکن نہیں اور اگر طلب ممکن ہو تو کسی چیز کا اجرت قرار پانا ممکن نہیں اور اگر کسی چیز کو اجرت قرار دے بھی لیا جائے تو اُس کا لینا حرام ہے۔ تو معلوم ہوا کہ مودت فی القربیٰ اجرت نہیں ہے۔ آیت کی تفسیر تین طرح سے کی گئی ہے۔

۱ مودت سے مراد مودتِ رسول ہے اور قربیٰ سے مراد ہے رسول اللہؐ کی رشتہ داری۔ امام بخاری نے صحیح الاسناد روایت کے ساتھ طاؤس کا قول نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی۔ ابن عباس جواب دینے نہیں پائے تھے کہ سعید بن جبیر (ابن عباس کے شاگرد) بول اٹھے کہ اقارب آلِ محمد مراد ہیں۔ ابن عباس نے فرمایا تم نے جلدی کی (بے سوچے جواب دے دیا) پھر فرمایا قریش کی کوئی شاخ ایسی نہ تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابت نہ ہو۔ ہر شاخ میں حضورؐ کی رشتہ داری موجود تھی۔ پس آیت کے معنی ہیں اَلَا اَنْ تَصِلُوْا مَا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ مِنَ الْقَرَابَةِ یعنی میری اور تمہاری جو رشتہ داری ہے اس کو ملائے رکھو (رواہ احمد ایضاً) شعبی ضحاک علی بن ابی طلحہ عوفی یوسف بن مہران مجاہد عکرمہ قتادہ سدی ابو مالک اور عبدالرحمٰن بن زید سے بھی یہی تفسیر اور ابن عباس کی تشریح اسانید صحیحہ کے ساتھ مروی ہے۔ ابو القاسم طبرانی نے سعید بن جبیر کی وساطت سے حضرت ابن عباس کا تشریحی قول نقل کیا ہے کہ حضور نے قریش سے فرمایا میں تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا۔ سوا اس کے کہ مجھ سے مودت رکھو کیونکہ میری قرابت تم سے موجود ہے۔ آپس کی اس قرابت کا لحاظ رکھو۔ (رواہ احمد)

۲ مودت سے مراد ہے رسول کی مودت یا مودت خدا اور قربیٰ سے مراد ہے حصول قربت الٰہی مطلب یہ کہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے مجھ سے مودت رکھو میری اجرت تبلیغ یہی ہے (رواہ ابن ابی حاتم عن مجاہد عن ابن عباس) ظاہر ہے کہ بغیر محبت رسول کے

محبت خدا ناممکن ہے اور بغیر محبت خدا کے محبت رسول حاصل نہیں ہوسکتی اور ان دونوں کے بغیر قربتِ الٰہی کا حصول ممکن نہیں ۔

۲۳ قربیٰ سے مراد ہیں اقارب رسول اللہ یعنی اقارب رسول اللہ ﷺ سے محبت اور مودت رکھو بس اسی کو تبلیغ رسول اور ہدایتِ الٰہی کا عوض سمجھ لو ۔ سعید بن جبیر کا یہی قول ہے ۔ کمارواہ البخاری عن طاؤس ۔ امام زین العابدین کو جب یزیدی لشکر قید کرکے دمشق میں لایا تو ایک شخص نے امام سے کہا شکر ہے کہ اللہ نے قتل کرکے تم لوگوں کو نابود کر دیا اور فتنہ کے سینگ ٹوٹ گئے ۔ امام نے فرمایا ارے تو نے قرآن بھی پڑھا ہے ۔ کہنے لگا ہاں ۔ فرمایا آل حم سورتیں بھی پڑھی ہیں بولا جب پورا قرآن پڑھا ہے تو آل حم سورتیں کیوں نہیں پڑھی ہیں ۔ امام زین العابدینؓ نے آیت لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى تلاوت فرمائی ۔ وہ شخص بولا کیا قربیٰ آپ لوگ ہیں ۔ فرمایا ہاں (رواہ ابن جریر عن السدی)

ابو اسحاق سبیعی نے کہا میں نے عمرو بن شعیب (تابعی) سے پوچھا اِلَّا مودۃ فی القربیٰ قرابتی کون لوگ ہیں ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قرابتی ۔ (رواہ ابن جریر)

حجۃ الوداع کے خطبہ میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا میں نے تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑی ہیں ۔ ایک کتاب اللہ اور دوسرے اپنی عترت (اولاد) یہ دونوں مجھ سے جدا نہ ہوں گے ، یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر وارد ہوں گے (صحیح البخاری)

حضرت زید بن ارقم کی روایت ہے کہ تالابِ خم غدیر پر حضور اقدس ﷺ نے ایک خطبہ میں فرمایا تھا میں بشر ہوں قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد مجھ تک آپہنچے اور میں اس کا بلاوا قبول کرلوں ۔ میں تم میں ثقلین چھوڑنے والا ہوں ۔ اوّل کتاب اللہ جس سے ہدایت و نور ہے تم اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو ۔ دوئم میرے اہلِ بیت ہیں ۔ میں تم کو اپنے اہلِ بیت کے متعلق اللہ کو یاد دلاتا ہوں ۔ حضور ﷺ نے یہ لفظ دو مرتبہ فرمایا ۔ حصین بن مرہ نے یہ حدیث سن کر حضرت زید سے پوچھا ۔ قربیٰ کون لوگ ہیں ۔ کیا حضور ﷺ کی بیبیاں اہلِ بیت نہیں ہیں ۔ حضرت زید نے فرمایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیبیاں تو اہلِ بیت ہیں ، لیکن (ان کے علاوہ) اہلِ بیت وہ لوگ ہیں جن پر حضور کے بعد صدقہ حرام ہے ۔ حصین نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں ۔ زید نے فرمایا اولادِ علی اور اولادِ عقیل اولادِ جعفر اولادِ عباس ، حصین نے پوچھا کیا ان پر صدقہ حرام ہے فرمایا ہاں ۔ (رواہ مسلم والنسائی وَقَدْ حَذَفْنَا بَعْضَ اَلْفَاظ ۔ حصین بن میسرۃ التابعی) ترمذی نے چند حسن غریب اسانید سے حدیث حجۃ الوداع نقل کی ہے جس میں کتاب اللہ اور اہلِ بیت کو حضور ﷺ نے ثقلین فرمایا ہے قرآن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنے اور اہلِ بیت کے ساتھ اچھا سلوک رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے ۔ حضرت ابوذر غفاری حضرت ابو سعید خدری حضرت حذیفہ بن اسید وغیرہم سے بھی اس بارہ میں مختلف صحیح احادیث مروی ہیں ۔

امام احمد نے اپنی اسناد سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ قریش آپس میں تو خندہ پیشانی سے ملتے ہیں اور ہم سے ملتے ہیں تو بے رخی کے ساتھ گویا غیر ہیں ۔ یہ سن کر حضور کو غصہ آیا اور فرمایا اس پاک عزوجل کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کسی مرد کے دل میں ایمان داخل نہ ہوگا جب تک کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے واسطے تم سے محبت نہ کرے ۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کے حوالے سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں حضرت عباس یا ابن عباس سے انصار کا مکالمہ درج ہے اور حضور کا انصار کو خطاب کرکے ایک مفصل فیصلہ بھی مذکور ہے اور آخر میں ابن عباس کا یہ قول ہے کہ اس پر آیت قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ نازل ہوئی ۔ اس روایت میں یزید بن ابی زیاد ضعیف راوی ہے (کذا قال ابن کثیر) پر اس روایت کے بموجب آیت کا مدنی ہونا ثابت ہوتا ہے حالانکہ پوری صورت مکّی ہے ۔ ہاں اگر ان چار آیات کو مستثنیٰ قرار دیا جائے تو ممکن ہے ۔

صحیحین میں یہ روایت دوسری اسناد کے ساتھ مروی ہے مگر اس میں نزول آیت کا تذکرہ نہیں اور غزوۂ ہوازن کے بعد کا واقعہ ظاہر کیا ہے ۔ خلاصہ یہ کہ آیت میں القربیٰ سے رسول اللہ ﷺ کے اقربا مراد ہیں ۔ مذکورۂ بالا بعض روایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے لیکن

toobaafoundation.com

صرف نسلِ رسول مراد ہے یا چچا اور چچا کے بیٹے اور ان کی اولاد اور حضورؐ کی بیبیاں اس مسئلہ کی تعیین ثبوت کی محتاج ہے۔ اگر آیت کو مکی قرار دیا جائے تو اس وقت سیدہ زہراء کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی، اس لئے امامین اور ان کی نسل پر آیت کو محصور سمجھنا غلط ہے بلکہ وہی حضرت علی حضرت جعفر حضرت عقیل حضرت عباس اور ان کی اولاد مراد ہوگی۔ حضرت فاطمہ اور حضرت رقیہ وغیرہما حضور والا کی اولاد میں جو کوئی زندہ تھا سب کو آیت شامل ہوگی۔ لیکن تخصیص مورد سے چونکہ حکم میں تخصیص نہیں ہوجاتی، اس لئے آئندہ جتنی رسول کی نسل یا حضورؐ کے چچاؤں کی نسل ہوئی سب حکم آیت میں داخل ہوگی۔

صحیح ترین تفسیر وہی ہے جو حضرت ابنِ عباس سے مروی ہے جس کو ہم نمبر اوّل میں ذکر کر آئے ہیں اور اگر آخری تفسیر مراد ہوگی تو اقارب رسول کو ایمان اور عمل کے ساتھ مقید کرنا ضروری ہوگا کیونکہ بغیر عمل صالح کے تو بیٹے کو بھی قرآن نے آل ہونے سے خارج کیا ہے۔ حضرت نوح کے قصہ میں کنعان کے متعلق فرمایا۔ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ۔

وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا۔ بعض مفسرین کے نزدیک حسنہ سے اس جگہ اولادِ رسول کی محبت مراد ہے کیونکہ فی القربیٰ کے ذکر کے بعد اس کا ذکر فرمایا ہے۔ میرے نزدیک یہ قول غلط ہے۔ حسنہ نکرہ ہے جو عموم چاہتا ہے۔ اگر اولادِ رسول کی مودت مراد ہوتی تو الف لام عہدی لایا جاتا اور الحسنۃ کہا جاتا۔ صحیح مطلب یہ ہے کہ مودت سے مراد اگر مودتِ رسول اور قربیٰ سے قرابت داری کا لحاظ مقصود ہے تو ظاہر ہے کہ صرف مودت حاصل تبلیغ نہیں ورنہ سارا قرآن لغو قرار پائے گا۔ اگر یہی حاصل نبوت قرار پاتا تو لوگ مخالفت ہی کیوں کرتے اور اگر مودت اقارب رسول مراد ہو تو وہ بھی کافی نہیں۔ جب تک اس کے ساتھ اعمال صالحہ کا اقتران نہ ہو، اس لئے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی کسی قسم کی بھلائی (مع شرط ایمان) کرے گا ہم اس کے لئے خوبی بڑھا دیں گے (دس گونہ سے لے کر سات سو گونہ بلکہ اس سے بھی زائد)

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ۔ اللہ گناہوں کو معاف کرنے والا اور اعمال صالحہ کی قدر کرنے والا ہے (کسی کی کوشش رائیگاں نہیں کرتا)

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا۔ اس جملہ سے پہلے ایک جملہ مسئولہ مع حرف استفہام کے محذوف ہے یعنی یہ لوگ رسول اللہ کو دیوانہ کہتے ہیں یا خود قرآن بنا کر غلط طور پر اللہ کی طرف منسوب کرنے والا، ظاہر ہے کہ دیوانے کی بات کی تک نہیں ہوتی اور اللہ پر دروغ بافی کرنے والا فروغ نہیں پا سکتا۔

فَإِنْ يَشَإِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ۔ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو وہ آپ کے دل پر مہر لگا دیتا قرآن بنانے ہی نہ دیتا۔ اور (جو نقوش) باطل دل پر ہوئے ان کو مٹا دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس دروغ بافی پر تم کو قدرت ہی نہیں ہوتی۔ لیکن چونکہ آپ کے دل کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور قرآن مجید کا فیضان آپ کے قلب پر ہو رہا ہے، اس لئے یہ باطل اور جھوٹ نہیں ہے۔

وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ۔ اللہ تعالیٰ اپنی آیات سے حق کو ثابت کرتا ہے۔ تمام صحیح افکار و احکام کو دلائل واضحہ سے بیان فرماتا ہے۔

إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ۔ دلوں کے اسرار سے وہ پورا واقف ہے۔ پھر کس طرح ممکن تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ پر افترا پردازی کرتے ہیں اور دل سے بنائی ہوئی باتوں کو اللہ کی طرف منسوب کر سکتے۔

مقصودِ بیان

ذَٰلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ الخ سے صرف مومنین صالحین کو بشارت دینے کی صراحت ہے۔ اس سے نصیحت پکڑیں وہ سرکش بے عمل مسلمان جو اپنے ایمان پر (بشرطیکہ ایمان بھی شرک سے پاک ہو) مغرور اور اعمال کی طرف سے بن کر جنت کے ٹھیکیدار بنے بیٹھے ہیں۔ گویا باوجود بد اعمالی کے جنت حاصل ہونے کا ان کو قطعی یقین ہے۔ اس آیت میں درس فکر ہے ان واعظوں کے لئے جو عوام کے ساتھ چلتے ہیں اور گناہگاروں کو بہشت کی بشارتیں دے کر خوب تھپک کر سلاتے ہیں۔

آیت لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا سے عبرت حاصل کریں وعظ و ارشاد کے عوض نذرانوں کا نام رکھ کر اجرت لینے والے اذان امامت، نکاح خوانی اور ہر کارِ خیر کی مزدوری کو معاوضہ خدمت اور پاک معاوضہ سمجھنے والے۔ پیری اور ہدایت کی مزدوری سالانہ ٹیکس کی صورت

toobaafoundation.com

میں وصول کرنے والے اور دین کو دنیا کی متاعِ حقیر کے عوض فروخت کرنے والے آیت
فَإِنْ يَشَإِ اللّٰهُ الخ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تمام مخلوق سے مستغنی ہے۔ یہاں تک کہ مقدس پیغمبروں سے بھی۔ اگر یہ کبھی اس
کی آیات میں خلط ملط کر دیں تو اس غلط کو مع ان کے قلوب اور ہستی کے مٹا دے اور حق و حقیقت کو اپنے کلماتِ قدسیہ سے ثابت فرما دے وغیرہ۔

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۝ وَيَسْتَجِيبُ

اور وہ ایسا رحیم ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہ تمام گناہ (گزشتہ) معاف فرما دیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس (سب) کو جانتا ہے اور

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَالْكٰفِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۝ وَلَوْ

ان لوگوں کی عبادت قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور انکو اپنے فضل سے اور زیادہ ثواب دیتا ہے اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں ان کیلئے سخت عذاب ہے

بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلٰكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ

اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کیلئے روزی فراخ کر دیتا تو وہ دنیا میں شرارت کرنے لگتے لیکن جتنا رزق چاہتا ہے اندازہ (مناسب) سے (ہر ایک کیلئے) اتارتا ہے وہ اپنے

بَصِيرٌ ۝ وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ۝

بندوں (کے مصالح) کو جاننے والا اور ان کا حال دیکھنے والا اور وہ ایسا ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد پانی برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہ (سب کا) کارساز قابلِ حمد ہے

تفسیر انکار کرنے والے انکار کر دیں ملحد دہریہ نہ مانیں کور بصیرت اور مردہ عقل والے نہ سمجھیں، لیکن یہ واقعہ ہے ناقابلِ شک اور حقیقت ہے ناقابلِ تردد کہ پیدائش کے بعد بندہ کے دو قسم کے تعلقات اپنے خالق سے رہتے ہیں۔ بندہ کافر ہو یا مومن، گناہگار اور سرکش ہو یا فرماں بردار اور مطیع۔ ہیں سب پیدا کئے ہوئے خدا کے ہی، اس لئے بندوں کی روحانی تربیت ہو یا درستی یا جسمانی نظم و بقا، ہیں دونوں خدا ہی کے ہاتھ میں۔

۱۔ اللہ بندہ کی ہر آواز کو سنتا اور روز قبول فرماتا ہے۔ اگر بندہ مشرک یا مومن نافرمان ہے تو چونکہ روحانی تربیت اس کی بھی خدا کو منظور ہے، اس لئے اگر وہ پچھلے قصور پر نادم ہو کر توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی سنتا اور توبہ قبول کرتا ہے۔ خواہ کیسا ہی سخت مشرک اور نافرمان ہو اور اگر مومن صالح اللہ سے دعا کرتا ہے تو اللہ اس کی بھی سنتا ہے اور اس کے اجر میں اضافہ کرتا ہے۔ گویا طہارت روحانی کے لئے بندے اور خدا کا یہ سلسلہ ہر وقت جڑا رہتا ہے۔ خواہ کاٹنے والے کتنا ہی مخلوق کے تعلق کو خالق سے کاٹنے کی کوشش کریں، مگر ایک طرف سے پکار اور دوسری طرف سے قبول کی یہ مسلسل زنجیر جڑی ہوئی ہے۔ سنانے والا کنارہ بندہ کے ہاتھ میں ہے اور قبولیت والا سرا اللہ کے ہاتھ میں۔

۲۔ مومن ہو یا مشرک، عاصی ہو یا مطیع، جسمانی پرورش کا دروازہ کسی کے لئے بند نہیں، لیکن کسی کی خواہش یا ایمان و کفر کو اس کی کمی بیشی میں دخل نہیں۔ اللہ اپنے اندازہ کے موافق جتنا موافق سمجھتا ہے دیتا ہے نہ تمام مومن اور اطاعت گذار مالدار ہیں نہ سب مشرک اور گناہگار دولت مند۔ حسب منشاءِ خداوندی بندوں کے رزق میں تفاوت ہے۔ ہم اس بحث کی کسی قدر توضیح کرنی چاہتے ہیں۔ یہ زمین دان کی روشنی اور چمکتے ہوئے سورج کے باوجود اندھیری کیوں ہے۔ لوگ کیوں چوری، ڈاکہ، خیانت اور رہزنی کرتے ہیں۔ جب کہ معاش کے دوسرے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ کیوں غیر عورتوں کو باصرہ نواز اور زینتِ آغوش بنانے کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ صنفی خواہشات کو پورا کرنے کے جائز ذرائع موجود ہیں یا موجود ہو سکتے ہیں۔ جھوٹ کیوں بولتے ہیں، غیبت کیوں کرتے ہیں۔ حسد کیوں رکھتے ہیں جبکہ ان میں

toobaafoundation.com

کوئی خصوصی لذت نہیں۔ غرض کہ فضائل فاضلہ کو کیوں ترک کرتے اور رذائل قبیحہ کو کیوں اختیار کرتے ہیں جبکہ رذائل میں کوئی فضیلت نہیں اور فضائل میں کوئی رذالت نہیں۔ ذلت نفس خبث دماغ اور کثافت روح کا کیوں اندازہ نہیں، جبکہ ضوابط الٰہیہ قوانین فطرت اور الوارِ عقلیہ تمیز دلانے کے لئے موجود ہیں۔ کیا ان خرابیوں کی جڑ افلاس ہے۔ مفلس ہی چوری کرتا ہے۔ خیانت کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے، بدمعاشی کرتا ہے، دوسرے سے جلتا ہے، راستے لوٹتا ہے، جیبیں کترتا ہے، مفلس کا دماغ زنگ آلودہ، عزم مردہ اور روح افسردہ ہوتی ہے۔ افلاس ہی تمام بیماریوں کی اور تباہ کاریوں کی جڑ ہے۔ ہر وقت چہرہ پر موت چھائی رہتی ہے۔ نیت میں بدی اور ارادہ میں میل بھرا رہتا ہے۔ مفلس معاشرۂ انسانی کے جسم کا گلا سڑا عضو ہے کاٹ ڈالنے کے قابل۔ چمنستان سماج کے لئے خاردار زہریلی جھاڑی ہے۔ صاف کر دینے کے لائق سوکھا درخت ہے۔ بھٹیوں اور چولہوں میں جلائے جانے کا مستحق۔ زمین کی گردن کا بار ہے جس کا زمین کے اندر دفن کیا جانا ضروری ہے۔ اس کے زہر سے دنیا کو بچانا سرمایہ دار کا فرض ہے۔ ناداری ایسا روگ ہے جس کو دور کرنے کے لئے روگی ہی کو فنا کر دینا لازم ہے نہ روگ رہے نہ روگی۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ بے ایمانی مال دار سے زیادہ کون کرتا ہے۔ غیر محسوس طور پر بھولے انسان کی گرہ کون کاٹتا ہے۔ سود در سود کے ہمرنگ زمین جال میں مفلسوں کو کون پھنساتا ہے۔ شراب خانہ خراب کس نے ایجاد کی۔ مالدار نے اپنی عیش پرستی کی مجلسوں کو گرم رکھنے کے لئے یا مفلس اپنی سوکھی ہڈیوں کو جلانے کے لئے فسق و فجور کی کثرت کس کے دستِ کرم کی ممنون ہے۔ چندہ خانے قحبہ گھر زناکاریوں کے اڈے کس نے اپنی راتیں جگانے اور دماغوں کو سلانے کے لئے ایجاد کئے۔ مفلس بے ایمان ہے، خائن ہے، چور ہے سب کچھ ہے، لیکن کروڑوں روپے کا دیوالہ کون نکالتا ہے۔ دنیا کی دولت جمع کرنے کے لئے کون بینک فیل کرتا ہے۔ یہ درست ہے کہ مفلس قاتل ہے، غارت گر ہے بدخو اور جنگ جو ہے، لیکن کروڑوں کی دولت ہتھیار بنانے میں کون صرف کرتا ہے۔ منٹ بھر میں لاکھوں آدمیوں کو ہلاک کر دیتا ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ مفلس ڈاکہ مارتا ہے۔ دو چار دس بیس مظلوم مارے جاتے ہیں، لیکن ایک دن میں لاکھوں آدمی کس کی جوع الارضی کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں اور لاکھوں ہزاروں کی کون بھرپور آبادیوں کو تہ تیغ اور تہ بم کر دیتا ہے۔ بہتے خون کے بھرے دریا تڑپتی لاشوں کے بے جان انبار، بیواؤں کی آہ، یتیموں کی پکار، سرسبز کھیتوں کی تباہی، پھل دار باغوں کی بربادی اور سر بفلک عمارتوں کی ویرانی کس کے دم قدم سے ہوتی ہے۔ پھر سب سے زیادہ یہ کہ مفلس کو مفلس بنانے والا خون پی کر اس کی رگوں کو سکھانے والا اور کثیر آبادی کو محتاج بنانے والا، عصمت والیوں کو عصمت فروشی پر مجبور کرنے والا۔ نیک چلن کو بدمعاش اور صالح کو طالح بنانے والا کون ہے۔ یہ تمام جرائم سرمایہ داری کے تو ہیں پھر بھی یہی خواہش ہے کہ مفلسوں کو تباہ کر دو۔ اُن کی جڑیں اکھاڑ دو۔ اگر مفلس نہ ہوا تو صنعت و حرفت کی یہ رونق جس سے دنیا کے بازار دُلہن کی طرح سجے ہوئے ہیں، زمین کا یہ مخملی لباس سبزہ، باعثِ حیات کھیتیاں، یہ کام و دہن کو لذیذ بنانے والے پھل، یہ اونچی کوٹھیاں، یہ عیش و طرب کا سامان اور یہ رقص و نشاط کے جلسے کہاں سے آئیں گے۔ کیا دنیا تباہ نہ ہو جائے گی، کیا آبادیاں کھنڈر نہ بن جائیں گی، کیا انسان کے سماج کو کالا سانپ نہ سونگھ جائے گا، کیا انسانی معاشرہ کا شیرازہ بکھر نہ جائے گا اور کیا ہر شخص وحشی غیر مانوس نہ بن جائے گا۔ حقیقت میں سرمایہ کی زیادتی تمام گناہوں کا سرچشمہ ہے۔ سرمایہ ہو یا ناداری، اس دنیا کی آبادی کو برقرار رکھنے کے لئے دونوں کی ضرورت ہے، لیکن معاشرت انسانی کا لحاظ رکھتے ہوئے دونوں کا بقاء ایک خاص انداز کے تحت ہونا چاہیئے اور اندازہ کرنے والا سوا، عالم کل اور واقف ہمہ ذات کے اور کون ہو سکتا ہے۔ سچ ہے ہو الولی الحمید۔

تحلیلِ اجزاء

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّئَاتِ. گناہ گار ہے نادانی کی حالت میں گناہ سرزد ہو جائے اور پشیمان ہو کر وہ توبہ کرلے تو اللہ قبول فرما لیتا ہے اور اس کے گزشتہ گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ گناہگار بندہ کا بھی اللہ سے تعلق اور ربط باقی رہتا ہے۔ کتنا ہی بڑا گناہ ہو جب پشیمان ہو کر اس کی معافی چاہتا ہے اور آئندہ کے لئے عہد کرتا ہے تو چونکہ وہ بھی اللہ کا بندہ ہے۔ اگرچہ گناہگار ہے اور گناہ ترک کر چکا ہے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کر لیا ہے اور گزشتہ کی معافی مانگ رہا ہے اس لئے اللہ کی ناراضگی خوشنودی سے بدل جاتی ہے اور گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔ توبہ اور استغفار کے لئے ضروری نہیں کہ گناہوں کی فہرست نظر کے سامنے ہو اور ان کو معاف کرنے کی درخواست کی جائے۔

toobaafoundation.com

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آیا ہے حضور اقدسؐ نے فرمایا واللہ میں ہر روز ستر بار سے زیادہ استغفار کرتا ہوں، دوسری روایت میں ہے لوگو اپنے رب سے توبہ کرو میں خود روزانہ سو بار توبہ کرتا ہوں۔

جب موت کا غرغرا شروع ہو جائے گناہوں سے توبہ کا وقت ہے۔ حدیث میں آیا ہے اللہ اپنے بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ جب تک اُس کو موت کا غرغرانہ لگنے لگے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت میں آیا ہے حضور نے فرمایا کہ اللہ ہر رات کو اپنا دستِ رحمت پھیلاتا ہے تاکہ دن بھر کا بدکار توبہ کر لے اور دن میں اپنا دستِ رحمت دراز کرتا ہے تاکہ رات بھر کا بدکار توبہ کر لے۔ یہ سلسلہ یونہی رہے گا۔ یہاں تک کہ آفتاب مغرب سے نمودار ہو۔

حضرت انس بن مالک کی روایت ہے حضورؐ نے فرمایا تم میں سے اگر کسی کا اُونٹ ریگستان بیابان میں گم ہو جائے جس پر اُس کا کھانا پانی بھی لدا ہوا ور وہ اُس کی تلاش سے مایوس ہو جائے۔ اور درخت کے نیچے آکر لیٹ جائے۔ اچانک آنکھ کھلے تو وہی لدا ہوا اُونٹ سامنے کھڑا ملے اور وہ اس کی مہار پکڑ لے جتنی خوشی اُس شخص کو ہوتی ہے اُس سے زیادہ خوشی اُس وقت ہوتی ہے جب بندہ گناہوں سے توبہ کرتا ہے (مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت بھی اسی کے قریب ہے (صحیح)

عبدالرزاق کے مصنف میں بحوالۂ زہری حضرت ابوہریرہ کی روایت بھی اسی کے ہم معنی مذکور ہے — توبہ کی شناخت۔

خطیب نے لکھا ہے کہ کسی نے شیخ ابوالحسن بوسنجی سے توبہ کی کیفیت پوچھی، فرمایا گناہ یاد ہو جائے تو لطف نہ آئے (یعنی گذشتہ گناہ کی یاد تلخی پیدا کر دے یہ توبہ کی علامت ہے) عبداللہ تستری نے فرمایا توبہ کی شناخت یہ ہے کہ بُری حالت بدل کر اچھی حالت ہو جائے۔ بعض محققین نے صراحت کی ہے کہ گذشتہ گناہوں پر ندامت، حال میں ترک گناہ اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ یہی توبہ کا مفہوم ہے۔

مدینہ کی مسجد مبارک میں ایک بار کوئی اعرابی آیا اور نماز پڑھ کر اُس نے معمول کے موافق کہا الٰہی میں تجھ سے توبہ استغفار کرتا ہوں۔ امیرالمومنین حضرت علیؓ نے فرمایا ارے زبان سے جلدی جلدی استغفار کرنا جھوٹے آدمیوں کی توبہ ہوتی ہے اُس نے عرض کیا امیرالمومنین پھر توبہ کیسی ہوتی ہے؟ فرمایا کہ چھ باتیں ہوں تو توبہ ہوتی ہے ۱۔ گزشتہ گناہوں پر ندامت۔ ۲۔ ترک شدہ فرائض کی دوبارہ ادائیگی۔ ۳۔ اگر کسی بندہ کا حق تائب کے ذمہ ہو تو اس کی واپسی ۴۔ دل نے گناہ کا جو مزہ اٹھایا اُس کے عوض نیکی کی تلخی اُس کو چکھائی جائے۔ ۵۔ جس طرح بدکاری نے اُس کو موٹا کیا تھا اسی طرح نیکی کر کے اس کو پگھلایا جائے ۶۔ گناہ میں غافل ہو کر جتنا ہنسا تھا اب اُتنا ہی روئے۔

وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ اس فقرہ میں صرف ہاتھ پاؤں کا عمل ہی مراد نہیں ہے بلکہ ہاتھ سے پاؤں سے سر، ابرو اور آنکھ کے اشارے سے آدمی جو کرتا ہے، زبان سے جو کچھ کہتا ہے، دل میں جو نیت ارادہ کرتا ہے غرض زندگی کے تمام حرکات سکنات کو اللہ جانتا ہے۔ اس فقرہ میں گویا تنبیہ ہے اس بات پر کہ کون توبہ کرتا ہے اور کون نہیں کرتا۔ آئندہ کون توبہ شکنی کرتا ہے اور کون توبہ پر قائم رہتا ہے — توبہ کرنے میں کس کی کیا نیت ہے، دنیوی اغراض کا حصول یا اللہ کا خوف۔ ان سب چیزوں سے اللہ واقف ہے۔ اس لئے خلوص خاطر کے ساتھ توبہ کی جائے تو اللہ قبول فرمائے گا۔

وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی جن لوگوں نے اللہ کی توحید کو مانا اور فرائض و حدود پر قائم رہے۔ اللہ اُن کی دعا قبول فرماتا ہے (کذا فسر ابن کثیر والخطیب فی السراج وافتادہ ابن جریر من قبل) اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ آیت مندرجہ بالا میں تو گناہگاروں کی توبہ قبول کرنے کا بیان تھا اور اس آیت میں مومنین صالحین کی دعا قبول فرمانے کا وعدہ ہے۔ بعض اہلِ تفسیر نے پہلی آیت کو مشرکین کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے یعنی جو مشرک شرک اور زمانۂ شرک میں کئے ہوئے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے اللہ اس کو معاف کر دیتا ہے اور شرک کے بعد جب ایمان اور عمل صالح سے اپنے نفس کو آراستہ کر لیتا ہے تو اس کی دعا قابلِ قبول ہو جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک جو صحیح ترین تفسیر تھی اُس کی توضیح ہم نے تفسیری مقالہ میں کر دی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرک بدکار ہو یا مسلمان، گناہگار یا مومن صالح کسی سے رشتہ خدا کا نہیں لگ سکتا، ہیں سب خدا کے بندے، اس لئے مشرک اور گناہگار مسلمان جب خدا سے توبہ کرتا ہے تو خدا اس کی توبہ قبول فرماتا

toobaafoundation.com

ہے اور مومن صالح حب اللہ سے دعا کرتا ہے تو اللہ دعا قبول فرماتا ہے بلکہ

وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ اپنی مہربانی سے ان کو دعا سے بھی زیادہ عطا فرماتا ہے۔ حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ اللہ مومن صالح کو دنیا میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور قبر میں بھی منکر نکیر کے سوال کے وقت اور اپنی مہربانی سے اُن کے اعمال سے زیادہ عنایت فرماتا ہے۔

ابو صالح نے آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا اللہ مومنین صالحین کی شفاعت قبول کرے گا اور بھائیوں کے لئے دوسرے اُن کی عزت بڑھائے گا گویا استجابت سے مراد ہے شفاعت قبول کرنا اور زیادتی فضل سے مراد ہے شفاعت قبول کر کے ان کی عزت افزائی کرنا۔

ابن کثیر نے سدی کا قول نقل کیا ہے کہ يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ کے معنی ہیں يَسْتَجِيبُ لِلَّذِينَ یعنی مومنین صالحین کی دعا اللہ قبول فرماتا ہے۔ ہم نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت ہے کہ حضور والاؐ نے آیت وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ کی تفسیر میں فرمایا مومنوں کو ایسے شخص کی شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی جس کے لئے شرک یا بدکاری کی سزا میں) دوزخ واجب ہو چکی ہو گی۔ کیونکہ اُس نے ان مومنوں کے ساتھ (دنیا میں) کوئی نیکی کی ہو گی۔ (رواہ ابن ابی حاتم) مقصد یہ کہ مشرک ہو یا مسلمان گناہگار دونوں نے اگر دنیا میں کسی مومن صالح کے ساتھ کوئی نیکی کی ہو گی تو اللہ مومن پر اس کا احسان باقی نہیں چھوڑے گا۔ اور احسان اتارنے کے لئے مومن کی شفاعت اُس کے حق میں قبول فرمائے گا۔ گناہگار مسلمان کے حق میں شفاعت قبول کرنے کے معنی تو ظاہر ہیں کہ اُس کی مغفرت فرما دے گا، لیکن مشرک کے متعلق عدم مغفرت کی چونکہ نص وارد ہے، اس لئے اُس کے حق میں شفاعت قبول کرنے کے معنی شاید یہ ہوں کہ عذاب کی شدت میں نسبتاً کچھ کمی کر دی جائے گی۔ اور دوزخ کے نچلے طبقہ سے اوپر والے درجہ میں اُس کو منتقل کر دیا جائے۔ ابوطالب کے متعلق جو حدیث آئی ہے اُس سے مفہوم کا ترشح ہوتا ہے۔ رہے وہ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ کافر جنہوں نے کفر نہیں چھوڑا اور توبہ نہیں کی۔ اُن کے لئے تو عذاب شدید مخصوص ہے۔

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَٰكِن يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ۔ عمرو بن حریث کی روایت میں ہے کہ اس آیت کا نزول اصحاب صفہ کے حق میں ہوا۔ کچھ غریب مسلمان جن کے رہنے اور کھانے پینے کا کہیں سہارا نہ ہوتا وہ علم دین سیکھنے کیلئے مسجد کے باہر ایک چبوترے پر آپڑتے ہیں۔ مہاجرین اور انصار میں سے جس کو توفیق ہوتی وہ دو چار دس بیس کو اپنے گھر لے جاتا اور کھانا کھلاتا یا چبوترہ پر ہی کھانا پہنچا دیتا۔ حضور کی خدمت میں جو کھانا یا لباس یا کوئی چیز بطور ہدیہ آتی یا امہات المومنین کی ڈیوڑھیوں میں کچھ ہوتا وہ سب اصحاب صفہ کو بھیج دیا جاتا۔ غرض اس طرح مصیبت سے ان غریبوں کی زندگی گذرتی تھی، مگر وہ دربار نبوت کی حاضری نہیں چھوڑتے تھے۔ اور کاشانۂ وحی کے دروازے پر پڑے رہتے تھے اور اس طرح دینی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

حضرت خباب بن الارت کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول ہمارے حق میں ہوا۔ بنی قریظہ بن نضیر اور بنی قینقاع کے مالدار یہودیوں کو دیکھ کر ہم کو تمنا ہوتی تھی کہ کاش ہم بھی مال دار ہوتے۔ ابن حریث کی روایت کو سیوطی نے نقل کیا ہے اور صحیح قرار دیا۔ حضرت علی کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت خباب کے قول کو امام رازی اور خطیب نے نقل کیا ہے۔ دونوں روایتوں میں تباین نہیں ہے کیونکہ حضرت خباب بھی بہت غریب آدمی تھے اور اصحاب صفہ میں شامل تھے۔

بہرحال شانِ نزول کچھ بھی ہو آیت کے حکم میں تخصیص نہیں۔ تفسیری مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ اپنے بندوں کو ضرورت سے زائد دیتا (اور سب لوگ غنی ہو جاتے) تو لوگ ملک میں فساد برپا کر دیتے اور معاشرۂ انسانی کا نظم قائم نہیں رہتا۔ کیونکہ جب سب مال دار ہوتے تو کوئی کسی کا کام نہ کرتا۔ ضرورت معاش کام کراتی ہے۔ صنعت و حرفت زراعت ملازمت علوم و فنون کی ترقی، تجارت کا فروغ سب کچھ انسانی طبقات کے مختلف المعاش ہونے کی وجہ سے ہے۔ پھر فسق و فجور اللہ کی نافرمانیاں، عیش پرستیاں، راحت پسندیاں اور طرح طرح سے معصیت کوشیاں بڑھ جاتیں۔ ضرورت معاش سے بالاتر ہو کر باقی دولت کا کوئی نہ کوئی مصرف تو نکالا جاتا ہے۔ عموماً آدمی جذبات

toobaafoundation.com

کا محکوم ہوتا ہے۔ سلطان عقل کی حکومت ماننے سے سرکشی کرتا ہے، اس لئے تسکین جذبات کے راستے میں مال کو خرچ کرتا اور تصادم جذبات سے ملک میں فساد پیدا ہوتا ہے، اس لئے اللہ نے سب کو غنی نہیں بنایا اور مومن و کافر کی خصوصیت کو نظر انداز کرتے ہوئے رزق کی تقسیم کی اور چونکہ ضروریات انسان کا صحیح علم اللہ ہی کو ہے کوئی انسان اپنی ضرورتوں سے پوری طرح واقف نہیں۔ ایک گھنٹہ کے بعد کس چیز کی ضرورت ہوگی۔ زندگی میں کتنے بچے پیدا ہوں گے۔ کتنے مریں گے کتنے باقی رہیں گے۔ کون کون بیمار ہوگا۔ کیا کیا بیماری ہوگی۔ غرض کسی کو اپنی حالت کا بھی پورا اندازہ نہیں۔ پھر دوسروں کے متعلق حال و استقبال کی ضرورت اور مصالح کا کسی کو کیا علم ہو سکتا ہے۔ لامحالہ اندازۂ الٰہی کی ضرورت ہے جو ماضی اور مستقبل کی حدود سے آزاد ہے، وہی اپنے اندازہ کے تحت جتنا چاہتا ہے دیتا ہے۔ دونوں آیتوں کا مجموعی نتیجہ یہ نکلا کہ ہر شخص کی زندگی کا باطنی اور علمی اخلاقی رُخ بھی اللہ کی ذات سے وابستہ ہے اور جسمانی رُخ بھی اُسی کی طرف ہے وہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا، پکار سنتا اور ایک اندازہ کے تحت سب کو روزی دیتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ۔ اوپر کی آیت میں تھا کہ اللہ ایک اندازہ کے تحت رزق دیتا ہے۔ رزق کہاں سے آتا ہے، کیسے آتا ہے، کتنا آتا ہے۔ اس آیت میں اس کا بیان ہے۔ جب بارش نہیں ہوتی خشکی اپنی انتہا کو پہنچ چکتی ہے۔ لوگ ناامید ہو چکتے ہیں تو اللہ بارش نازل فرماتا ہے اور اُس بارش کو پھیلاتا ہے۔ گویا بارش نازل فرمانا ایک عنایت، پھر بادلوں کو ہوا کے کاندھوں پر سوار کر کے حسب ضرورت ادھر اُدھر پھیلانا اور ہر جگہ مصلحت کے مطابق مینہ برسانا دوہری عنایت ہے۔ اس سے مقصود ہر مخلوق کی کارسازی ضروریات کی فراہمی اور حاجت روائی تو چونکہ اللہ ایسا کارساز اور حاجت روا ہے کہ اس کی کارسازی پر کسی جنبہ داری اور غلطی کا شبہ نہیں کیا جا سکتا، اس لئے حقیقت میں وہی کارساز ہے اور حقیقی ستائش کا مستحق ہے۔ یوں تو دنیا میں دوسرے بھی کارسازی کارسازی کا دعویٰ کرتے ہیں اور لوگ ان کو کارساز مانتے ہیں اور ان کی تعریف کرتے ہیں، لیکن انسانوں کی کارسازی اول تو حقیقی نہیں اسباب امداد کا وہ خالق نہیں، نیست کو ہست بنانے کی اُس کو قدرت نہیں پھر اس کی ظاہری کارسازی بھی آلائش جذبات سے خالی نہیں۔ ایسی کارسازی کارسازی نہیں غرض پرستی ہے، اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ ہی کارساز اور مستحق ثنا و حمد ہے۔

مقصود بیان

اللہ ہی بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہ معاف کرتا ہے پھر توبہ کرنے میں تاخیر کیوں اور اللہ کا دروازہ کھٹکھٹانے میں دیر کیا۔ آؤ جلد سے جلد توبہ کر لیں۔ مومن صالح کی اللہ دعا قبول کرتا اور خواہش سے زیادہ اس کو دیتا ہے تو پھر ہم نیک کیوں نہ بنیں۔ ہم نیک بن جائیں گے تو خدا ہماری دعا بھی قبول فرمائے گا۔ خوب سمجھ لو کہ خدا کا دروازہ کسی کے لئے بند نہیں، نہ کافر اور گناہ گار کے لئے نہ مومن اور نیکوکار کے لئے۔ پہلے دروازہ پر دستک دو۔ معافی مانگو معافی ملے گی، پھر حکم پر چلو سب کچھ ملے گا۔

آیت وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ سے مترشح ہو رہا ہے کہ مال کی کثرت بربادی کی جڑ ہے۔ یہ بڑی آزمائش ہے۔ اللہ اپنے اندازہ کے مطابق دیتا ہے۔ ایسا اندازہ کہ انسانی معاشرہ کا نظم قائم رہے۔

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش کے ظاہری اسباب کچھ بھی ہوں، لیکن حکم کا جاری ہے وغیرہ۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ

اور منجملہ اُس کی (قدرت) کی نشانیوں کے پیدا کرنا ہے آسمانوں کا اور اُن جانداروں کا جو اُس نے آسمان و زمین پھیلا رکھے ہیں۔

وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ۠ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا ع ۳

اور وہ اُن (مخلوق) کے جمع کر لینے پر بھی جب وہ (جمع کرنا) چاہے قادر ہے اور تم کو (اے گنہگارو) جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی

toobaafoundation.com

كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ

ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے (پہنچتی) اور بہت سی تو وہ درگزر ہی کر دیتا ہے اور تم زمین میں (پناہ لے کر اس کو) ہرا نہیں سکتے

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

اور خدا کے سوا تمہارا کوئی بھی حامی و مددگار نہیں۔

تفسیر ہزاروں قرن گذرنے کے بعد فلکیات کے ماہر اس نتیجہ پر پہنچے کہ جس طرح یہ زمین پہاڑوں دریاؤں درختوں جانوروں اور کیڑے مکوڑوں سے بھری پڑی ہے اور سب کا سرخیل انسان ہے۔ اسی طرح دوسرے کروں میں بھی پہاڑ ہیں دریا ہیں اور جانداروں کی آبادی ہے جن میں شاید آدمی بھی ہیں اور دوسری مخلوق بھی، لیکن قرآن مجید نے اپنی زبان میں ۱۴۷۳ سال پہلے بغیر معمل اور رسدگاہ اور بلا کسی خوردبین اور دوربین کے حشر اجساد اور بعثت جسمانی پر استدلال کرتے ہوئے پکار کر کہا تھا کہ لوگو آیات قدرت کا مطالعہ کرو۔ تمام آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق پر نظر ڈالو۔ یہ سب کیسے بنائے گئے، کس چیز سے بنائے گئے اور کیوں بنائے گئے کب بنائے گئے۔ پھر یہ بھی دیکھو کہ آسمانوں میں بھی اور زمینوں میں بھی اللہ نے کس قدر رینگنے اور چلنے پھرنے والے جاندار پیدا کئے۔ اہل عالم نے زمین پر رینگنے اور چلنے پھرنے والے کچھ جانداروں کو دیکھا، اُن کی حالت دیکھی تخلیق پر غور کیا، کیفیت سمجھی، لیکن ناقص ناتمام۔ اور بیشتر جانداروں کو ابھی تک نہیں دیکھا نہ اُن کی کیفیات اور خصوصیات کا مطالعہ کیا نہ افعال و آثار سمجھے۔ بالائی کروں کے جانداروں کی خبر تو وہاں کسی ایک نے بھی کسی ایک کو وہاں نہیں دیکھا بس اتنا جانا کہ وہاں بھی کچھ جاندار ہیں۔ روح زندگی رکھنے والے کبھی ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔ قرآن درس مطالعہ دیتا ہے۔ عامی کو بھی اس کی سمجھ کے لائق اور محقق کو بھی اس کے علم و عقل کے مطابق۔ عام آدمی نیلی گول چھت اور چوڑی چکلی زمین دیکھتا ہے۔ سمجھتا ہے وہ آسمان ہے یہ زمین ہے۔ گھوڑے گدھے اونٹ ہاتھی بکری کتے بلی کو دوڑتا پھرتا دیکھتا ہے اور کہتا ہے یہ جاندار ہیں اور چونکہ البعرة تدل علی البعیر والاثر علی المسیر اس لئے وہ پکار اٹھتا ہے فکیف لاتدل السموٰت والارض علی اللطیف الخبیر لیکن محقق کی نظر اس سے گہری ہوتی ہے۔ اُس کا فرض ہے کہ وہ طرز فکر اور حد نظر دونوں میں تبدیل کر دے۔ حد نظر کی تبدیل تو اس طرح کہ وہ بقدر رسائی تمام موجودات کی جستجو کرے۔ اس زمین اور اُن آسمانوں میں کیا کیا چیزیں ہیں کون کون جاندار ہیں۔ کہاں کہاں ہیں، اُن کا مادہ تخلیق کیا ہے۔ فوائد اور خصوصیات کیا ہیں۔ کیا یہ بے کار اور عبث ہیں یا بہ کار آمد ہیں۔ نظام کائنات میں اُن کو دخل ہے۔ اُن کو کس نے بنایا ہے وغیرہ وغیرہ اور طرز فکر میں تبدیل اس طرح کرے کہ جس خدا نے یہ اَن گنت مخلوق نیست سے ہست کی عدم سے وجود میں لاکر زمین و آسمان میں بے شمار جانداروں کو پھیلایا کیا وہ آدمیوں کو قیامت کے دن دوبارہ پیدا کر کے حساب کتاب اور ثواب عقاب کے جمع نہیں کر سکتا۔ بصر و بصیرت کو دعوت مشاہدہ دے رہی ہے کائنات کی یہ تخلیق اور تخلیق کی یہ ترکیب و ترتیب، سمندروں کے لامحدود قطرے، ہوا کے ناقابل استقصا ذرے غرض زمین اور کائنات زمین کے حد حساب سے خارج اجزاء غیر منقسم سب کے سب جانداروں میں ہیں۔ حرکت کرنے والے اور رینگنے والے اس طرح بالائی کروں کے وہ اجزاء تخلیقی جو انتہائی باریکی کے سبب مبلغ فہم و درجہ وہم سے بھی باہر ہیں۔ وہ کل کے کل سکڑے ہوئے پھیلتے ہلتے اور رینگنے کیڑے ہی تو ہیں۔ ان سب کو کس نے جمع کر کے پھیلایا۔ کس نے مختلف اشکال کا لباس پہنا کر نمودار کیا۔ کیا ایسا خالق انسانی قوام کے منتشر ٹکڑوں کو دوبارہ جمع کر کے جوڑ نہیں سکتا۔ جب کائنات کا کوئی ذرہ خدا کے قابو سے باہر نہیں اور کسی میں سرتابی کرنے کی طاقت نہیں تو کتنا بے وقوف ہے یہ انسان جو اللہ کے احکام سے سرتابی کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کے تباہ کن نتیجہ سے بھاگ کر کسی جگہ زمین پر پناہ حاصل کر لے گا اور خدا کی دست رس سے باہر ہو جائے گا اور کوئی مدد کرنے والا خدا کے مقابلے میں صف آرا

ہوکر اس کی مدد کر سکے گا اور اس کو ہلاکت سے بچا لے گا۔ یہ خیال خام ہے۔ اللہ کے سوا نہ کوئی کارساز ہے نہ مددگار۔

تحلیلِ اجزاء

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِیْھِمَا مِنْ دَآبَّۃٍ وَھُوَ عَلٰی جَمْعِھِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ اس آیت میں توحید خلاقیت کو ظاہر فرما کر حشر جسمانی پر استدلال کیا ہے۔ فِیْھِمَا کی ضمیر زمین و آسمان دونوں کی طرف لوٹتی ہے جس سے صراحتًہ یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ جس طرح زمین میں مختلف جانور ہیں آسمانوں میں بھی ہیں۔ اس پر شبہ کیا جا سکتا ہے کہ داب انہی چوپایوں کو کہتے ہیں جو زمین پر چلتے ہیں پھرتے ہیں۔ آسمانوں میں یہ جانور کہاں ہیں۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے مختلف علماء نے یہ تقریریں کی ہیں۔ بیضاوی نے تو آسمانوں میں جانداروں کے وجود سے ہی انکار کر دیا تھا اور صاف کہہ دیا کہ تثنیہ کی ضمیر کبھی واحد کی طرف راجع ہو جاتی ہے یَخْرُجُ مِنْھُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ میں مِنْھُمَا کی ضمیر شیریں سمندر کی طرف راجع ہے کیونکہ شور سمندر میں موتی مونگا پیدا نہیں ہوتے۔ اسی طرح اس آیت میں تثنیہ کی ضمیر زمین کی طرف راجع ہے۔ ہر قسم کے جانور اور انسان اسی زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔

مجاہد نے فرمایا دابہ میں ملائکہ اور انسان بھی داخل ہیں (یعنی ضمیر تثنیہ اپنی حقیقت پر ہے زمین و آسمان دونوں کی طرف راجع ہے آسمان کے دابہ میں انسان داخل ہیں) ابن کثیر نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

زمخشری نے کہا ممکن ہے ملائکہ اڑنے کے باوجود بھی زمین پر بھی چل سکتے ہیں، اس لئے دابہ میں ان کا شمار کیا گیا یا آسمانوں میں کوئی ایسی مخلوق ہو اسی طرح وہاں چلتی پھرتی ہو جس طرح زمین پر آدمی چلتے ہیں۔ گویا زمخشری کی اوّل تاویل کے مطابق فیھما کی ضمیر صرف زمین کی طرف راجع ہوئی اور دابہ وہی جاندار قرار پائے جو زمین پر چلتے ہیں، لیکن ملائکہ کا ان میں شمول اس احتمال و امکان پر ہوا کہ شاید وہ زمین پر بھی چل سکتے ہوں اور دوسری تاویل کے بموجب ضمیر دونوں کی طرف راجع ہے۔ آسمانی دابہ میں ملائکہ داخل ہیں۔

ابن عادل نے کہا کچھ بعید نہیں کہ آسمانوں پر اللہ نے چلتے پھرتے جاندار پیدا کئے ہوں جس طرح زمین پر انسان حیوان وغیرہ چلتے ہیں اسی طرح وہ آسمانوں پر چلتے ہوں۔

حقیقت میں یہ علماء کی تمام تاویلیں اس غلط بنیاد پر قائم ہیں کہ اوّل انہوں نے دابہ کے عرفی معنی آیت میں مراد لئے اور پھر لگے تاویلیں کرنے۔ حالانکہ اگر دابہ کے لغوی معنی آیت میں مراد لئے جائیں تو ایک نازک حقیقت اور نئے علمی نظریئے کا انکشاف ہوتا ہے۔ دبیب کے معنی لغت میں ہیں رینگنا۔ دوڑنے بھاگنے چکر لگانے کو دبیب نہیں، بلکہ ایسی خفیف حرکت کو دبیب کہتے ہیں جس پر سکون حس کا شبہ ہوتا ہے، اس لئے دابہ کا ترجمہ ہوا رینگنے والا۔ رینگنے کے لئے جاندار ہونا شرط ہے۔ پاؤں سے حرکت کرنا ضروری نہیں۔ ظاہر نظر سے دیکھنے والے اور قرآنی الفاظ کو سرسری طور پر پڑھنے والے کیڑوں مکوڑوں درندوں چوپایوں اور انسانوں کو دابہ جانتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ پرندوں کو بھی اس میں شامل کر لیتے ہیں۔ اور کچھ آگے بڑھے تو مختلف تاویلیں کر کے جن اور ملائکہ کو اس میں داخل سمجھ لیتے ہیں، لیکن فلسفۂ یونان کو وحی آسمانی کی طرح یقین کرنے والوں کی دماغی حرکت اس طرف نہیں ہوتی کہ کائنات کی ساری تخلیق جاندار ذرّوں سے ہی ہے۔ آسمان ہو یا زمین یا فضائی موجودات ہر ایک کی ساخت ایسے خلیات اور اجزاء غیر منقسمہ سے ہوئی ہے جن میں سے ہر خلیہ جاندار ہے حرکت کرتا اور رینگتا ہے۔ پانی کے ایک قطرہ ریت کے ایک ذرہ اور ستارہ کے ایک کرن پارہ کے اندر کروڑوں حیوان ہیں۔ زندہ ہلتے حرکت اور رینگتے سکڑتے سمٹتے اور آگے بڑھتے۔ یہی وہ حقیقی دابہ ہیں جن کی تخلیق پر غور کرنے کی قرآن نے دعوت دی ہے۔ ہمارے قدماء کے زمانے میں یہ تخلیقی انکشاف نہیں ہوا تھا اور اس دور کا علمی حلقہ اس تھیوری کو جانتا ہی نہ تھا، اس لئے ابن عادل کے تفسیری قول اور زمخشری کی تاویل دوئم میں احتمال اور امکان کے الفاظ استعمال کئے گئے۔ کوئی یقینی توضیح نہیں کی گئی۔ اب جب کہ ماہرین طبعیات اور علماء فلکیات نے اس نظریہ کا اقرار کر لیا کہ ہر ذرہ کی تخلیق لامحدود زندہ اجسام سے ہے جو حرکت کرتے اور رینگتے ہیں تو قرآنی صراحت کی حقیقت و صداقت سامنے آئی۔ کاش ہمارے علماء قرآنی منصوصات کو اپنے انکشافات کا سنگِ بنیاد قرار دیں اور بغیر کسی اندیشے کے قرآنی نظریات کو اہلِ عقل کے سامنے لائیں قرآن علم و عمل کی کتاب ہے۔ داستان اور چیستان نہیں۔ علمی تحقیقات نو بنو ترقی کی طرف گامزن ہیں۔ اس وقت اگر علماء کی علمی نگاہ قرآنی نظریات

toobaafoundation.com

تک نہ پہنچے تو اس سے قرآن کی صداقت پر حرف نہیں آسکتا۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ اہلِ علم پر قرآن کی سچائی واضح ہوجائے گی جس طرح گزشتہ دور میں قرآن کی چند در چند تصریحات کو مدعیانِ علم نے نہ مانا اور علماءِ اسلام بھی اُن کی تسلی نہ کر سکے بلکہ خود بھی اپنی علمی پیاس نہ بجھا سکے۔ حقیقت سمجھنے سے قاصر رہے۔ محض عقیدہ کی حد تک اپنی لاعلمی اور کوتاہی نظر کا اعتراف کرتے ہوئے مانتے رہے۔ لیکن اب وہی تردلیدہ ناقابلِ فہم نظریات حقائقِ مسلمہ بن گئے اور دنیا کے دانشمند اُن کو صحیح کہنے پر مجبور ہوگئے۔ مثلاً اجسام نامیہ کا جاندار اور ذی شعور ہونا اور اعمالِ انسانی کا فنا نہ ہونا اور مجسم شکل میں سامنے آنا اور ہر قول و فعل کا اپنی جگہ محفوظ رہنا اور رقیب عتید کا اُس پر مسلط ہونا اس قسم کے بہت سے مسائل پہلے محض عقیدہ کی حیثیت میں مانے جاتے تھے اور ان کو ناقابلِ فہم عالم بالا کی باتیں قرار دے دیا گیا تھا، لیکن اب وہ بولتی حقیقت بن کر سامنے آگئے اور جاہل یا پاگل کے علاوہ دنیا کا کوئی دانشمند ان کا منکر نہیں رہا۔ اسی طرح کچھ قرآنی تصریحات اور بھی ہیں۔ حل طلب ہمارے قدماء اور موجودہ زمانہ کے علماءِ اسلام ان کو عقیدۃً مانتے ہیں اور علمی حلقہ کے سامنے اپنی بے بضاعتی کا اقرار کر کے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ گویا قرآن کی بعض تصریحات (اُن کی نظر میں) گتھیاں ہیں اُلجھی ہوئی ناقابلِ فہم علم و دانش کے خلاف اور مسلمان کا فرض ہے کہ اٰلِهَتُنَا كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا کہہ کر خاموش ہوجائے سمجھے یا نہ سمجھے مان لے۔ حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے۔ قرآن کا پیش کردہ کوئی عقیدہ اور قائم کردہ نظریہ علم و دانش کے خلاف نہیں۔ تصور اپنی جہالت کا ہے نہ کہ قرآن کے روشن علمی نظریہ کا فَتَدَبَّرُوْا وَتَبَصَّرُوْا۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ آدمی کا ہر رونگٹا گناہوں میں جکڑا ہوا ہے۔ ہر آن زندگی کی ایک نعمت ہے۔ گوناگوں احسانات کی حامل اور ہر احسان کے عوض شکریہ لازم ہے، لیکن فطرتاً انسان میں اتنی طاقت نہیں کہ ہر احسان کا شکریہ ادا کرے اللہ بندہ کی اس مجبوری کو دیکھتا ہے اور درگزر فرماتا ہے، لیکن جس قدر دل کی آنکھ روشن ہوجاتی ہے اور روح کی بصیرت بڑھتی جاتی ہے۔ اس قدر قیود میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ عرفاء اولیاء اتقیاء اور انبیاء کی تدریجی قیود میں زیادتی اسی بنا پر ہوتی جاتی ہے۔ یہ تو تخلیقی دشواری کے تحت اللہ کی طرف سے معافی اور درگزر کا سلسلہ جاری ہے، لیکن انسان کے ارادی اور شعوری گناہوں کی فہرست بھی بہت لمبی چوڑی ہے۔ آخرت میں تو بہرحال ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا سزا ملے گی یا معافی، مگر دنیا میں بھی بیشتر گناہوں سے اللہ درگزر فرماتا ہے۔ صرف مخصوص صورتوں میں (جبکہ نظم عالم تباہ اور حقوقِ انسانی برباد کئے جارہے ہوں) بداعمالی کی سزا میں کوئی مصیبت مسلط کر دیتا ہے۔ قرآن مجید کی دوسری آیت میں آیا ہے۔ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ الآیۃ اگر اللہ لوگوں کے اعمال کا (دنیا میں پورا) مواخذہ کرتا تو کسی جاندار کو روئے زمین پر نہ چھوڑتا (زمین اُلٹ دیتا یا ایسے طوفان بھیجتا یا عالمگیر قحط نازل کر دیتا یا کوئی اور ایسی بلا مسلط کرتا کہ کوئی جاندار زندہ باقی نہ رہتا) حضرت علی نے فرمایا تھا لوگو میں قرآن مجید کی ایک ایک افضل آیت تم کو بتاتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی وہ ہم سے بیان فرمائی تھیں۔ حضور نے آیت وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔ تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا تھا علی میں تجھے اس کی تفسیر بتاتا ہوں۔ دنیا میں جو بیماری یا سختی یا بلا تم کو پہنچے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے اور اللہ حلیم ہے (اس بات سے) کہ دوبارہ آخرت میں سزا دے۔ اور جس چیز کو اللہ نے دنیا میں معاف فرما دیا ہے تو وہ بڑا کریم ہے کہ پھر اس کا مواخذہ کرے (رواہ ابن ابی حاتم وابن راہویہ واحمد وابن منیع وعبد بن حمید والحکیم الترمذی وابو یعلی الموصلی وابن المنذر وابن مردویہ والحاکم) یعنی جس گناہ کی دنیا میں سزا مل گئی اس کی آخرت میں سزا نہیں ملے گی۔ اور جو گناہ دنیا میں معاف کر دیا گیا وہ آخرت میں بھی معاف کر دیا جائے گا۔ حسن بصری سے مرسل حسن روایت ہے کہ جب آیت مذکورہ اُتری تو حضور نے فرمایا اُس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے آدمی کے اگر لکڑی کی پھانس لگتی ہے یا رگ پھڑکتی ہے یا قدم پھسلتا ہے تو صرف اس کے گناہ کے عوض ہوتا ہے اور اللہ جس چیز سے درگزر فرماتا ہے وہ بہت زیادہ ہوتی ہے یہ تو گنہگاروں کے گناہ کے پاداش میں جو مصیبت آتی ہے اُس کا بیان تھا، لیکن کیا نیکوں کو جو دکھ پہنچتا ہے وہ بھی اُن کے گناہوں کی سزا ہوتی ہے ایسا نہیں ہے بلکہ نیکوں پر آئی ہوئی مصیبت اُن کے لئے سزا نہیں کفارہ ہوتی ہے اس سے ان کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور درجات کی ترقی ملتی ہے۔

صحیح حدیث میں آیا ہے حضورؐ نے فرمایا قسم ہے اُس پروردگار کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مومن بندہ کو جو سختی اور تکلیف پہنچتی ہے۔

toobaafoundation.com

یا فکر اندوہ آتا ہے اللہ اُس کو مومن کے گناہ کا کفارہ کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کانٹا بھی لگتا ہے تو وہ بھی گناہ کا اُتار ہوتا ہے۔
اُم المومنین حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا جب بندہ کے گناہوں کی کثرت ہوتی ہے اور گناہوں کو اتارنے والی اُس کے پاس کوئی چیز نہیں ہوتی تو اللہ اس کو غم واندوہ میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے۔ حضرت معاویہ سے ایک حدیث مروی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جسمانی دکھ گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ صابر بندوں کو صبر کے عوض جو نعمتیں اور مرتبے عنایت ہوں گے اُن کو دیکھ کر عافیت میں زندگی گذارنے والے تمنا کریں گے کہ کاش اللہ کے لئے قینچی سے ہماری بوٹیاں کاٹی جائیں۔

کم عمر بچّوں کا ذکر اُن کے گناہوں کی سزا ہے یا کفّارہ

یہ سوال ایک شخص نے علماء بن بدر سے کیا۔ علماء نے جواب دیا بچّہ کے والدین کے گناہوں کا عوض ہوتا ہے (رواہ ابن حاتم عن ابی البلاد)
حضرت عائشہ رضؓ کی روایت کردہ صحیح حدیث میں آیا ہے حضورؐ نے تین دو بلکہ ایک چھوٹے سے بچّے کی موت کو بھی ماں کے لئے باعثِ اجر قرار دیا۔ (بخاری)

یہ مسئلہ اپنی جگہ درست ہے کہ بچّہ کی موت ماں باپ یا صرف ان کے گناہوں کا بدلہ یا کفارہ ہوتی ہے اور بچّہ کے دُکھ سے ماں باپ کو جو دکھ پہنچتا ہے وہ ان کے اپنے گناہوں کی سزا ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب ہر مصیبت خود آور ہوتی ہے تو بچّہ نے کون سا ایسا جرم کیا تھا کہ اس پر مصیبت آئی۔ وہ تو شرعاً مکلّف نہیں۔ اس کا صحیح جواب تو ہم اپنی تفسیری توضیح میں دیں گے، لیکن اس جگہ شبہ کو دور کرنے کیلئے اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ شرعاً گناہ کا صدور عاقل و بالغ سے ہی ہوتا ہے۔ وہی مکلّف ہے بچّہ اور دیوانہ مکلّف نہیں۔ اس کا کوئی عمل گناہ نہیں اس لئے آیت مذکورہ میں خطاب بھی اُنہی لوگوں کو ہے جو مخاطب بننے کے اہل ہیں۔ یعنی عاقل بالغ صاحب ارادہ واختیار، مرد یا عورت۔ مجبور یا پاگل یا بچّہ مخاطب ہی نہیں۔ اُس پر مصیبت کسی گناہ کی پاداش میں نہیں آتی بلکہ اللہ کے ایک عمومی ضابطہ کے تحت آتی ہے جو تخلیقی اور تکوینی ہے۔ ارادۂ انسانی کو اس میں دخل نہیں۔ درخت میں پھول آتے ہیں کچھ خشک ہو جاتے ہیں کچھ پھل بن جاتے ہیں پھر کچھ پھل بھی گر جاتے ہیں۔ کچھ عمر طبعی کو پہنچ جاتے ہیں۔ سبزہ جمتا ہے۔ جم کر کچھ گرم سرد ہواؤں یا زمین کی خشکی کے سبب سوکھ جاتا ہے کچھ باقی رہ جاتا ہے حیوانوں کے بچّوں کی بھی یہی رفتار ہے کچھ بیمار رہتے ہیں کچھ تندرست کچھ مر جاتے ہیں کچھ بچ جاتے ہیں۔ اصلح کی بقاء اور غیر اصلح کی فنا ضرور ہے سوکھی ناکارہ لکڑی بھٹیوں اور چولہوں میں جھونکی جاتی ہے۔ سرسبز بار آور درخت کو باقی رکھا جاتا ہے۔ آدمی کے بچّوں کی بھی یہی حالت ہے۔ تمام غیر ارادی غیر مکلّف مخلوق کے استمراری قانون کے تحت ان کے بھی حالات بدلتے ہیں۔ عاقل بالغ انسان کے علاوہ تغیرات ایک ضابطۂ فطری کے تحت دوسری مخلوق میں ہوتے ہیں وہی انسانی بچّوں میں بھی ہوتے ہیں۔

یہاں تک تشریح اُن علماء کے اقوال کے موافق تھی جو مصیبت کو نتیجۂ عمل یا کفارۂ گناہ قرار دیتے ہیں، لیکن خطیب نے ذکر کیا ہے کہ کچھ علماء دنیوی مصیبت کو پاداشِ عمل نہیں کہتے اور ان کی تین وجوہ بیان کرتے ہیں ۱۔ روز قیامت بالاجماع روز جزا ہے آیت میں آیا ہے الیوم تجزیٰ کل نفس بما کسبت ۲۔ دنیا میں اگر گناہ کی سزا دے دی گئی تو دنیا دار الجزیٰ بن جائے گی پھر قیامت کی کیا ضرورت رہے گی۔ ۳۔ مصیبتیں تو مومن کافر نیک اور بد سب پر آتی ہیں بلکہ انبیاء اور صلحاء پر زیادہ آتی ہیں۔ کیا یہ گناہوں کی پاداش میں آتی ہیں۔ اوّل دونوں شبہوں کا جواب صاف ہے۔ دنیوی سزا تنبیہی ہے تاکہ بندہ متنبہ ہو کر توبہ کر لے۔ یہ آخری سزا نہیں اور قیامت کے دن آخری سزا ملے گی جبکہ توبہ اور عمل کا کوئی وقت نہ ہوگا۔ اسی لئے دنیوی سزا سے گناہ کی تخفیف ہو جاتی ہے۔ تیسرا شبہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔ مصیبت وہ ہوتی ہے جس سے مصیبت زدہ کو حقیقت میں ضرر پہنچتا ہو۔ انبیاء اور صلحاء تو مصیبت کو مصیبت جانتے ہی نہیں نہ اُن پر کوئی مصیبت آتی ہے اور جو واقعہ بشکلِ مصیبت دکھائی دیتا ہے اُس میں اُن کو مرضیٔ مولیٰ کی جھلک دکھائی دیتی ہے، اس لئے ہر مصیبت نما واقعہ اُن کے درجات کی ترقی کا سبب بنتا ہے۔ نعمت تو بہر حال نعمت ہوتی ہے۔ مصیبت بھی ان کے لئے نعمت اور راحت رساں ہوتی ہے۔ ایمان میں جتنی قوت ہوگی اتنی ہی مصیبت میں لذت اور مراتب میں ترقی ہوگی۔ رہے مشرک اور گناہگار اُن میں ایمان نہیں ہوتا، اس لئے مصیبت میں اُن کو بے صبری اور طیش میں ناشکری ہوتی ہے۔

toobaafoundation.com

اُن کے لئے دُکھ بھی مصیبت اور سُکھ بھی مصیبت ۔ ہم نے جو احادیث اوپر نقل کی ہیں اُن میں سے آخری حدیث میں صبر کرنے والوں کے مراتب میں ترقی کو بیان فرمایا ہے ۔

میری نظر میں آیت کی توضیح اپنے عموم پر ہے ۔ کسب کے معنی ہیں کمائی ۔ اچھی یا بُری کمائی کرنے والا نیک ہو یا بد ، بالغ ہو یا نابالغ ، دانا یا دیوانہ ، مومن یا مشرک لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ میں کسب عمومی معنی پر ہے ۔ مراد یہ کہ آدمی کا کوئی عمل نتیجہ سے خالی نہیں رہتا عمل اور نتیجہ میں جو فطری تعلق ہے وہ بہرحال جاری ہے ۔ عمل اپنے عامل کو نہیں دیکھتا کہ عاقل ہے یا پاگل ، بالغ ہے یا بچہ ، نیک ہے یا بد ، دیوانہ اور بچہ میں بھی ، اگر کنویں میں گرے گا تو ڈوبے گا بلکہ جلد ڈوبے گا کیونکہ اُس میں نکلنے اور بچنے کی سمجھ نہیں ۔ زہر اور بچہ اور دیوانہ کو بھی ہلاک کرے گا دنیا میں جو مصیبت کسی پر آتی ہے وہ اس کے عمل کا نتیجہ ہوتی ہے ۔ رہی یہ بات کہ وہ عمل شرعاً گناہ ہے یا نہیں ، اُس عمل کو نہ کرنا لازم ہے یا کرنا مباح ہے یہ الگ بات ہے ۔ کسی بچہ یا دیوانہ کا خودکشی کرنا شرعاً قابلِ مواخذہ نہیں ، لیکن فطرت تو بہرحال اپنا کام کرے گی ۔ جو اپنے سینے میں کارگر چھرا مارے گا وہ مرے گا ۔ دیوانہ یا بچہ ، گنا ہگار یا نیکوکار جو شخص بھی ایسا کام کرے گا جو قانونِ فطرت کو پسند نہیں تو اس کا نتیجہ بُرا ہوگا دوسری زندگی میں وہ عمل جو اس دنیا میں نتیجہ کو دیکھ کر قبیح نظر آتا ہے سودمند ہو سکتا ہے ۔ شہید کو شہادت ملتی ہے اگرچہ اُس کے سینکڑوں زخم لگتے ہیں اور دکھ پہنچتا ہے ۔ اگر اپنے کو محفوظ رکھنے کی یقینی طاقت نہ ہو تو دشمن پر حملہ کرنا خلافِ فطرت ہے ، اس لئے شہید میدانِ جنگ میں مارا جاتا ہے ۔ اُس کے پاس محفوظ رہنے کی طاقت نہیں ہوتی ۔ قانونِ فطرت اپنا کام کرتا ہے ، لیکن شریعت اُس کے فعل کو قبیح نہیں کہتی اور اُس کے نتیجہ کو قابلِ رشک قرار دیتی ہے ۔

حاصلِ مطلب یہ نکلا کہ فطری طور پر آدمی پر جو مصیبت آتی ہے وہ اُس کے ہاتھوں کا لایا ہوا نتیجہ ہوتا ہے ، اُس کے عمل کا پھل ہوتا ہے ۔ یوں تو قدم قدم پر ہلاکت کے سامان انسان اپنے ہاتھوں سے غیر محسوس طور پر پیدا کرتا ہے ۔ مگر اللہ آدمی کی بہت حرکتوں کو مٹا دیتا ہے ۔ اُن کے نتائج برپا نہیں ہونے دیتا ۔ کوئی ایسی رکاوٹ غیبی طور پر پیدا کر دیتا ہے کہ عمل ناتمام رہے اور نتیجہ بدہٹ جائے ، لیکن جب عمل کی تکمیل ہو ہی جاتی ہے تو مصیبت آ ہی جاتی ہے ۔ هٰذَا مَا عِنْدِي وَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ إِنْ أَخْطَأْتُ ۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ ۔

وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۔ جب ہر مصیبت انسانی اعمال کا نتیجہ ٹھہری تو پھر مصیبت کے دور کرنے کے لئے انسانی تدبیر ہی سودمند ہوگی ۔ مقامِ ضرر سے بھاگنا یا کسی سے مدد مانگنا اور اُس پر بھروسہ رکھنا مصیبت دور کرنے کی تدبیریں ہیں ۔ پھر خدا کی کیا ضرورت رہی ۔ یہ ایک وہم ہے جو فقدانِ تدبر سے پیدا ہوتا ہے ۔ یہ صحیح ہے کہ کسبِ انسانی وقوعِ مصیبت کا سبب ہے ، لیکن مصیبت اور کسب دونوں پیدا کئے ہوئے خدا کے ہیں اُسی نے اس کا تعلق جوڑا اور سبب کو مسبب سے وابستہ کیا ۔ اب اس تعلق کو توڑنے والا اور نئی تخلیق کر کے مصیبت کو دور کرنے والا کون ہو سکتا ہے ۔ زمین کے کسی حصہ میں بھاگ کر آدمی چلا جائے ، کسی پیر ولی کو پکارے ، فرضی دیوتاؤں کے ناموں کی رٹ لگائے جب خدا نہ چاہے تو کون کارسازی کرے اور کسی کی مدد کام آئے ۔ اللہ ہی کوئی رکاوٹ اور مخالفت پیدا کر کے بداعمالی سے پیدا ہونے والی مصیبت کو دور کرے تو ہو سکتا ہے کیونکہ سب کچھ اُس کے ہاتھ میں ہے ۔

تنبیہ جبریہ عقیدہ رکھنے والے تو انسان کو مجبورِ محض اور بے ارادہ مشینی پُرزہ جانتے ہیں ۔ اُن کی نظر میں جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہی یہاں تک کہ کسی گناہ کا مجرم بھی حقیقت میں بندہ نہیں خدا ہے ۔ گویا جب خالقِ کُل خدا ہے تو کاسب بھی خدا ہی ہے ۔ قدریہ گروہ کہتا ہے کہ انسان کا عمل نتیجہ کا علت ہے ۔ گیہوں بو کر گیہوں حاصل کیا جاتا ہے اور جَو بو کر جَو اور بغیر بوئے کچھ حاصل نہیں ہوتا ، اسی لئے اس گروہ کے نزدیک انسان اپنے افعال کا پورا پورا قادر ہے ۔ خیر و شر کا مختار ہے ۔ اپنی بھلائی برائی خود پیدا کرتا ہے ۔ گویا اس گروہ کے نزدیک جب کاسب بندہ ہے تو اپنے اعمال کا خالق بھی خود ہی ہے ۔ قرآن مجید کی راہ ان دونوں سے الگ ہے ۔ پہلے والی اور مندرجہ بالا آیت دونوں مل کر ایک ہی نظریہ پیش کر رہی ہیں ۔ پہلی آیت سے انسان کا کاسب ہونا ثابت ہو رہا ہے ۔ ہر مصیبت انسانی عمل کا نتیجہ ہے ۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اپنے عمل اور کسب کا خالق بھی بندہ ہی ہے اور انسان کے عمل اور اس کے نتیجہ میں جو ربط ہے وہ ٹوٹ نہیں سکتا ۔

toobaafoundation.com

اللہ توڑنا چاہے تو توڑ سکتا ہے۔ بہت سے قدرتی نتائج کو غیبی رکاوٹ پیدا کر کے روک دیتا ہے اور مصیبت میں مبتلا کرنا چاہے تو روئے زمین پر کوئی دفع نہیں کر سکتا۔ نہ کوئی مدد کر سکتا ہے نہ کارسازی۔

مقصود بیان مَا بَثَّ فِيهِمَا سے ایک ایسے عظیم الشان مسئلہ کا انکشاف ہو رہا ہے جو ہزاروں قرنوں تک انسانی حدود علم سے باہر تھا۔ سب سے پہلے اسی آیت نے دنیا کے دانشمندوں کو واقف بنایا کہ آسمانوں میں بھی زمین کی طرح مخلوق پھیلی ہوئی ہے۔

وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ سے انسان کی بداعمالی کو مصیبت آور ہونا اور وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ سے رحمت آمیز قدرت کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔ گویا اس بات پر تنبیہ ہے کہ انسان خودکشی کرتا ہے اور خدا اکثر اس کی تباہی انگیز ہلاکت آفریں حرکات کو نتیجۂ بد سے معطل کر دیتا ہے یعنی اعمال اور نتائج کا باہم علاقہ مؤثر حقیقی نہیں۔ اکثر خدا نتیجہ کو مٹا دیتا ہے۔

وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ الخ سے اللہ کی محیط کل طاقت اور اللہ کے علاوہ ہر چیز کی بے بسی ظاہر ہو رہی ہے وغیرہ۔

وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝ إِن يَشَأْ يُسْكِنِ الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَىٰ

اور منجملہ اس کی نشانیوں کے جہاز ہیں سمندر میں (ایسے اونچے) جیسے پہاڑ اگر وہ چاہے ہوا کو ٹھہرا دے تو وہ (جہاز) سمندر کی سطح پر کھڑے کے کھڑے

ظَهْرِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝ أَوْ يُوبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوا وَيَعْفُ عَن

رہ جاویں بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر صابر شاکر (یعنی مومن) کے لئے یا ان جہازوں کو ان کے اعمال بد (کفر وغیرہ) کے سبب تباہ کر دے اور (انہیں) بہت آدمیوں

كَثِيرٍ ۝ وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا مَا لَهُم مِّن مَّحِيصٍ ۝

سے درگزر کر جاوے اور (اس تباہی کے وقت) ان لوگوں کو جو کہ ہماری آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں معلوم ہو جاوے کہ (اب) ان کے لئے کہیں بچاؤ نہیں۔

تفسیر پانی کی سطح پر کشتیاں اور جہاز چلتے ہیں۔ اسٹیمر ہوں یا نموں۔ سوال یہ ہے کہ ہزاروں ٹن لوہا پتھر اور قسم قسم کے بوجھ لے کر یہ کشتیاں پانی پر کیوں رواں دواں ہو جاتی ہیں۔ یہ مانا کہ ان کی خاص شکل ہے۔ ہوا کا دباؤ اور گہراؤ ہے جو ان کو نہیں ڈوبنے دیتا، لیکن لوہے اور خالص پتھر غرض پانی میں ڈوبنے والی چیزوں کی کوئی خاص شکل بنائی جائے۔ ان کا تو خفیف اور حقیر حصہ بھی تہ نشین ہو جاتا ہے، لیکن لکڑی اور دوسری نا ڈوبنے والی چیزوں سے بنی ہوئی ناؤ پانی کی سطح پر ہی تیرتی ہے۔ ہوا کا دباؤ اور گہراؤ تو ہر جگہ ایک ہی طرح کا ہے۔ پھر تفاوت کیوں اچھا ہوا ہی کشتی کو بچاتی ہے، لیکن یہ طبعی کیفیت ہوا میں کس نے پیدا کی۔ پھر ہوا کا رخ کون موڑتا ہے اور اس میں حرکت کیسے پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہوا رک جائے تو کشتی کھڑی کی کھڑی رہ جائے۔ اگر ہوا میں حرکت تیز ہو کر طوفان آ جائے تو کشتی کو کون ناخدا بچائے۔ یہ خدا ہی تو ہے کہ غیر معمولی پوشیدہ اسباب کو بر سر عمل بنا کر ہوا کو اعتدال کے ساتھ حرکت دیتا ہے وہ ہلاک کرنا چاہے تو کون حفاظت کر سکتا ہے۔

تحلیل اجزاء وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ۔ قرآن کے استدلال کا خاص طرز ہے۔ پیش نظر چیزوں کو ذکر کر کے دعوتِ ذہنی دیتا ہے۔ عوام کو ان کی سمجھ کے موافق اور علماء کو ان کے لائق وہ چیزیں جو عمومی نظر سے غائب ہوں، عام طور پر استدلال میں ان کا ذکر نہیں۔ ہاں محسوس اور متبذل چیزوں کو پیش کر کے نتیجہ خالص عقلی نکالتا ہے، ماوراء حس مسائل کو ثابت کرنے کے لئے اس سے زیادہ اور آسان مفید طرز ہو بھی نہیں سکتا۔ سمندروں میں بڑے بڑے جہاز پہاڑوں کی طرح عام طور پر ساحلی باشندوں کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں اور پانی میں گھومتے دوڑتے ہر شخص ان کو دیکھتا یا دیکھ سکتا ہے، لیکن ان میں خدا کی قدرت حکمت حکومت بہت کم لوگوں کو نظر آتی

toobaafoundation.com

ہے، علماء طبعیات بھی پانی، ہوا اور اشیاء ثقلیہ کی طبعی کیفیتوں کو بیان کرتے اور انہی فطری حالات کو جہاز رانی اور روانی کی علت قرار دیتے ہیں۔ اس سے اوپر ان کی نگاہ بھی نہیں پہنچتی، لیکن قرآن ہر روشن دانش سے اپیل کرتا ہے کہ اس سے بھی اونچی نظر اٹھاؤ۔ اسباب بجائے خود اسباب ہیں۔ اول اُن کی سببیت کا مطالعہ کرو اور نتیجہ کا ربط دیکھو پھر یہ سمجھو کہ سبب بجائے خود کوئی مختار کل نہیں۔ کارساز نہیں بلکہ مؤثر، موجد اور قادر مطلق کا محتاج ہے۔ ہر سبب اول سبب کا نتیجہ ہے اور پچھلے سبب کی علت۔ یہ علت و معلول کا سلسلہ اللہ کی انتہا قدرت ذرہ گیر حکومت، دقیق حکمت اور بے نیاز الوہیت کا پتہ دے رہا ہے۔

جواری جاریۃ کی جمع ہے کشتی کو کہتے ہیں۔ چونکہ پہاڑوں سے تشبیہ دی ہے، اس لئے کشتیاں نہیں جہاز مراد ہیں۔ علم پہاڑ کو کہتے ہیں خلیل نے کہا ہر بلند چیز کو علم کہتے ہیں۔ مجاہد نے فرمایا یہاں قصر یعنی بلند محل مراد ہے۔ اگرچہ نزول آیت کے وقت جہازوں کی ہیئت قصر نما نہیں ہوتی تھی لیکن اب تو ہوتی ہے۔ اور اللہ کو معلوم تھا کہ اونچے محلات کی شکل کے جہاز بنائے جائیں گے، اس لئے ایجاد سے پہلے ہی اُس نے جہاز کو قصر نما فرما دیا۔

اِنْ یَّشَاْ یُسْكِنِ الرِّیْحَ فَیَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ اللہ اگر جہاز کو روک دینا اور رواں کر دینا چاہے تو ہوا کی حرکت بند کر دے۔ جب ہوا نہ چلے تو جہاز کسی قسم کے ہوں دخانی یا اگبوٹ کوئی بھی نہیں چل سکے گا۔ سمندر میں کھڑا کا کھڑا رہ جائے گا۔ ابن عباس نے رواکد کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا، اگر اللہ ہوا کو روک دے تو جہاز سمندر کی لہروں کے تلاطم سے کھڑا ڈگمگاتا رہے اور آگے نہ بڑھ سکے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ۔ صبر اور شکر ایمان کی دو ہی نشانیاں ہیں۔ دکھ میں صبر اور سکھ میں شکر مومن ہی کرتا ہے جس کی نظر میں خدا نہیں ہوتا یا اس کی خدائی نہیں ہوتی وہ ہر مصیبت سے بے چین اور مایوس ہو جاتا ہے یا عیش زندگی پر اتراتا اور بر خود غلط بن جاتا ہے۔ جہازی مسافر کا جہاز چلا ہوا موافق رہی ساحل پر پہنچ گیا۔ اللہ کا شکر واجب ہو گیا۔ ہوا ناموافق رہی یا جہاز کے مناسب حرکت نہ کر سکی، جہاز سمندر میں رُک گیا۔ لہروں کے ٹکرانے کا خوف جہاز کے چکرانے کا خطرہ ہلاکت کا اندیشہ، لیکن بیقراری کیوں مایوسی کی کیا وجہ۔ خدا کارساز مسبب الاسباب ہے اُس سے عاجزانہ التجا کرنی لازم ہے۔ مومن کا یہی شیوہ ہے۔ اُس کو رنج و راحت دونوں میں خدا نظر آتا ہے۔

اَوْ یُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَ یَعْفُ عَنْ كَثِیْرٍ۔ اگر خدا چاہے تو ہوا کو روک دے اور سمندر میں کھڑے جہاز ڈگمگانے لگیں یا کسی دوسرے طریقہ سے ان کو ہلاک کر دے۔ چٹان سے ٹکرا جائیں مچھلی ٹکر مار دے، گرداب میں پھنس جائیں، طوفان میں گھر جائیں اور مسافر ہلاک ہو جائیں۔ مگر اللہ بڑی درگذر فرماتا ہے۔ انسان کی بداعمالی تو اس قابل تھی کہ بھرے ہوئے جہاز غرق کر دیئے جاتے، مگر اللہ درگذر فرماتا ہے۔

وَّ یَعْلَمَ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ۔ منکر قدرت جھگڑالو کو بھی ایسے وقت میں یقین آجاتا ہے کہ اب چھٹکارا ناممکن ہے۔ یعنی جب جہاز تباہی میں آجاتا ہے تو نشانہائے قدرت میں جھگڑا کرنے والے سب طبعیاتی مادیاتی بحثیں بھول جاتے ہیں اور وہ جان لیتے ہیں کہ اب بچاؤ ممکن نہیں، نافع اور ابن عامر کی قرأت میں وَیَعْلَمُ رفع کے ساتھ ہے۔ اسی قرأت پر آیت کا یہ مطلب ہوگا۔ عام قرأتوں میں یَعْلَمَ زبر کے ساتھ ہے اس وقت مطلب ہوگا کہ آیاتِ الٰہیہ میں جھگڑا کرنے والے جان لیں کہ ان کے لئے بھی چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں۔ (جو حالت تباہی میں گھرے ہوئے جہازیوں کی ہوتی ہے وہی ان کی ہوگی)

مقصود بیان

محسوس نشان قدرت سے غیر محسوس نتیجہ کا استنباط۔ اس بات کی طرف ایما کہ اسباب کی اثر انگیزی اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ کوئی سبب تاثیر میں مستقل نہیں۔ یہاں سے رد ہوتا ہے مادیت پرستوں اور اعتزال پسندوں کے اس قول کا (کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ) خدا نے تمام اسباب کو پیدا کیا اور ان کے حلقوں کو باہم جوڑ کر ایک زنجیر بنا دی تو اس کے بعد خدا کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ زنجیر کی ہر کڑی کی حرکت دوسری کڑی میں حرکت پیدا کر دے گی کسی کے چاہنے نہ چاہنے کو اس میں دخل نہیں۔ اس کائنات کی زنجیر گردش یوں ہی جاری ہے نہ منقطع ہونے والی۔

صَبَّار اور شَكُوْر کے لفظ سے مومن کامل کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ صبر و شکر مومن ہی کی خصوصیت ہے جو حوادثات زمانہ اور اتفاقات

toobaafoundation.com

کو مؤثر جانتا ہو وہ مصیبت پر نہ صبر کر سکتا ہے نہ راحت میں شکر وغیرہ۔

فَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

سو جو کچھ تم کو دیا دلایا گیا ہے وہ محض (چند روزہ) دنیوی زندگی کے برتنے کیلئے ہے اور (اجر ثواب آخرت میں) جو اللہ کے یہاں ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے

وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۚ ۝ وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓىِٕرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا

اور زیادہ پائیدار وہ اُن لوگوں کیلئے جو ایمان لے آئے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں اور جو کہ کبیرہ گناہوں سے اور (ان میں) بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں اور

هُمْ یَغْفِرُوْنَ ۚ ۝ وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ ۠

جب انکو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں اور جن لوگوں نے کہ اپنے رب کا حکم مانا اور وہ نماز کے پابند ہیں اور اُن کا ہر کام (جس میں بالتعیین نص نہ ہو) آپس کے

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۚ ۝ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ۝ وَجَزٰٓؤُا

مشورہ سے ہوتا ہے۔ اور ہم نے جو کچھ اُن کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ جو ایسے ہیں کہ جب اُن پر ظلم واقع ہوتا ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں اور بُرائی

سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۝

کا بدلہ بُرائی ہے ویسی ہی پھر (بعد اجازت انتقام کے) جو شخص معاف کرے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ ؕ ۝ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ

نہیں کرتا اور جو اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم

یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَیَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وَ

کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی (او تکبر) کرتے ہیں ایسوں کے لئے دردناک عذاب (مقرر) ہے اور

لَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ع ۝ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ ع ۴ ۵

جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے یہ البتہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اُس کے بعد

وَّلِیٍّ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَی الظّٰلِمِیْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ یَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰی مَرَدٍّ مِّنْ

اس شخص کا (دنیا میں بھی) کوئی چارہ ساز نہیں اور آپ (ان) ظالموں کو دیکھیں گے جس وقت کہ ان کو عذاب کا معائنہ ہوگا کہتے ہوں گے کیا (دنیا میں) واپس

سَبِیْلٍ ۚ ۝ وَتَرٰىهُمْ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا خٰشِعِیْنَ مِنَ الذُّلِّ یَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ

جانے کی کوئی صورت ہے اور (نیز) اُن کو اس حالت میں دیکھیں گے کہ وہ دوزخ کے رُو برو لائے جاویں گے مارے ذلت کے جھکے ہوئے ہونگے سُست نگاہ سے

toobaafoundation.com

خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ

دیکھتے ہوں گے اور (اس وقت) ایمان والے کہیں گے کہ پورے خسارے والے وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے (آج) قیامت کے روز

الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۝ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ

خسارے میں پڑے یاد رکھو کہ ظالم (یعنی مشرک و کافر) لوگ عذابِ دائمی میں رہیں گے اور وہاں ان کے کوئی مددگار نہ ہوں گے جو خدا سے الگ (ہو کر)

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ۝ؕ

ان کی مدد کریں اور جس کو خدا گمراہ کردے اُس کی نجات) کے لئے کوئی رستہ ہی نہیں۔

تفسیر آدمی کی زندگی کا مقصود کیا ہے ۔ کیا اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہوگی ۔ کیا اس زندگی کی استواری اور ناہمواری آئندہ زندگی کے رنج و راحت کا سبب ہے ۔ جیسا یہاں بو یا جائے گا ویسا ہی وہاں کاٹا جائے گا ۔ جو کچھ ہے وہ یہی زندگی ہے ۔ تکلیف ہو یا راحت ، بیماری ہو یا تندرستی ۔ ناتوانی ہو یا توانائی ، ناداری ہو یا زرداری ، ذلت ہو یا عزت جو کچھ اس زندگی میں حاصل ہو بس یہی ہے آگے کچھ نہیں ۔ یہاں کا دُکھی دکھی ہے اور سکھی سکھی ہے ۔ گویا حاصل زندگی یہی زندگی ہے ۔ یہ دونوں فکریئے اس عمرانِ بشری کے ہیں ۔ ہر گروہ ایک نظریئے کا قائل ہے ۔ اور اپنے عقیدہ کے موافق زندگی گذار رہا ہے ۔ دنیا کا پجاری آخرت کا منکر ہے اور حاصلِ زیست کو سمجھتا ہے ، اس لئے مخفی اخلاقی سماجی قوانین اور سیاسی و مدنی ضوابط کا عمل اس کی نظر میں بے حقیقت حماقت ہے ۔ جائز ناجائز حرام حلال کی بحث بے سود بلکہ تنا کن قید ہے ۔ انسان نام ہے صرف پیٹ کا پیٹ میں روٹی بدن پر بوٹی برق رفتار موٹر اونچی کوٹھی رقص و سرود کی محفلیں عیش و نشاط کے جلسے کپڑوں کی کشش چہرے کی شہابی چمک پریوں کا جھرمٹ اور غلاموں کا جھمگٹ مقصودِ حیات ہے اور بس جس کے پاس یہ نہیں وہ بدنصیب ہے ۔ پھٹکاری ہے ، ذلیل ہے ، خوار ہے ، زمین کی گردن کا بار ہے ، قابلِ شمشیر و دار ہے ، لیکن اوّل الذکر عقیدہ کا قائل اس دنیا اور اس کی تمام لذت آفرینیوں کو متاعِ حقیر جانتا ہے ۔ زوال پذیر فانی ناقابلِ بھروسہ ۔ اس کے لئے اس میں کوئی کشش نہیں ۔ آخرت کی زندگی حقیقی زندگی ہے لافانی زندگی اور اس زندگی کے دکھ سکھ کا سبب اس زندگی کی کارگذاری ہے ۔ یہ کھیتی ہے وہ حاصل ۔ یہ تخم پاشی ہے وہ ثمریابی ، جب اس معترفِ آخرت کی نظر میں آئندہ زندگی کی تعمیر یا تخریب اسی دنیوی زندگی میں ہوتی ہے تو وہ ایسے ضوابط و اعمال کو اختیار کرتا ہے جو اگلی زندگی میں اس کے لئے سود مند ہوں اور ایسے افکار و اطوار سے بچتا ہے جو آگے اُس کو تباہ کرنے والے ہوں ۔ سب سے پہلے اس کا بھروسہ خدا ہی پر ہوتا ہے ۔ وہ خدا کو طاقتورِ عالم اور رحیم سمجھتا ہے کمزور غافل اور سنگ دل نہیں کرتا ، اس لئے اس کو در در پیشانی رگڑنے اور سوال کا ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ وہ ان بے ہودگیوں کو شرک کہتا اور خلافِ ایمان قرار دیتا ہے ۔ اس کا خدا عاجز نہیں دوسر سب عاجز ہیں ، غافل اور بے خبر نہیں ۔ دوسرے سب بے خبر اور ناواقف ہیں ظالم اور بے رحم نہیں ۔ دوسرا کوئی بھی خود غرضی سے خالی نہیں اس بات کو دیکھ کر اور سمجھ کر وہ اللہ تعالیٰ ہی سے پوچھتا ہے کیا کروں اور کیا نہ کروں ۔ خدا جو حکم دیتا ہے وہ ویسا ہی کرتا ہے ۔ خدا سے پوچھ کر وہ زندگی کے میل کچیل کو صاف کرتا ہے ۔ قوتِ شہوانیہ کی بندگی فحش پرستی اور اخلاق کو بگاڑنے والی عیش پسندی نفسِ انسانی کو زنگ آلود کر دیتی ہے ۔ غصہ میں آپے سے باہر ہو جانا گالی کے عوض قتل کر دینا دشمن کے خاندان کو تخس نخس کر ڈالنا ۔ اُس کے مکانوں باغوں اور کھیتوں کو جلا کر خاکستر کر دینا نفس کو دغیلا کر دیتا ہے ، اس لئے قوتِ شہوانیہ کی کج روی ہو یا غضبیہ کی بے اعتدالی وہ دونوں کی کدورت رگڑ رگڑ کر نفس سے دور کر دیتا ہے پھر نفس کو روشن بنانے اور چمکانے کے لئے خدا کے زیرِ حکومت رہ کر ربانی ہدایت کو سامنے رکھ کر اخلاقِ فاضلہ اختیا

toobaafoundation.com

کرتا ہے۔ کسی سے کوئی قصور ہو جائے اور اُسے غصہ آجائے تو وہ معاف کر دیتا ہے۔ کسی پر زیادتی کرنا تو بجائے خود رہا وہ برائی کا بدلہ بقدر برائی لینے کو جائز سمجھتے ہوئے بھی معاف کر دینے کو ظالم کے ظلم کا مصلح اور ناحق کوش کو حق کوش بنانے کے لئے اکسیر سمجھتا ہے، اس لئے اگر اُس کی معافی سے مجرم میں غرور اور جرم کی مزید جرأت اور انسانی بستی کی بربادی پیدا نہ ہوتی ہو تو وہ معاف ہی کر دیتا ہے۔ سماج اور مدنیت کے حقوق کا لحاظ رکھتے ہوئے وہ جماعتی معاملات میں کبھی اپنی رائی کی انفرادیت کو قابلِ اعتبار نہیں جانتا چونکہ اپنی رائے کو آخری رائے سمجھنے سے دوسروں کے آراء کی توہین اور پندار نفس کی تولید ہوتی ہے، اس لئے وہ جمہوری جماعتی اور سماجی معاملات میں دوسروں سے مشورہ ضرور کرتا ہے اور انفرادی اطلاق سے آگے بڑھ کر جب انسانوں کے باہمی معاشرہ کا سوال آتا ہے تو وہ فقط اپنے ہی جواب کو کافی سمجھتا ہے بلکہ دوسروں سے بھی پوچھتا ہے اور آپس میں جو رائے قرار پکڑ جائے اُس پر عمل کرتا ہے۔ ان تمام اخلاقیات اور سماجیات کی پابندی کے ساتھ دو چیزوں سے وہ کبھی چشم پوشی نہیں برتتا۔ اول تو اپنے خالق رازق رحمٰن رحیم خدا کے سامنے پابندیٔ وقت کے ساتھ شرائط الٰہیہ کا لحاظ رکھتے ہوئے دست بستہ کھڑا ہوتا جھکتا، دوزانو بیٹھتا اور سر بسجود ہوتا ہے اور نماز کی یہ حاضری اُس کی انفرادی نہیں اجتماعی ہوتی ہے۔ دکھاوٹ کی نہیں دل سے ہوتی ہے، خود ساختہ نہیں قانونِ الٰہی کے تحت ہوتی ہے اور نماز کے وقت وہ دنیا اور مافیہا یہاں تک کہ اپنے نفس سے غافل ہو جاتا ہے۔ اُس وقت اس کو سوا خدا کے کچھ نظر نہیں آتا۔ رگ رگ سے خشوع اور رونگٹے رونگٹے سے خضوع ٹپکتا ہے۔ غرض وہ اقامت صلوٰۃ کرتا ہے۔ دوسرے جماعت انسانی کی اجتماعیت کے سنگِ بنیاد کو بھی جانتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ غریبوں یتیموں بے کسوں بیواؤں اور حاجتمندوں کی مالی مدد نہ کرنی تباہی کی پیامبر ہے۔ اس کنجوسی سے ملک کے ملک تباہ ہو جاتے ہیں، اس لئے اپنی زندگی کے ضروری سامان سے فارغ ہو کر وہ کل مال دوسرے اہلِ حاجت کی حاجت روائی میں صرف کرتا ہے۔ اس طرح دنیا کے انسانوں میں وہ مساوات اور امن پھیلاتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر کوئی اس قانونِ عدل سے بغاوت کرے اور جمعیت انسانیہ کو برباد کرنے کے درپے ہو جائے تو اس کی سرکوبی سے یہ دریغ نہیں کرتا۔ جہاں تک ممکن ہوتا ہے ایسے باغی کا مقابلہ کرتا ہے اور اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ جماعتی امن اور عدل کو قائم رکھنے کے لئے ظالم کی کج روی کو دور کرتا اور حق کا بول بالا رکھتا ہے یہ ہے مومن اور وہ ہے کافر، دونوں کے درمیان فرق صرف بھروسہ کا ہے۔ کسی کو خدا کا بھروسہ ہے کسی کو خودی یا ساری خدائی کا۔

تحلیل اجزاء

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کافر کا مطمح زندگی صرف دنیا ہوتی ہے۔ اسی مال منال اور عیش و عشرت کا اس کو بھروسہ ہوتا ہے۔ اسی پر اس کو غرور اور تکبر ہوتا ہے۔ اس کی تردید میں فرمایا کہ تم لوگوں کو اس دنیا میں جو حقیر چیزیں دی گئی ہیں وہ اسی قریب الزوال زندگی کا سامان ہے یعنی ناقابلِ اعتماد فناپذیر بے مقدار ہے۔ اس پر بھروسہ رکھنا اور چند روزہ زندگی پر ریجھنا حماقت ہے۔

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اور آخری زندگی کا سر و سامان جو تم کو نہیں دیا گیا ہے اور اللہ نے اپنے پاس ہی رکھا ہے وہ مقدار کیفیت اور مرتبہ کے لحاظ سے بہتر بھی ہے اور ناقابل زوال بھی۔ اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا کی بھی ہر چیز ہے، لیکن دنیا کی نعمتیں انسانوں کو یہاں دے دی گئی ہیں۔ اور آخرت ابھی نہیں آئی۔ اُس کی کوئی نعمت اس دنیا میں کسی کو نہیں دی گئی فقط اللہ تعالیٰ کے پاس ہی چھپی ہوئی ہے، اسی لئے اس کو ما عند اللہ فرمایا، لیکن کیا آخرت کی نعمتیں بھی دولتمند کافروں کو ہی ملیں گی یا مومن اور غیر مومن دونوں ان میں شریک ہوں گے یا صرف اہلِ ایمان کے لئے وہ مخصوص ہیں۔ اور اہلِ ایمان میں سے بھی کن لوگوں کو دینے کا قطعی وعدہ کیا گیا ہے۔ کیا گناہگار نافرمان اہلِ ایمان کو عنایت کرنے کا بھی وعدہ ہے یا اُن کے متعلق کوئی یقینی وعدہ نہیں۔ اللہ چاہے تو دے، نہ چاہے نہ دے۔ اس کی تفصیل کے لئے فرمایا۔

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔ یہاں سے لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ تک اُن خصائل حسنہ اور صفات فاضلہ کا بیان فرمایا ہے جو مسلمان کا طرۂ امتیاز ہیں۔ ہم تفصیلی تشریح تو اجزاء آیات کے ذیل میں کریں گے، لیکن مجمل طور پر خلاصہ یہ ہے کہ کافر کا بھروسہ دنیا کے مال متاع اور عزت و حکومت پر ہوتا ہے جس میں سے ہر چیز زوال پذیر ہے، لیکن مسلمان ایمان صحیح کے ساتھ صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتا ہے۔ تمام اسباب دنیاوی

toobaafoundation.com

اُس کے ہاتھوں میں اور نظر کے سامنے ہوتے ہیں۔ لیکن اُس کو بھروسہ ایک کا بھی نہیں ہوتا۔ نہ کسی بادشاہ اور امیر کبیر کے خزانوں کا وہ لالچ کرتا ہے نہ کسی کی قہار طاقت سے ڈرتا ہے نہ عیش و راحت پر اتراتا ہے نہ مصائب و شدائد سے بے صبر ہو کر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہو جاتا ہے وہ اپنی زندگی کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دیتا ہے۔ سوا مرضیٔ مولا کے کوئی چیز اُس کی نظر میں نہیں جچتی اور اس کی توجہ کو اپنی طرف نہیں کھینچتی۔ اُس کی لگام خدا کے ہاتھ میں ہوتی ہے جیسا حکم ملتا ہے ویسا ہی کرتا ہے۔ درستی نظر اور فکر صحیح کے بعد وہ حسب الحکم بڑے بڑے گناہوں سے بچتا ہے جو ہیں یہ کچھ گناہ قوت شہوانیہ کی غلط روی سے تعلق رکھتے ہیں اور کچھ قوتِ غضبیہ کی بے اعتدالی سے نہ فحش پرستی کرتا ہے نہ غصہ میں آپے سے باہر ہو جاتا ہے اگرچہ ذاتی انتقام کی اُس کو اجازت ہے اور برائی کے بدلہ میں برائی کر سکتا ہے، لیکن وہ بہت عالی حوصلہ اور وسیع الظرف ہوتا ہے اس کے پیش نظر اپنے نفس کا انتقام نہیں ہوتا بلکہ دشمنوں کی اصلاح ہوتی ہے، اس لئے وہ دشمنوں اور مخالفوں کی ایذا پر صبر کرتا اور باوجود قدرت انتقام کے درگزر کرتا ہے۔

اُس کے پیشِ نظر اہلِ ایمان کی تنظیم بھی ہوتی ہے۔ وہ دوسرے مسلمانوں سے ہٹ کر سب سے الگ اپنی راہ نہیں بنانا چاہتا نہ اپنی ذات کو دوسروں سے برتر جانتا ہے نہ کسی کو ذلیل اور حقیر سمجھتا ہے۔ اپنی اس وسعتِ اخلاق کا مظاہرہ سب سے پہلے نماز میں کرتا ہے۔ سب کے ساتھ سب کے برابر کھڑے ہو کر انہی قیود و شرائط کے ساتھ جو ایک غریب نادار مسلمان کی نماز کے لئے ضروری قرار دی گئی ہیں نماز پڑھتا ہے نہ اُس کو کسی فقیر کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہونے سے عار آتی ہے نہ اپنی ذات کو اس سے فوق سمجھتا ہے۔ ایک نماز ایک ہیئت ایک امام ایک قبلہ صف بہ صف شانہ بہ شانہ قدم بہ قدم ایک حالت ایک کیفیت بارگاہِ الٰہی میں دست بستہ سر و قد قیام دو زانو قعود خمیدہ کمر رکوع اور مسکنت و عجز کی زمین پر سر بسجود۔ دوسرے درجہ پر اپنی انانیت اور غرور کو فنا کر دینے کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ سیاسی سماجی معاشرتی ملکی کوئی معاملہ ہو امن قائم کرنا ہو یا امن پھیلانا جس کام کا تعلق اجتماعی فلاح اہلِ ایمان سے ہو وہ اہل الرائے سے مشورہ لیتا ہے۔ اپنی ذات کو سب سے اونچا اور اپنی بات کو سب سے بالا نہیں جانتا۔ اپنی رائے کی کمزوری کا اس کو اعتراف ہوتا ہے علو نسب شرف حسب عمومی عزت ہمہ گیر شہرت کثرت و دولت ضیاء فکر اور نور فطانت پر اُس کو گھمنڈ نہیں ہوتا۔ اس لئے دوسروں سے مشورہ کرنا وہ ضروری خیال کرتا ہے تیسرے درجہ پر وہ مسلمانوں کی خیرخواہی اور اللہ پر توکل کا اعلان اس طرح کرتا ہے کہ اُس کے پاس جو خداداد مال ہوتا ہے وہ اسکو خداداد جانتا ہے اور سمجھتا ہے یہ چیز فانی ہے اللہ نے مجھے دی ہے میرا فرض ہے کہ دوسرے مسلمانوں کی اس سے مدد کروں، اس لئے وہ اپنی اور اپنے بچوں کی اور اپنے متعلقین کی ضرورت پوری کرنے کے بعد حسب ہدایتِ الٰہی دوسرے مسلمانوں کی ضرورتوں میں اس کو خرچ کرتا ہے۔ کچھ خود کھاتا ہے کچھ دوسروں کو کھلاتا ہے۔ اس طرح مسلمانوں کی ریڑھ کی ہڈی کو مضبوط کرتا ہے۔ اپنے اخلاق فاضلہ اور خصائل حمیدہ سے اور اپنے مال سے پھر مسلمانوں کے شیرازہ کو پراگندہ کرنے تنظیم کو بگاڑنے یا شخصی و اجتماعی ضرر پہنچانے کے لئے اگر کوئی دشمن حملہ کرتا ہے، مسلمانوں پر زیادتی کرتا اور عدالتِ اسلامیہ کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو وہی مسلمان جو ذاتی انتقام سے ہمیشہ دست بردار رہا مسلمانوں کی اس انفرادی اور اجتماعی بربادی کو برداشت نہیں کر سکتا اور انتقام کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اس کی دینی غیرت خاموش بیٹھا رہنے کی اجازت نہیں دیتی۔ یہ ہے مسلمان اور اُس کی زندگی۔ ایسے مسلمان ہی کے لئے وہ نعمتیں دینے کا وعدہ فرمایا ہے جو دنیا میں کہیں موجود نہیں اور پورا ذخیرہ آخرت میں ہے۔ رہے نافرمان مسلمان ان کے متعلق اللہ نے یہ نعمتیں دینے کا وعدہ نہیں فرمایا۔ وہ چاہے دے وہ چاہے نہ دے پھر بھی لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ آخرت کی نعمتیں جن لوگوں کے لئے مخصوص ہیں اُن کی صفات یہ ہیں :-

۱۔ ایمان صحیح ۲۔ اللہ ہی پر بھروسہ یعنی تمام جائز تدابیر کو حسب ہدایت قرآنی استعمال کرنے کے بعد کسی کو مؤثر اور کارساز نہ سمجھنا نہ مال و متاع اور عزت و شہرت اور حکومت پر اعتماد کلی رکھنا نہ کسی زبردست طاقت سے ڈرنا۔

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ... ۳۔ عموماً بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز رکھنا یعنی جن چیزوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اُن کو اختیار نہ کرنا اور جن چیزوں کو لازمہ بتایا ہے اُن کو کرنا۔ یہ فقرہ تمام منہیات اور مامورات کو شامل ہے۔

toobaafoundation.com

وَالْفَوَاحِشَ ۔ اور خصوصاً فواحش سے بچنا ۔ فحاشی میں زنا بھی داخل ہے اور لواطت بھی اور ان کے تمام دواعی اور نظر بالشہوت بھی رقص نامحرم ، لباس عریاں ، سرود نسوانی اور غناء فاسقانہ کو بھی یہ لفظ شامل ہے ۔

وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ۔ اور کسی کے قصور پر غصہ آجائے تو انتقام نہ لینا اور باوجود قدرت کے معاف کر دینا ۔ اس سے مراد ذاتی معاملات میں درگذر کر دینا ہے ۔ حضور اقدس نے اپنے نفس کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیا ۔ لیکن حرماتِ الٰہیہ کی خلاف ورزی دیکھ کر حضور والا غضبناک ہو جاتے تھے ۔ (صحیح)

جب حضور والا عمرہ کرنے کے ارادہ سے صحابہ کو لے کر مکہ شریف کے ارادہ سے اور مکہ والوں نے بستی کے اندر داخل نہ ہونے دیا تو حضور مقام حدیبیہ میں فروکش ہو گئے کافروں نے ایک سازش کی ۔ اسی آدمیوں کی ایک جماعت کوہ تنعیم میں چھپ گئی اور شبخون مارنے کا ارادہ کیا ۔ کچھ مسلمان بھی تنعیم پر گئے ہوئے تھے ان کو معلوم ہو گیا اور ایک ایک کو گرفتار کر کے خدمت گرامی میں پیش کیا ، حضور نے سب کو معاف فرما دیا ۔ ایسے ہی ایک مرتبہ کہیں جہاد کو تشریف لے گئے ۔ راستہ میں دوپہر کے وقت پڑاؤ کیا ۔ ایک ایک دو دو آدمی مختلف درختوں کے سایہ میں جا کر لیٹ رہے ۔ حضور بھی ایک درخت کے نیچے استراحت فرما ہو گئے ۔ آنکھ لگی تھی کہ ایک کافر نے آکر درخت سے لٹکی تلوار پر قبضہ کیا اور قتل کے درپے ہو گیا ۔ چشم مبارک کھل گئی ۔ کافر سر پر برہنہ تلوار لئے کھڑا تھا ۔ بولا محمد اب تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا ، فرمایا اللہ ۔ کافر پر اس لفظ کو سن کر لرزہ طاری ہو گیا ۔ تلوار ہاتھ سے گر گئی ۔ حضور نے اٹھا لی اور فرمایا اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا ۔ وہ خوشامد کرنے لگا ۔ حضور نے معاف فرما دیا ۔

لبید بن اعصم یہودی نے حضور پر سحر کیا تھا ۔ حضور کو معلوم ہو گیا لیکن معاف فرما دیا ۔ مرحب یہودی کی بہن نے کھانے میں زہر ملا کر حضور کو کھلایا حضور کو بقوتِ نبوت معلوم ہو گیا ملزمہ نے اقرار بھی کر لیا ، مگر سرکار نے معاف فرما دیا البتہ بشر بن براء چونکہ اس زہریلے کھانے سے شہید ہو گئے تھے اُن کے انتقام میں یہودیہ کو قتل کیا گیا ۔

ایک شخص نے حضور والا کی خدمت میں صدیق اکبر کی موجودگی میں حضرت ابوبکر کو برا کہنا شروع کیا ۔ حضور سن کر مسکراتے رہے جب اس کی بدگوئی حد سے بڑھ گئی تو حضرت ابوبکر نے بھی کوئی جواب دیا یہ سنتے ہی حضور غضبناک ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے ۔ صدیق اکبر کو بھی اس کا احساس ہوا فوراً قریب پہنچ کر عرض کیا یا رسول اللہ جب تک وہ شخص برا کہتا رہا حضور سماعت فرماتے رہے ۔ جب میں نے اس کی بات لوٹائی تو حضور کو غصہ آگیا ۔ اور اٹھ کھڑے ہوئے فرمایا (وہاں) میں دیکھ رہا تھا کہ تمہارے ساتھ ایک فرشتہ تھا جو تمہاری طرف سے اس کی بات اسی پر لوٹا دیتا تھا ، لیکن جب تم نے اُس کی بات لوٹائی تو ایک شیطان وہاں آگیا اور شیطان کے پاس بیٹھنا مجھے پسند نہ تھا (میں اُٹھ کھڑا ہوا) ابوبکر تین باتیں ہیں اور تینوں سچی ہیں ۔ ایک یہ کہ اگر کسی پر کچھ ظلم ہو جائے اور وہ اللہ کیلئے اُس تلخی کو برداشت کر لے تو اللہ تعالیٰ اُس کے عوض اس کی عزت اور نصرت بڑھاتا ہے ۔ دوسرے یہ کہ جو شخص اپنے قرابت داروں اور دینی بھائیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا دروازہ کھولتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اُسے زیادہ دیتا ہے ۔ تیسرے یہ کہ جو شخص مال جمع کرنے کی نیت سے بھیک مانگنے کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی نحوست سے اُس کی تنگی بڑھا دیتا ہے ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

ابراہیم نخعی (تابعی) نے فرمایا صحابہ کا یہ طریقہ تھا کہ ذلیل ہونے کو بُرا سمجھتے تھے اور قابو پا لیتے تھے تو معاف فرما دیتے تھے ۔ علماء نے صراحت کی ہے کہ قصور معاف کر دینے کا حکم اُس وقت ہے جب مجرم اور ظالم کی جُرأت اور جرم کرنے کی ہمت میں اضافہ نہ ہو ۔ اپنے کئے پر پشیمان ہو اور معافی پا کر اُس کے اندر غرور نہ بڑھ جائے یعنی تکبر نہ کرنے لگے ۔ اگر معافی کا نتیجہ اس کے خلاف برآمد ہونے کا خطرہ ہو تو آیت میں ایسے عفو کو قابلِ مدح نہیں قرار دیا نہ اس قسم کی معافی سے آیت کے مفہوم کا کچھ تعلق ہے ۔

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ ۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو ماننا یعنی کسی پیشوا لیڈر ، پیر ولی شیطان باپ دادا رسم و رواج سناہی حکم اپنی رائے اور خواہش غرض کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں) اور ہر ایک کے حکم پر اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دینا ۔

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۔ اقامت الصلوٰۃ کی تشریح ہم بہت جگہ کر چکے ہیں ۔ نماز باجماعت میں فراموش شدہ رشتۂ عبدیت کو جوڑنا غرور نفس کی

toobaafoundation.com

سرکوبی مسلمانوں کی خصوصی تنظیم، امیر کی اطاعت، مساوات کا مظاہرہ اور بکثرت دوسرے فوائد ہیں جن کی تفصیل کی یہ جگہ نہیں۔ یہ بھی مسلمان کا ہی شیوہ ہے۔
وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ۔ تنظیم کو قائم رکھنے، برخود غلطی میں مبتلا نہ ہونے، اپنی رائے کو صحیح اور دوسروں کی رائے کو غلط نہ سمجھنے کے لئے تمام سماجی سیاسی معاشرتی امور میں اہل بصیرت کا مشورہ طلب کرنا اور طے شدہ رائے پر عمل کرنا۔ ضحاک سے مروی ہے کہ جب اہل مدینہ کو اطلاع ملی کہ قریش میں ایک نبی نے ظہور کیا ہے تو سرداران قوم ابوایوب انصاری کے مکان میں جمع ہوئے اور مشورہ کے بعد طے کیا کہ ہر پیغمبر مبعوث پر ایمان لانا اور ان کی امداد کرنا چاہیئے۔ آیت میں اسی مشورہ کی طرف ایماء ہے۔ ہم اس واقعہ کو ذرا تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں۔ مدینہ میں دو قومیں آباد تھیں۔ ایک یہودی دوسرے بنو قیلہ جو یمن سے ہجرت کر کے آئے تھے اور مدینہ میں آباد ہو گئے۔ یہودی پڑھے لکھے تھے، مگر کمزور۔ بنو قیلہ یعنی اوس اور خزرج کے خاندانوں والے طاقتور تھے۔ دونوں باہم مخالف تھے۔ یہودی بنو قیلہ سے کہا کرتے تھے کہ پیغمبر آخر الزمان کی بعثت کا زمانہ قریب ہے۔ ہم ان کے ظل عاطفت میں رہ کر تم کو تباہ کر دیں گے۔ بنو قیلہ کو یہ باتیں سن کر تعجب ہوتا تھا۔ کچھ ہی زمانے کے بعد اہل مدینہ کو بعثت مبارک کی اطلاع ملی۔ یہودیوں نے قریش کی معرفت حضورؐ سے تین باتیں دریافت کرائیں جب اُن کو ایسا جواب ملا کہ بغیر وحی کے ملنا ممکن نہ تھا تو ان کو حضورؐ کی نبوت کا یقین ہو گیا۔ اور ایک وفد خدمت گرامی میں بھیجا۔ لیکن قریش کی روک ٹوک کے سبب یہ وفد بارگاہ نبوت تک نہ پہنچ سکا۔ ادھر حضورؐ کی ناداری کمزوری اور قریش کی قوت و مخالفت کا علم ہوا تو چونکہ سرمایہ دار مصلحت بین اور موقع شناس تھے، اس لئے یقین تردد سے بدل گیا۔ اسی دوران میں بنو قیلہ کے دونوں خاندان اوس اور خزرج باہم لڑ پڑے کچھ یہودی ایک طرف کچھ دوسری طرف ہو گئے۔ خونریز جنگ ہوئی۔ آخر ہوش آیا عقلمندوں نے پنچایت کر کے آپس میں صلح کرا دی۔ تجویز کی گئی کہ دونوں خاندانوں کا ایک ہی سردار ہونا چاہیئے۔ تفریق سیادت سے قوم میں پھوٹ پڑتی ہے۔ سب نے متفق الرائے ہو کر عبد اللہ بن ابی بن سلول کو بادشاہ بنانا چاہا۔ ساری قوم کمزور ہو چکی تھی اور ضعیف العقیدہ بھی تھی۔ خیال کیا کہ اوّل مکہ کو جا کر منات دیوی کو راضی کرنا چاہیئے وہ ناراض ہو گئی ہے۔ اسی وجہ سے یہ تباہی آئی ہے۔ دوسرے قریش سے بھی یہ معاہدہ کر لینا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری اس کمزوری سے عرب کا کوئی قبیلہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے اور چڑھائی کر دے۔ قریش جب ہمارے حلیف ہو جائیں گے تو پھر کسی کو بھی یہ ہمت نہیں پڑے گی کہ ہم پر حملہ کر سکے۔ یہ سوچ کر دونوں گروہوں نے اپنے اپنے نقیب اور نمائندے مکہ کو بھیجے۔ حج کا موسم تھا۔ ان نمائندوں نے میدان حج میں حضور والاؐ کو تقریر کرتے دیکھا اور کلام مبارک سُنا گرویدہ ہو گئے۔ جس غرض سے مکہ آئے تھے وہ تو بھول گئے۔ رات کی تاریکی میں پہاڑ کی گھاٹی کے اندر حضور والاؐ سے تنہا ملاقات کی باتیں سُنیں اور کہیں اور واپس آ کر اپنے اپنے خاندانوں والوں سے پوری سرگذشت بیان کی۔ دوسرے سال سب نے متفق الرائے ہو کر ابوایوب کے مکان میں جمع ہو کر مشورہ کیا اور مشورہ کے بعد کچھ نمائندے منتخب کر کے خدمت گرامی میں بھیجے۔ اسی مشورہ کی طرف ضحاک کے قول میں اشارہ ہے۔ اس تقدیر پر اس آیت کا نزول بنو قیلہ کے حق میں قرار پائے گا، لیکن سیاق آیات اس کے خلاف ہے۔ آیات میں مومن کی صفات بیان کی ہیں جن میں ایمان اقامت صلوٰۃ وغیرہ کا بھی تذکرہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مشورہ کرنے والوں نے وقت مشورہ تک ایمان قبول نہیں کیا تھا۔ چند آدمیوں کے ایمان کو اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی عموماً بنو قیلہ اُس وقت تک حلقہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے آیت کو اگر عام مومنوں کے لئے متعلق قرار دیا جائے تو زیادہ صحیح ہے اور شان نزول کو اگر صحیح مان بھی لیا جائے تب بھی مراد عمومی ہے۔ ہر مومن باعمل حکم آیت میں داخل ہے۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ غریبوں اور ضرورت مندوں کی دستگیری نہ کرنے سے آخر میں پوری قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ طبقات کا اختلاف ہو کر آپس میں پھوٹ پیدا ہوتی ہے اور شیرازۂ اجتماعیت میں پراگندگی آ جاتی ہے، اس لئے مومن بقدر امکان دوسروں کی مالی مدد کرتا ہے۔ آیت میں مِن تبعیضیہ ہے اس سے کچھ اہل علم نے یہ سمجھ لیا کہ مال کا کچھ حصہ غریبوں کی مدد میں صرف کیا جائے کچھ خود صرف میں لایا جائے باقی کو پیش آنے والی ضروریات کیلئے پس انداز کر لیا جائے، مگر تبعیض کا یہ مفہوم آیت میں مراد نہیں ہے۔ آیت مکّی ہے اور مکّی زندگی مسلمانوں کے لئے بہت سخت تھی۔ کمائی کے دروازے تقریباً بند تھے۔ قوم کی طرف سے ہر طرح کی ترک موالات ہو چکی تھی۔ مدت تک تو مسلمان کے ہاتھ کوئی کھانے پینے اور برتنے کی چیز بھی فروخت نہ کرتا تھا، عموماً کمزور طبقہ ہی مسلمان ہوا تھا۔ چند مالدار تھے، اس لئے سب کا قرار پایا تھا کہ اپنی اور اپنے متعلقین کی ضرورت سے جو

toobaafoundation.com

مال بچے وہ سب کا سب مسلمانوں کی امداد میں خرچ کیا جائے۔ جمع کرنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ مدینہ کی ابتدائی زندگی میں بھی یہی حکم تھا، جب مسلمان پوری طرح آزاد ہو گیا اور کمائی کے دروازے اس کے لیے کھل گئے تو مقررہ زکوٰۃ کا حکم ہوا، لیکن اسلامی ضرورت اور مسلمانوں کی حاجت کو مقدم سمجھا گیا۔ مقررہ زکوٰۃ تو بہرحال لازم تھی۔ اس سے زائد وقت ضرورت وقت امداد لازم رہی، اس لئے جمع کرنے کی اجازت تو بہرحال ہر وقت میں نہیں ہوئی۔ مسلمان کی زندگی اور عزت کی حفاظت کے بعد جو مال بچے اُس کو جمع کرنا جائز ہو سکتا ہے، اس لئے بعض مفسروں نے آیت سے صرف زکوٰۃ مراد لی ہے۔ یا مِنْ کے لفظ سے ہر وقت جمع کرنے کی اجازت کا استفادہ کیا ہے وہ غلطی پر ہیں۔ رَزَقْنٰا کا لفظ تو صاف بتا رہا ہے کہ دینے والا خدا ہے۔ کسی کی اپنی کوشش تحصیلِ مال کا موجب نہیں، اس لئے مالی محبت کو حکمِ خداوندی پر ترجیح دینی خلاف دانش ہے اور دے کر احسان رکھنا بھی نظریۂ ایمان کے خلاف ہے۔

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ۔ اگر کوئی زیادتی کرے تو اس سے انتقام لینا۔ اہلِ تفسیر نے اس آیت میں لفظ بغی کو عام معنی پر محمول کیا ہے یعنی کوئی مسلمان کسی مسلمان پر زیادتی کرے یا غیر مسلم مسلم پر ظلم کرے دونوں کا انتقام لینا جائز ہے۔ میرے نزدیک یہ مطلب غیر اولیٰ اور سیاق و سباق کے خلاف ہے۔ کیونکہ زیادتی کا انتقام اگرچہ جائز ہے، لیکن قابل ستائش نہیں، عفو اولیٰ ہے۔ گزشتہ آیت میں یَغْفِرُوْنَ اور آئندہ آیت میں فَمَنْ عَفَا کے الفاظ ترغیب عفو دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ آئندہ آیت میں انتقام کا جواز مذکور ہے پھر اس جگہ ذکر کا کوئی فائدہ نہیں، اس لئے اگر اس جگہ بغی سے بغاوت مراد لی جائے تو افضل ہے یعنی جب کسی طرف سے بغاوت ہو رہی ہو خواہ غیر مسلم مسلمانوں کی حکومت پر جارحانہ حملہ کر دیں یا کوئی مسلمان اسلامی جمعیت کو تباہ کرنے اور جماعت میں پھوٹ ڈالنے کیلئے ہتھیار اٹھائے تو ایسے وقت میں ہر مومن کا فرض ہو جاتا ہے کہ اسلام کی مدد کرے جتنی کوشش ممکن ہو کرے اور مسلمانوں کی تنظیم و وحدت کو بگڑنے نہ دے۔ یہ فعل ضرور قابلِ مدح ہے اور واجب العمل ہے۔

وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۴۰ برائی کا بدلہ بقدر برائی لینا جائز ہو یہ عام ضابطہ ہے۔ ہر مسلمان اُتنا بدلہ لینے کا حق رکھتا ہے جتنی اُس پر زیادتی ہوئی، لیکن معاف کر دینا بہتر ہے۔ معاف کر دینے کا ثواب اللہ کے ذمہ ہو جاتا ہے، لیکن عفو کر دینے کی ایک شرط ہے وہ ہے اصلاح۔ بہت آدمی شریف النفس اور راسخ الاسلام ہوتے ہیں۔ نادانی اور اغوا کے زیر اثر ان سے بے ساختہ کسی مسلمان پر زیادتی ہو جاتی ہے، ہو جانے کے بعد ان کو خود پشیمانی ہوتی ہے اور وہ معافی کے طالب ہوتے ہیں۔ اور آئندہ کے لئے عہد کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو معاف کر دینے سے ان کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ بعض بعض لوگوں سے بلا ارادہ کسی مسلمان پر زیادتی ہو جاتی ہے جب وہ دماغ کی یکسوئی کے ساتھ سوچتے ہیں تو ان کو اپنے قصور پر ندامت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ قابلِ معافی ہیں۔ ان کو معاف کر دینا اسلامی شیرازہ کو منتشر نہیں ہونے دیتا۔ مسلم معاشرہ اور تنظیم جماعت میں رخنہ نہیں پڑتا۔ سلیم الطبع انسان عفو قصور کے بعد مددگار دوست بن جاتا ہے۔ اس طرح مسلم سماج بگاڑ سے بچ جاتا ہے۔ جماعتی تنظیم کو سنوارنے بنانے اور تباہی سے بچانے کا اجر اللہ تعالیٰ دینے والا ہے دنیا میں بھی وہ اس کا اجر عزت مودت حکومت اقتدار اور شوکت وسطوت کی شکل میں دیتا ہے اور آخرت میں بھی وہی اس کا ثواب عطا فرمائے گا۔ انسان اگر اپنا انتقام اپنے ہاتھوں میں لے لے تو بھڑکتے جذبے کی تسکین کے سوا کچھ نہیں ملتا اور معاف کر دے تو اس کا عظیم الشان اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو جاتا ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ انتقامِ ذاتی کا اثر صرف انتقام لینے والے کی ذات تک محدود رہتا ہے اور درگزر عفو پوری اسلامی جماعت کی تنظیم پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ پوری جماعت کی شیرازہ بندی جس شخص کے فعل سے ہوگی اس کا کامل ثواب سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کون دے سکتا ہے۔

لیکن یاد رکھو کہ ابتدائی ظلم ہو کہ ظلم کے انتقام میں اصل قصور سے بڑھ کر بدلہ دونوں صورتیں ظلم کی ہیں۔ بیشک بدی کا انتقام لیا جا سکتا ہے اور بدی کا عوض بدی ہو سکتی ہے، لیکن جرم سے زیادہ بدلہ بھی ظلم ہے اور ظلم خدا کو پسند نہیں۔

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ۔ قانونِ عدل کا سوسائٹی میں اجرا ضروری ہے اور عدل نام ہے اس بات کا

toobaafoundation.com

کہ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے اور حق بھی نہ کرے۔ نہ عزت کا نقصان نہ مال کا۔ نہ جسمانی دکھ نہ جان کا ضرر۔ اگر کوئی ایسا کر گزرے اور کسی شخص کو کسی کے قول و عمل سے کوئی ذاتی ضرر نہ پہنچ جائے تو انتقام بقدر ظلم کے ضابطہ کے زیر اثر وہ بدلہ لے سکتا ہے اور اگر مظلوم اپنا بدلہ بقدر ظلم لے لے تو اس کو ملزم قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس سے انسانی معاشرہ تباہ نہیں ہوتا اس کو تخریب نہیں کہا جا سکتا۔ یہ فساد اور بغی فی الارض نہیں نہ یہ ظلم ہے۔

اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَى الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ۔ الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے اور حق تلفیاں کرتے اور معاشرہ کو تباہ کرتے اور ناحق ملک میں زیادتیاں کرتے ہیں سبیل کا معنی ہے راستہ یعنی جرم الزام یا سزا کا راستہ۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ انہی کے لئے عذاب ہے۔ دنیا میں بھی قید بند ہاتھ کٹنے رسوائی اور ذلت اٹھانے اور سوسائٹی میں بدنام ہو جانے کا اور آخرت میں دوزخ کا۔ مراد یہ کہ انتقام بقدر ظلم لینے والے عذاب کے مستحق نہیں۔ استحقاق عذاب ظالموں کے ساتھ مخصوص ہے

وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ انتقام بقدر ظلم اگرچہ اپنے دکھ کے مقابلے میں جائز ہے اور یہ فعل قابل مذمت بھی نہیں ہے نہ اس سے معاشرہ تباہ ہوتا ہے مگر یہ چوٹی کے اخلاق کے خلاف ہے۔ عالی ہمتی اور بلندی حوصلہ تو یہ ہے کہ جو دکھ اذیت نقصان مایہ اور ضرر پہنچ گیا اس پر صبر کیا جائے۔ قوت غضبیہ کو قابو میں رکھا جائے۔ ذاتی انتقام کی طلب ہی نہ کی جائے اور (اگر ظالم کو معافی مغرور اور مزید سرکش نہ بنا دے تو) اس کو معاف کر دیا جائے۔

مقصود بیان

فَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ سے بطور رسالت ساری دنیا اور متاع دنیا کے حقیر اور زود بزوال ہونے پر تنبیہ اور آیت مَا عِنْدَ اللّٰهِ میں آخرت کے عیش و تنعم (خواہ وہ عیش کتنا ہی قلیل ہو) کے تمام دنیوی نعمتوں سے اعلیٰ اور ناقابل زوال ہونے کی صراحت ہے اور دونوں جملوں کا مجموعہ بالاشارہ تعلیم دے رہا ہے کہ متاع دنیا اور اقتدار مادی سے وابستگی نہ رکھی جائے۔ اور انہی کو اولین مقصد حیات نہ بنایا جائے بلکہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی میں پیش آنے والی راحتوں مسرتوں اور نعمتوں کو ہی غایت زندگی قرار دیا جائے، لیکن یہ اخروی عزت راحت اور نعمت صرف ایمان والوں کا حصہ ہے۔ ایمانداروں کے ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ ان میں مندرجہ آیات اوصاف ہوں۔

۱۔ عقل میں روشنی اور حقیقت رسی کی خصوصیت ہو۔ ان کی نظر اور فکر سطحی نہ ہو۔ یعنی دنیا کی طاقت عزت حکومت نعمت راحت اور صحت پر ان کا فکری بھروسہ نہ ہو۔ ناپائیدار چیزوں کو وہ ناپائیدار ہی سمجھتے ہوں ثبات بقاء اور کارسازی کا اعتماد ان کو کسی چیز پر نہ ہو ان کی نہ رس دانش کو اللہ کی محیط کل قدرت مشیت اور ربوبیت تمام کائنات کی حاکم مطلق نظر آتی ہو، اس لئے ان کا حقیقی توکل اللہ ہی کی ذات پر ہو۔ ۲۔ ان کی شہوانی قوت اور نفسانی طاقت ان کے کنٹرول میں ہو اسی لئے وہ فواحش اور دوسرے بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب رکھتے ہوں۔

۳۔ ان کی قوت غضبیہ بھی عقل کی تابع ہو۔ اگر غصہ آ جائے تو معاشرہ کی تباہی کا باعث نہ ہو۔ ذاتی انتقام کو چھوڑ کر وہ اپنے اوپر زیادتی کرنے والوں کے جرم کو معاف کر دیتے ہوں اور ان تمام امور کے ساتھ وہ اللہ کے فرماں بردار، اطاعت گزار اور اہل حاجت کے ہر وقت مددگار ہوں۔ نماز پابندی وقت و شرائط کے ساتھ باقاعدہ ادا کرتے ہوں۔ مقررہ فرض زکوٰۃ ادا کرتے ہوں اور اگر مسلمانوں کو ضرورت پڑ جائے تو صدقہ نافلہ دینے اور غیر واجب مالی امداد کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے ہوں۔ آیت هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ سے انتقام بقدر جرم کا جواز مستفاد ہو رہا ہے مگر عفی و اصلح کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ عفو اور انتقام سے بہتر ہے بشرطیکہ جذبہ اصلاح کارفرما ہو اور عفو سے ظالم کو مزید ظلم کا حوصلہ نہ پیدا ہو جائے وغیرہ

تحلیل اجزاء

وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِیٍّ قوت فکریہ کو روشن کرنا اور افکار صحیحہ پیدا کرنا شہوانی اور غضبی طاقتوں کو عقل فطری اور ہدایت خلقی کے تابع بنا دینا اللہ کا کام ہے اس میں کسی محسوس یا محسوس اور غیر محسوس مخلوق کو دخل نہیں۔ اگر اللہ فکر صحیح نہ پیدا کرے اور دانش و روحانیت کو مادی طاقتوں کا حکمران نہ بنا دے تو پھر کوئی ہستی بھی انسان کو راہ راست نہیں دکھا سکتی۔ دانش اور حق کی راہ گم ہو جاتی ہے وہ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کارسازوں کو تلاش کرتے اور ہر ایک سے ہدایت و اعانت کی آس لگاتے ہیں مگر بے سود۔ کوئی ان کا مددگار

toobaafoundation.com

اور کارساز نہیں ہوتا۔ نتیجہ میں زندگی بھر راہِ صداقت سے محروم رہتے ہیں اور یونہی اس دارالامتحان اور عالمِ عمل سے درگذر کر جاتے ہیں۔ جب قیامتِ کبریٰ کا دن ہوگا اور دوبارہ زندگی ملے گی اور اوّل زندگی کی غلط روی کا نتیجہ بد نظروں کے سامنے آئے گا اور محسوس طور پر جان لیں گے کہ دنیا میں ہم غلط راستے پر تھے تو پشیمان ہوں گے اور دارالجزاء سے دارالعمل کی طرف دوبارہ لوٹ کر جانے کی تمنا کریں گے، مگر ماضی کا حال بننا ناممکن ہے۔ خود کا نتیجہ ہے ہنگامِ عمل کی طرف لوٹنا محال ہوگا ان کی دکھ بھری حالت کو دیکھ کر اہلِ ایمان کہیں گے دنیوی زندگی تو گذر گئی۔ دکھ سکھ اور رنج و راحت جو کچھ تھا ختم ہو گیا زندگی کا سرمایہ جیسی بھی پار میں گذرنا تھا گذر گیا۔ اب تو زندگی کے تمام کھاتوں کے حساب کا دن ہے۔ گھٹا بڑھا جمع منہائی جو کچھ کتابِ زندگی میں درج ہے وہ سامنے آنے کا وقت ہے۔ زندگی کس کے ہاتھ بیچی لمحاتِ زندگی کے عوض کیا حاصل کیا۔ اس وقت سب تفصیل سامنے آئے گی۔ دنیا میں تکلیف سے زندگی گذری یا آرام سے اس کا اعتبار نہیں۔ اصل گھاٹے میں ان کی زندگی ہے جن کو آج گھاٹا اٹھانا ہے جنہوں نے اپنے کو بھی نقصان پہنچایا اور اپنے متعلقین کو خسران مآل بنایا۔ ایسے ظالم جنہوں نے اپنی زندگیوں کو غلط داؤں پر لگایا تھا اور اوقاتِ زندگی کا بیجا استعمال کیا تھا۔ سدا قائم رہنے والے دکھ میں رہیں گے۔ ہمیشہ سزا بھگتتے رہیں گے۔ دنیا میں جن ہستیوں پر ان کا بھروسہ تھا اور جن کو وہ اپنا مددگار سمجھتے تھے۔ کوئی بھی ان میں سے ان کو راہِ حق دکھانے والی نہ تھی۔ ہر ایک موجبِ گمراہی تھی۔ قیامت کے دن بھی ان کا کوئی حامی نہ ہوگا اور اللہ کے مقابلے میں نجات کا راستہ کوئی بھی نہ بتا سکے گا۔ راہِ سعادت و نجات انسان سے گم کر دے گا جس طرح راہِ صداقت کو دیکھنا اور اس پر چلنے سے اللہ تعالیٰ نے محروم کر رکھا تھا۔ اسی طرح جنت کی راہ سے محروم رکھے گا۔

تمام آسمانی کتابوں کے موافق قرآن کا بھی اعلان ہے کہ گمراہی اور ہدایت کو پیدا کرنا اور کسی کو گمراہ یا ہدایت یاب بنا دینا اللہ ہی کا کام ہے۔ گمراہ ہیں وہ فلسفی جو اپنی فکری قوتِ تخلیق پر مغرور ہو کر اللہ کی غیبی توفیق کا انکار کرتے اور اپنی دانش کو زندگی کی پُر پیچ پگڈنڈیوں کی راستی اور کجی کے فیصلہ کرنے اور شناخت کر لینے کا مختارِ کل سمجھتے ہیں اور نہایت ہی کوتاہ نظر ہیں۔ اسلام کے جہمیہ اور معتزلہ فرقوں والے جو فرسودہ بوسیدہ فلسفہ کی تقلید میں انسان کو اپنے افعال کا خالق قرار دے بیٹھے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ جب انسان کا خالق خدا ہے تو اس کے اچھے برے افعال کا خالق اور کون ہو سکتا ہے۔ اکابر معتزلہ نے آخر میں یہی سوچا کہ خیر و شر کا فیصلہ کرنا اور زندگی کے راست یا کج راستہ پر چلنا اگرچہ بظاہر انسان کا اختیاری فعل ہے، مگر افعالِ انسانی کا خالق بھی خدا ہی ہے کیونکہ انسان انسان کی اچھی بری قوتیں اسی کی مخلوق ہیں، مگر عام معتزلہ نے اپنی ہٹ نہیں چھوڑی۔ سچ ہے جس کو اللہ گمراہ کر دے اور گمراہ چھوڑ دے اس کی کون حمایت کرے اور کون راہِ حق بتائے۔

گزشتہ آیات میں اللہ نے قانونِ عدل بتایا تھا اور عدلِ حقیقی سے آگے بڑھ کر اپنے فطری حق سے دست برداری کو علوِ ہمت اور بلندی حوصلہ کا نتیجہ قرار دیا تھا۔ کوتاہ نظر قومیں اور فلسفہ کے علمبردار اس آفتاب جیسی تعلیم کی روشنی نہ دیکھ سکے۔ کوئی افراط میں پڑ گیا کوئی تفریط میں کسی نے عفو و تحمل کو اپنی کتابِ زندگی سے مٹا دیا اور کسی نے حصولِ اقتدار اور لذت کوشی کے سیلاب میں بہہ کر قانونِ تعادل و توازن کو ہی پارہ پارہ کر دیا اور نہیں سمجھے کہ ہر شخص نہ بلند حوصلہ ہے نہ ہو سکتا ہے، اس لئے عفو کا جبری قانون جاری نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح نہ ہر شخص عدل کوش ہے نہ اپنے حق پر قانع رہنے والا۔ معاشرہ میں بکثرت ایسے بدمعاش اور بدقماش بھی ہیں جو معاشرہ کے امن و سکون اور شانتی کو تباہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اگر انتقام اور بقدرِ جرم و سزا ضروری نہ قرار دی جائے تو انسانی سوسائٹی تباہ ہو جائے۔ پس ہدایتِ عمومی کا راستہ وہی ہے جو اللہ نے بیان کر دیا کہ جرم کی سزا بھی اپنے موقع پر ضروری ہے اور عفو و تحمل بھی بلندی حوصلہ کی نشانی ہے۔ اگر اتنی واضح حقیقت بھی سمجھ میں نہ آئے تو پھر کون ہے کہ ایسے فطری گمراہ کو راہِ حق دکھا سکے۔

وَتَرَى الظَّالِمِينَ سے مِن طَرْفٍ خَفِيٍّ تک۔ ایسے لوگ ظالم ہیں۔ زندگی کی ساری طاقتوں کا غلط استعمال کرنے والے نہ فکر صحیح نہ عمل درست اس زندگی میں وہ اپنے افکار کو روشن اور اعمال کو درست جانتے ہیں۔ غلط روی کا ان کو شعور نہیں ہے، لیکن قیامت کے دن یہی ناحق کوش زندگی کی طاقتوں کا غلط استعمال کرنے والے اور اوقاتِ حیات کو بیجا صرف کرنے والے جب آنکھوں سے اپنے افکار و کردار کی سزا دیکھ لیں گے اور عذاب کو دفع نہ کر سکیں گے تو پھر دنیا کی طرف واپس جانے اور از سرِ نو زندگی کی راہِ مستقیم پہ چلنے کی تمنا کریں گے۔ ان کی بے چینی، مایوسی اور اضطراب کی عجیب

toobaafoundation.com

حالت ہوگی آگ کے سامنے لائے جائیں گے تو نظر اٹھا کر دیکھنے کی تاب نہ ہوگی کن آنکھوں سے دیکھیں گے اور ذلت کے مارے منہ اوپر نہ کر سکیں گے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے عَذَابٍ مُّقِیْمٍ تک۔ عذاب کی یقینی تکلیف ذلتِ نفس اور مایوسی کی حالت کے ساتھ ان ناحق کوشوں کو ایک دکھ یہ ہوگا کہ جن مومنوں کو وہ بیوقوف ذلیل اور بدحال بدمآل سمجھے ہوئے بیٹھے وہی) مومن (بطور طعن یا بصورت شماتت) کہیں گے کہ حقیقت میں زندگی کے سودے میں گھاٹا پانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے خود بھی آج گھاٹا پایا۔ ساری زندگی کا سرمایہ برباد کیا اور اپنے گھر والوں کو بھی نقصان پہنچایا کہ وہ ان کی وجہ سے بدعقیدہ اور گمراہ ہوئے۔ سچ ہے کہ گھر کے سرپرست اور سردار کی گمراہی دوسروں کے لئے گمراہ کن بھی ہوتی ہے۔ وہ خود تو برباد ہوتا ہے اپنے متعلقین کو بھی برباد کرتا ہے۔ ایسے ظالم یعنی بداعمال مشرک ہمیشہ عذاب میں رہیں گے کبھی نجات نہیں پائیں گے۔

وَمَا کَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِیَآءَ سے مِنْ سَبِیْلٍ تک۔ دنیا میں راہِ حق بتانے والا سوا اللہ کے کوئی نہیں۔ آخرت میں بھی راہِ نجات وسعادت دکھانے والا اللہ کے سوا کوئی نہ ہوگا اور ظالموں کو دنیا میں اللہ نے جس طرح راہِ صداقت سے محروم رکھا تھا اسی طرح آخرت میں ان کو نجات اور جنت کے راستے سے محروم رکھے گا۔ اور جس طرح دنیا میں کوئی شخص اللہ کے مقابلہ میں ہدایت اور رہنمائی نہیں کر سکتا تھا۔ اسی طرح آخرت میں بھی اُن کا کوئی حمایتی اور مددگار و کارساز نہ ہوگا۔ تمام دوست احباب باطل معبود گمراہی کے پیشوا کوئی بھی کام نہ آئے گا۔

مقصود بیان

آیت وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ الخ دلالت کر رہی ہے کہ گمراہ کرنے والا حقیقت میں خدا ہے۔ پس غلط خیال ہے مسلمانوں کے ان فرقوں کا جو گمراہی کو انسان کی تخلیق کہتے ہیں۔ اس آیت سے بطور اشارہ یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ شیطان میں گمراہ کرنے کی حقیقی طاقت نہیں۔ انس ہو یا جن یا نفس امارہ سب گمراہی کے ذرائع اور پرزے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان پرزوں کو معطل کر دیا جائے۔ اور اللہ جس کو گمراہ کرنا نہ چاہے اس کو کوئی گمراہ نہ کر سکے۔ هَلْ اِلٰی مَرَدٍّ مِّنْ سَبِیْلٍ سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب کو دیکھ کر کافر دنیا میں واپس جانے کی تمنا کریں گے۔

قَالَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے معلوم ہو رہا ہے کہ قیامت کے دن اہلِ ایمان کافروں کی بُری حالت دیکھیں گے اور طعن یا شماتت کریں گے۔

اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الخ سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ حقیقی واقعی نامرادی آخرت کی نامرادی ہے یعنی دنیا کا گھاٹا ناقابلِ اعتبار ہے۔ ایک امر یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ گھر کا سرپرست یا کسی قوم کا سردار اگر خود بگڑتا اور گمراہ ہوتا ہے تو وہ سارے متعلقین کو برباد کر دیتا ہے یعنی اس کے نامۂ اعمال میں ساری قوم کی گمراہی لکھی جاتی ہے۔ عَذَابٍ مُّقِیْمٍ کے لفظ سے کافروں کے عذاب کا عدم انقطاع ثابت ہو رہا ہے۔ وَمَا کَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِیَآءَ سے معلوم ہو رہا ہے کہ کافروں کی کوئی حمایت نہیں کرے گا۔ مسلمان گناہگاروں کے لئے صالحین کی شفاعت کی نفی نہیں ہوتی وغیرہ۔

اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَکُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ
تم اپنے رب کا حکم مان لو قبل اس کے کہ ایسا دن آ پہنچے جس کے لئے خدا کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا نہ تم کو اس روز پناہ ملے گی اور

یَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَکُمْ مِّنْ نَّکِیْرٍ ۝ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَاۤ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ؕ اِنْ
نہ تمہارے بارے میں کوئی (خدا سے) روک ٹوک کرنے والا ہے پھر اگر یہ لوگ (پس کر بھی) اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگراں کرکے نہیں بھیجا (جس سے

عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ
آپ کو اپنی بازپرس کا احتمال ہو) آپ کے ذمہ تو صرف (حکم کا) پہنچا دینا ہے اور ہم جب (اس قسم کے) آدمی کو اپنی عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس پر خوش

toobaafoundation.com

سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ۝ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

ہو جاتا ہے اور اگر (ایسے) لوگوں پر ان کے ان اعمال کے بدلے میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں، کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے اللہ ہی کی سلطنت ہے

وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝

آسمانوں کی اور زمین کی وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے

اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝

یا اُن کو جمع کر دیتا ہے بیٹے اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہے بے اولاد رکھتا ہے بیشک وہ بڑا جاننے والا بڑی قدرت والا ہے۔

تفسیر آسمانی کتابوں اور دین انبیاء کا دعویٰ ہے اور اہلِ دانش نے اس کو تسلیم بھی کیا ہے اور عقلِ سلیم کی روشنی میں اس کو ثابت بھی کیا ہے کہ انسانی زندگی کو سدھارنے اور سنوارنے والے قوانین انسانی اختراع کے ممنون نہیں ہو سکتے۔ اللہ ہی زندگی کو گزارنے کے ضوابط بنانے اور جاری کرنے کا مالک مختار ہے کیونکہ وہ ہی ساری کائنات کا خالق اور حکمران ہے پس اسی کو حق ہے کہ انسان کے لئے شریعت بنائے اور سب کو اس پر چلنے کی دعوت دے۔ وہی پکار رہا ہے کہ لوگو قیامت آنی یقینی ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور اعمال کی جزا سزا بھی ضرور ملے گی کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا۔ اس لئے اللہ کی پکار کو سنو۔ اس کی دعوت پر چلو اور اس کے بھیجے ہوئے دستور کو زندگی کا دستور مان لو۔ اپنا یہ پیام پہنچانے کے لئے اللہ نے پیغمبروں کو بھیج دیا اور لوگوں تک اس پیام کو پہنچا دینا اُن کا فرض قرار دیا کسی کے ماننے نہ ماننے کا پیغمبر کو مکلف نہیں کیا اور صاف فرما دیا کہ تمہارا کام ہمارا پیام پہنچانا ہے تسلیم کرانے اور عامل بنانے کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے، لیکن عام طور پر انسان بڑا کوتاہ بین اور صرف محسوس پر یقین رکھنے والا واقع ہوا ہے وہ قوتِ فکریہ سے بہت کم کام لیتا ہے۔ فقط جذبات اور نفسانی عواطف کا بندہ ہے۔ اگر اللہ کی دی ہوئی کوئی نعمت (جو باطنی و ظاہری نعمتوں کے مقابلے میں ادنیٰ ترین ہوتی ہے) اُس کو مل جاتی ہے تو اترا جاتا ہے۔ اکڑ جاتا ہے۔ اپنی سعی کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ اپنی فکر اور کوشش کو حقیقی کارساز خیال کرنے لگتا ہے، لیکن اگر اسی کی بداعمالی اور ناشکری کی وجہ سے اللہ کی طرف سے اس پر کوئی حقیر ترین دکھ آجاتا ہے بیماری، نقصان مالی تجارت کی تباہی، اولاد کی موت یا اور کوئی ناگوار امر آپڑتا ہے تو خدا کی دی ہوئی ان کثیر نعمتوں کو بھی جو اس کو میسر ہوتی ہیں اور اس کے پاس باقی ہوتی ہیں بھول جاتا ہے اور گزشتہ زمانہ میں اللہ کی جس قدر اس پر نوازش ہو چکی تھی وہ سب کی ناشکری کرنے لگتا ہے۔ اور کہتا ہے مجھے تو کبھی آسائش ملی نہیں۔ مجھ سے زیادہ دکھی کوئی نہیں۔ ہائے میری کمائی ہوئی دولت لٹ گئی۔ میں نے بڑی عقلمندی اور محنت سے پونجی کمائی اور جمع کی تھی وہ سب تباہ ہو گئی۔ میں نے تکلیفیں اٹھا کر اولاد کو پالا تھا وہ خدا نے چھین لی اور مجھے برباد کر دیا اسی طرح کے دوسرے ناشکری اور کفر کے کلمات کہتا ہے۔ اس کور دانش بے بصیرت جانور کو معلوم نہیں کہ رب وہی ہے جو خالقِ کل ہے اس کو علم ہمہ گیر اور قدرت محیطِ کل ہے۔ اسی نے سارا جہان بنایا اور وہی کل سنسار کی حکومت چلاتا ہے۔ انسان کو بھی اسی نے پیدا کیا کسی کو صرف بیٹیاں دیں کسی کو بیٹے اور کسی کو بیٹے بیٹیاں دونوں طرح کی اولاد دی اور کسی کو لاولد بنا دیا۔ کون ہے جو بیٹا بیٹی پیدا کرتا اور بانجھ بناتا ہے، کون ہے جو سارے جہان کی حکومت چلاتا ہے۔ پس جو خالق مطلق اور حاکم کل ہے وہی رب ہے نعمت بھی وہی دیتا ہے اور نکبت بھی وہی بھیجتا ہے، مگر مصیبت خود بخود نہیں آتی۔ بلا وجہ وہ کسی کو دکھی نہیں بناتا۔ ہر انسان کے اپنے کرتوت کی یہ دنیوی پاداش ہوتی ہے۔ زہر میں تریاق کی خاصیت نہیں ہو سکتی۔ بداعمالی اچھا نتیجہ نہیں لا سکتی۔ پس ضروری ہے کہ نگاہ عبرت سے کام لیا جائے اور روز آخر آنے سے پہلے اس کی پکار کو سنا جائے اور اس کے احکام کی پابندی کی جائے۔

toobaafoundation.com

تحلیلِ اجزاء اِسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ مَا لَكُم مِّن مَّلْجَإٍ يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُم مِّن نَّكِيرٍ۔ آیات سابقہ میں فرمایا تھا کہ کافر دوامی عذاب میں رہیں گے اور اللہ کے عذاب سے ان کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔ نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ مددگار کہ اللہ کے مقابلہ پر عذاب سے نجات دے سکے یا دلا سکے۔ اب اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ جب قیامت کے دن عذاب سے نجات دینے والا سوا اللہ کے کوئی نہیں اور جب وہ دن آجائے گا تو تم اس کا انکار بھی نہ کر سکو گے، اس لئے اس دن کے آنے سے پہلے اللہ کے احکام کے پابند ہو جاؤ۔ اُس کی دعوت کو قبول کرو اور ہدایت پر عمل پیرا ہو۔

يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهُ سے موت کا دن مراد ہے یا قیامت کا دن۔ مؤخر الذکر معنی کا قرینہ یہ ہے کہ گزشتہ آیت میں روزِ قیامت ہی کا تذکرہ ہے، اس لئے سیاق اور سباق کا تقاضا ہے کہ روزِ قیامت ہی مراد لیا جائے، لیکن اول معنی کا قرینہ اس آیت کا آخری فقرہ یعنی مَا لَكُم مِّن نَّكِيرٍ ہے کیونکہ کافر اگرچہ قیامت کے دن قیامت کا انکار نہ کر سکیں گے مگر اس وقت تو انکار کرتے ہیں البتہ موت کا انکار کوئی نہیں کرتا۔ اور موت سے کسی کو پناہ نہیں۔ مؤخر الذکر معنی کو اہلِ تفسیر نے ترجیح دی ہے۔

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ۔ آیت بالا میں دعوتِ ایمان و عمل دی گئی تھی۔ اس آیت میں روئے خطاب رسول اللہ کی طرف کر کے فرمایا کہ تمہارا کام ہمارے احکام کی تبلیغ ہے۔ حکم پہنچا لینے کے بعد تمہارا فرض ختم ہو جاتا ہے۔ تم کسی کے ذمہ دار اور نگران نہیں ہو۔ اگر یہ مانتے ہیں مانیں نہیں مانتے ہیں نہ مانیں۔ مطلب یہ کہ ان کے نہ ماننے سے تمہارے اجر میں کمی نہیں آئے گی۔ نہ تم سے اس سے باز پرس ہوگی۔

وَإِنَّا إِذَا أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَإِنَّ الْإِنسَانَ كَفُورٌ۔ ان آیات میں انسان کی کوتاہ بینی اور بے بصیرتی کا اظہار کیا ہے کہ انسان کو اگر ہم اپنی (دنیوی) رحمتِ عمومی کا تھوڑا سا مزہ چکھا دیتے ہیں (یعنی حکومت یا قومی سیادت و عزت یا مال کی وسعت یا زیادہ اولاد کی کثرت یا جسمانی طاقت و صحت یا دوسرے اسباب راحت عطا فرما دیتے ہیں) تو وہ اترا جاتا ہے (یعنی اپنے کو دوسرے انسانوں سے بڑا سمجھنے لگتا ہے۔ اتنا بڑا کہ کبھی دوسرے انسانوں سے ہٹ کر اپنی شخصیت کو کسی بالائی مخلوق کی نسل سے ماننے لگتا ہے بلکہ کبھی اپنے کو اَن داتا، پروردگار اور ربِ اعلیٰ خیال کرنے لگتا ہے اور اپنی فطری لیاقتی کمزوری احتیاج اور بے مقداری کا احساس بھی نہیں کرتا اور سمجھنے لگتا ہے کہ یہ سب دولت طاقت حکومت عزت میری اپنی ہے یہ میرا حق ہے جو مجھ سے کبھی کوئی نہیں چھین سکتا۔ حالانکہ یہ اللہ کی دی ہوئی ادنیٰ نعمت ہوتی ہے جو نعمتیں اللہ کے غیبی خزانہ میں ہیں ان کے مقابلے میں اس نعمت کی کوئی حیثیت نہیں) اور جب بدکرداری کج فکری بے عقلی اور ناشکری کی وجہ سے اللہ اپنی کچھ نعمت چھین لیتا ہے اور کچھ دکھ پہنچ جاتا ہے (مثلاً تجارت میں گھاٹا، کھیتی اور پھلوں کی بربادی، عزت کی کمی، نوکری سے معزولی حکومت کا زوال و اقتدار کا خاتمہ ہو جاتا ہے) تو (موجودہ باقی نعمت کی) ناشکری کرنے لگتا ہے اور پچھلی نعمتوں کو بھول کر ناسپاس بن جاتا ہے۔ عام انسان (باستثناء بعض) بڑے ہی ناشکرے ہیں (شکرگزار بندے بہت ہی کم ہیں وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ)

لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ۔ یہ آیت سابقہ آیت کے مضمون کی تاکید و تائید ہے۔ پچھلی آیت میں بتایا تھا کہ انسان کا دکھ سکھ اور راحت و رنج کا تغیر منجانب اللہ ہوتا ہے یعنی انسان کے تمام احوال و کیفیات پر پورا اقتدار اللہ کا ہے اب فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں یعنی ساری کائنات کی حکومت کی لگام اللہ کے دستِ قدرت میں ہے۔ انسان بھی کائنات کا پرزہ ہے، اس لئے یہ بھی اللہ کے احاطۂ تصرف سے باہر نہیں ہو سکتا اور حکومت ہی کیا ملکیت سب خدا کی ہے بلکہ مُلک اور ملک ہی نہیں سب کا خالق بھی وہی ہے جس کو (اور جس طرح اور جب) چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو جو کچھ چاہتا ہے دیتا ہے وہی مالک و مختار ہے۔ کسی کو لڑکے کسی کو لڑکیاں اور کسی کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں قسم کی اولاد دیتا ہے اور کسی کو بانجھ بنا دیتا ہے۔ ساری عمر میں ایک بچہ بھی نہیں ملتا۔ پس کس قدر کور دانش ہے وہ انسان جو اولاد کی کثرت یا مال کی فراوانی یا عزت کی برتری یا

toobaafoundation.com

جیسے وسعت یا اقتدار کی سطوت پر غرور کرتا ہے اور کتنا بے بصیرت ہے وہ انسان جوان نعمتوں کو اپنی صلاحیتوں اور کوششوں کا نتیجہ سمجھ کر اللہ کو بھول جاتا ہے اور ان نعمتوں کے زوال پر ناشکری کرنے لگتا ہے ۔ نہ راحت میں شکر کرتا ہے نہ رنج پر صبر نہ مصلحت خداوندی پر غور وفکر ۔ حالانکہ یہ حقیقت ناقابلِ شک ہے کہ اللہ کا علم محیطِ کل ہے اور اس کا دائرۂ قدرت وقدرتکی سب کو گھیرے ہوئے ہے نہ اُس کے علم اور اندازہ سے کوئی چیز باہر ہے نہ قدرت وقبضہ سے پھر اس کی دعوتِ ایمانی پر لبیک نہ کہنا اور تکوینی وتخلیقی طور پر اس کے علم وقدرت کے احاطہ کے اندر رہتے ہوئے اپنی زندگی اور دستورِ زندگی کو آزاد قرار دینا سراسر ضلالت نہیں ہے تو اور کیا ہے ۔

مقصودِ بیان اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّكُمْ لفظ رب سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تم کو ہر طرح ترقی دے کر انسانیت کے درجہ کمال پر پہنچانا چاہتا ہے وہ جو حکم دیتا ہے اس میں شانِ ربوبیت جھلکتی ہے نہ اس کا مقصد بے وجہ تم کو مقید رکھنا ہے نہ بے نتیجہ اور مضر ضوابط زندگی پر کاربند بنانا ۔ اسی لفظ سے ایک ابھار اس طرف بھی ہے کہ اللہ کو تمہارے ضوابط زندگی بنانے کا حق بھی ہے کیونکہ وہ تمہارا رب ہے اور ربوبیت کا تقاضا ہے کہ رب کا علم وقدرت ہمہ گیر ہو اور رحمت وعطوفت عام ہو پس اللہ کی ربوبیت موجب ہے تمہارے لیے احکامِ تشریعیہ مقرر کرنے کی ۔ مفہوم مخالف کے طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ اللہ کے سوا کوئی اور تمہارا رب نہیں اس لیے کسی کو اپنے احکام تمہاری زندگی کے لئے جاری کرنے کا حق بھی نہیں ہے ۔ آیت فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ الخ نبوت کا فرض ظاہر کر رہی ہے ۔ اس سے بطور دلالت یہ بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ نبی اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتا ۔ اُس کی تعلیم وہدایت اُس کی دماغ کی زائیدہ نہیں ہوتی بلکہ وہ اللہ کی طرف سے پیام رساں ہوتا ہے اور مضمون تعلیم اللہ کا تجویز کردہ ہوتا ہے ۔ ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ نبی کسی کی کایا نہیں پلٹ سکتا ۔ راستہ بتانا اُس کا کام ہوتا ہے ۔ آیت اِذَآ اَذَقْنَا الخ سے انسان کی کور بصیرتی اور ناشکری کی تصویر کھینچی ہے جس کی غرض یہ ہے کہ انسان کو عیش میں غافل یا مغرور یا دُکھ میں بے صبر اور ناشکرا نہ بن جانا چاہیئے وغیرہ ۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا

اور کسی بشر کی (حالتِ موجودہ میں) یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کلام فرماوے مگر (تین طریق سے) یا تو الہام سے یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتے کو

فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ

بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے وہ بڑا عالیشان ہے بڑی حکمت والا بھی ہے اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس بھی وحی یعنی اپنا حکم

اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ

بھیجا ہے آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب (اللہ) کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کا انتہائی کمال کیا چیز ہے ولیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا جس کے

مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ

ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے راستہ کی ہدایت کر رہے ہیں یعنی اس خدا کے راستہ کی کہ

ع ۵ ۶ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝ ع

اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یاد رکھو سب امور اسی کی طرف رجوع ہوں گے

toobaafoundation.com

تفسیر:- کیا اللہ متکلم ہے کلام کرتا ہے بعض غیر مسلم فرقوں کی طرح مسلمانوں کا فرقۂ معتزلہ بھی کلام کو اللہ کی صفت نہیں مانتا۔ اور جس کلام کو تمام اُمتِ اسلامیہ اللہ کا کلام کہتی ہے فرقۂ معتزلہ اُس کو مخلوق اور حادث مانتا ہے۔ اگر کلام کرنا اللہ کی صفت ہے اور یہ صفت ازلی اور قدیم ہے تو کیا وہ کسی انسان سے بات کر سکتا ہے اور کسی کام کا حکم یا ممانعت صادر کر سکتا ہے بکثرت دماغ زدہ زنگ آلود ذہنوں والے مدعی حکمت اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں قدیم کا حادث سے واجب کا ممکن سے نور کا ظلمت سے تجرد کا مادیت سے کوئی تعلق نہیں۔ دونوں میں نفنا اور انتہائی دوری ہے۔ کوئی انسان اللہ سے کوئی حکم حاصل نہیں کر سکتا نہ اللہ کسی بندہ سے کلام کر سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا اور قرآن مجید کو اللہ کا کلام فرمایا تو مشرکوں کو بڑا تعجب ہوا۔ اُن کی نظر میں یہ بڑی عجیب بات تھی کہ اللہ تعالیٰ انسان سے ہم کلام ہو یا اُس پر اپنا کلام نازل فرمائے۔

قرآن کی صراحت ہے کہ اللہ کلام کرتا ہے اور صرف فرشتوں سے نہیں بلکہ انسان سے بھی کرتا ہے وہ بعض چیزوں کے کرنے کا حکم بھی انسان کو دیتا ہے۔ اور بعض امور سے باز داشت بھی کرتا ہے۔ اُس نے اپنی کتاب بھی انسان پر اتاری ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ بندہ حادث ہے۔ اور اللہ قدیم۔ لیکن بندہ سے اس کا کلام رو در رو اور بالمشافہ نہیں ہو سکتا۔ یہ تو اس کی شانِ الوہیت کے خلاف ہے۔ ہاں تین طریقوں سے وہ بندہ سے کلام کرتا ہے۔

(۱) یا تو اپنی ازلی صفت کلامیہ کا تعلق براہ راست انسان کے قلب سے کر دیتا ہے یعنی معانی ملفوظہ یا غیر ملفوظہ کو نقوش اور عکس کی طرح بندہ کے دل پر ثبت کر دیتا ہے۔ اس عکس پذیری میں بندہ کے ذہنی عمل اور فکری غور و خوض کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔

(۲) یا نورانی پردوں کی آڑ سے یا کثیف مادی اوٹ سے ایک بے کیف آواز نکلتی ہے اور دوسرے لوگ چاہے اس کو نہ سُن سکیں مگر صاحبِ نبوت اس کو سُنتا اور سمجھتا ہے اور چونکہ بے کیف آواز کسی غیبی شیطان کی نہیں ہو سکتی اور نہ قوتِ واہمہ وجدانِ قلبی پیدا پیدا اثر ڈال سکتی ہے، اس لئے صاحبِ وحی کو یقین ہوتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے مخلوق کے کلام کی آمیزش سے پاک۔ کلام خداوندی اگرچہ صوت اور ترتیب حروف سے بے نیاز ہے، مگر چونکہ بندہ کو کلامِ صوتی سُننا ہوتا ہے، اس لئے بندہ کے قلب پر گوشِ نبوت کے ذریعہ سے الفاظ و معانی دونوں کا مجموعہ نازل ہوتا ہے۔

(۳) کوئی فرشتہ اللہ کے حکم سے تلطف روحانی کرنے کے بعد صاحبِ وحی کے پاس آتا ہے اور اس کے قلب میں القاء کرتا ہے یا انسانی شکل میں آتا ہے اور مکالمہ کرتا ہے۔ اُس وقت اس فرشتے کو بشکلِ انسانی دوسرے لوگ بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اور اس کا کلام سنتے ہیں، مگر پہچانتا کوئی نہیں کہ یہ کون ہے۔

مزید توضیح کے لئے آیت کے ہر فقرہ کی آئندہ تفسیر پڑھو۔

تحلیلِ اجزاء

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ یعنی کسی انسان سے خواہ کتنا ہی جلیل القدر پیغمبر ہو) اللہ کا کلام کرنا زیبا نہیں۔ شانِ الوہیت کے خلاف ہے۔ قدم و حدوث وجوب و امکان تجرد و مادیت لطافت و کثافت نور ظلمت مخلوقیت و خالقیت کا فرق کلام کرنے اور سننے سے مانع ہے۔ دن اور رات بلکہ وجود و عدم کا اجتماع ناممکن ہے ایک حقیقتِ ثابتہ ہے دوسرا سلب محض جو عدم ثابت کے مشابہ ہے۔ ہاں انسانی وجدان و ذہن تک کلامِ الٰہی کے پہنچنے اور آدمی کے قلب و دماغ پر اللہ کی صفتِ کلامیہ کے پرتو افگن ہونے اور کلام اللہ کا عکس ثبت ہونے کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) اللہ کی طرف سے مضامین و معانی کے کچھ نقوش انسان کی لوحِ قلب پر ثبت ہو جائیں۔ آئینۂ روح کا کوئی مخفی یا اخفیٰ لاسلکی کنکشن اللہ کی صفتِ کلامیہ کے آفتاب سے پیدا ہو جائے اور غور و فکر و ترتیب معلومات کے بغیر معانی مرادہ کا انکشاف ہو جائے اُس انکشاف و انجلاء میں نہ ذہنی فکری عمل کو دخل ہو نہ شیطانی وہمی مداخلت کا کوئی شائبہ نہ بیرونی حسی جاسوسوں کے ذریعہ سے باہر سے لائی ہوئی صورتوں

toobaafoundation.com

کی آمیزش نہ استقرار جزئیات سے انتزاع کلیات کر کے علت و معلول اور سبب و مسبب کا تعلق پیدا کر کے برہان قائم کرنے کی ضرورت۔ لفظ وحی سے اسی بے کیف لاسلکی وقلبی وجدانی تعلق اور صفتِ کلامیہ کی غیبی اثر اندازی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ وجدانی عکس و انعکاس کبھی صرف حقائق و معانی کا ہوتا ہے۔ بغیر انسانی لغت کی ترتیبی وترکیبی شکلوں کے اور بدوں کسی زبان کے الفاظی ہیئت کے۔ اس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ پھر جب ان معانی کی تعبیر صاحبِ وحی کرتا ہے تو اپنی زبان میں کرتا ہے اور ہر الفاظ کے ترکیبی جملے اسی کے ساختہ پرداختہ ہوتے ہیں اور کبھی معانی و حقائق کا القاء سادہ نہیں ہوتا ہے بلکہ کسی زبان کے الفاظ کے پیرایہ میں ہوتا ہے۔ الفاظ گو انسانی زبان میں ہوتے ہیں، مگر ترتیب وترکیب الفاظ اور اسلوب ادا انسان کے طرزِ ادا اور اس زبان بولنے والوں کی قدرت تعبیری سے بالاہوتی ہے گویا یہ وحی مع الفاظ کے ہوتی ہے، مگر صاحب وحی کی ذہنی ساخت پرداخت کو جس طرح معانی کی ترتیب میں دخل نہیں ہوتا۔ اسی طرح الفاظ کی ترتیب میں بھی اس کے فکری عمل کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اسی وحی کو وحی متلو کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احادیثِ مقدسہ کا بیشتر حصہ وحی غیر متلو سے تعلق رکھتا ہے اور سارا قرآن وحی متلو ہے۔ یعنی بیشتر احادیث کے معانی القائی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور قرآن کی الفاظی ترتیب اور ہر مضمون کا طرزِ ادا بھی القائی ہے۔ اسی لئے گزشتہ آسمانی کتابوں کو اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور قرآن مجید کو اللہ کی کتاب کے ساتھ کلام اللہ بھی کہا گیا ہے۔ تورات وانجیل اور تمام الٰہی صحیفوں کا بیشتر حصہ کتاب اللہ تو تھا، مگر کلام اللہ نہیں تھا۔

(۲) انسان مادی کثیف ہے۔ اس کے تمام بیرونی (اور اندرونی) حواس بھی کثیف ہیں، لیکن اللہ کی شکل جسمانی نہیں ہے وہ ہر ہیئت سے پاک ہے۔ اُس کی کوئی صفت بھی مادی نہیں ہے۔ ہر وصف مقداریت کیفیت اور ہر قسم کی عرضیت سے منزہ ہے پھر انسان حادث ہے فانی ہے اور اللہ کی ہر صفت قدیم لازوال ناقابلِ تغیّر، اس لئے اللہ کی صفتِ کلامیہ کا تعلق براہِ راست کسی انسان سے نہیں ہو سکتا۔ جس طرح نورِ بے شکل و بے رنگ کو ان آنکھوں سے مادی کثیف آنکھوں سے دیکھنے کا امکان نہیں۔ اسی طرح بے کیف بے آواز اور بے حرف کلام کو جو صوت کی ہر موجی کیفیت سے پاک ہے۔ مادی کانوں کے ان اعصاب سے سُننا جو اپنے عمل میں ہوا کی لہروں کے محتاج ہیں محال ہے، اس لئے صوت سرمدی اگر سنائی دے سکتی ہے تو (فعل وانفعال اور تاثیر وتاثر کے ضابطہ کے زیر اثر دو شرطیں ضروری ہیں۔ ۱: سننے والے کے ظاہری کان خواہ بند ہوں مگر گوش وجدان وا ہوں۔ کان کے اندر کی تینوں ہڈیاں مطرقی رکابی اور سندانی خواہ شکستہ ہوں، مگر روحانیت کے کان شنوا ہوں) صوت بے کیف اپنے مقام سے نیچے اتر کر کسی نورانی یا مادی پردے سے چھن کر باہر آئے۔ کبھی درخت اور آگ کے پردے کی آڑ ہو تو کبھی نظر کو خیرہ کر دینے والے ستر ہزار نورانی حجابوں کے اندر سے کلام بے کیف چھن چھن کر سنائی دے رہا ہو۔ لفظ من وراء حجاب میں اسی طرف اشارہ ہے۔

(۳) اللہ کا کلام سننے والا انسان اپنی نورانیت اور روحانی انجلاء میں روحانی ملائکہ کی صف میں داخل ہو اور غیر مادی مخلوق کا سرگروہ اس سے ربط رکھتا ہو اور اس کی روح و قلب پر کلام خداوندی کا روحانی القاء کرتا ہو یا کسی انسان کی شکل میں نمودار ہو کر بالمواجہ اُس کو پیام الٰہی پہنچا دے۔ نمبر سوئم کی یہ آخری صورت وحی کی ایک شاخ ضرور ہے، مگر قرآن مجید کی کسی آیت کا نزول اس طرح نہیں ہوا۔ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ کا مفہوم یہی ہے۔

اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب سے اعلیٰ اور بالا ہے کسی ممکن کی اُس کی ذات مجرد تک رسائی نہیں، نہ کوئی آنکھ اُس کو دیکھ سکتی ہے نہ حسی کان اُس کی بے کیف آواز کو سُن سکتا ہے نہ کسی وہم و فہم کی وہاں تک پہنچ ہے نہ قوتِ فکریہ اُس کو پا سکتی ہے نہ ذہن کے اندر اس کا نزول ہے۔ ہاں وہ حکمت والا ہے۔ انسان کی ہدایت کے لئے اُس نے اپنی مخلوقِ انس و ملک میں سے جس کو اور جس طرح چاہا اپنے کلام کا وجدان اور روحانی تلقف عطا کر دیا اور جس کے پاس وحی بھیجنی چاہی بھیج دی اور جس کو حامل وحی اور قابلِ نورِ نبوت بنانا چاہا بنا دیا۔

toobaafoundation.com

تنبیہ انبیاء کے قلوب پر اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلامیہ کا جو پرتو پڑتا ہے خواہ وحی القاء روحانی ہو یا حجاب کے اندر سے بے کیف کلام سنائی دے یا فرشتہ کے ذریعہ سے الہام ہو۔ بہرحال وحی کی ہر صورت ناقابلِ شک ہوتی ہے۔ شک وہم ظن سب کا تعلق دماغی عمل سے ہے اور وحی کا نزول دماغ پر نہیں قلب پر ہوتا ہے۔ وجدانِ قلبی ہی حاملِ وحی اور نورِ قدس سے عکس پذیر ہوتا ہے اس لئے ہر وحی قطعی یقینی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ پیغمبروں کے قلوب پر جو القاء خواب میں ہوتا ہے وہ بھی یقینی ہوتا ہے۔ البتہ اولیائے کرام اور دوسرے اصحابِ الہام کا انکشافِ روحانی اگرچہ وجدانی ہوتا ہے عمل ذہنی کو اس میں بھی دخل نہیں ہوتا، مگر پھر بھی ظنی اور قابلِ شک ہوتا ہے۔ کبھی قوتِ فہمیہ ان کے الہام میں دخل انداز ہو کر اپنے سانچہ میں ڈھال لیتی ہے اور اس وجہ سے مطلب اخذ کرنے میں ان سے غلطی ہو جانے کا امکان ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔ یعنی جیسے انسان کے پاس اللہ کا کلام اس کی حکمت کے زیرِ عمل آ سکتا ہے جس کی تین صورتیں بیان کر دی گئیں تو انہیں اقسامِ الہام کی طرح اللہ نے اپنا کلام اپنے حکم سے وحی کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا۔ اور اپنے پیغمبر کو اپنے کلام سے واقف بنا دیا خواہ القائی صورت سے یا من وراء حجاب، یا جبرئیل کو بھیج کر۔ روحًا سے مراد حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق قرآن مجید ہے (کیونکہ قرآنی اصطلاح میں روح کلام اللہ کو کہا گیا ہے اور کلام اللہ صرف قرآن مجید ہے احادیثِ مقدسہ کا سرچشمہ بھی وحی ہی ہے مگر وہ اللہ کا کلام نہیں)

اَمْرِنَا کا سادہ ترجمہ اہلِ تفسیر نے حکم کیا ہے، مگر اس فقیر کی نظر میں یہ لفظ بہت دقیق معنی کا حامل ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول پر عالم دو ہیں، عالمِ خلق (یعنی عالمِ اجسام) اور عالمِ امر (یعنی عالمِ مجردات) آیت اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ کے ذیل میں بھی تشریح کی گئی ہے۔ اہلِ فلسفہ مادیات سے اونچا ایک عالمِ مجردات یا عالمِ انوار یا عالمِ اشباح اندر ہے آیت قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ میں روح کو اسی عالم کی ایک چیز کہا گیا ہے۔ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ یہ مادی نہیں، ظلمانی نہیں، جسمانی نہیں، مخلوق نہیں صرف نور اور نورانی ہے اسی لئے آئندہ آیت میں اس کو نور کہا گیا ہے۔ یہ حیاتِ ابدیہ کی روح ہے۔ اس کا نزول عالمِ انوار سے ہوتا ہے اور وحی کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ تمام کسبی اور فکری علوم دماغی زائیدہ اور ذہن کے روئیدہ ہوتے ہیں۔ سب کا تعلق جزئیاتِ مادیہ یا ان کلیات سے ہوتا ہے جو جزئیات سے اخذ کی گئی ہوں۔ علومِ مجردہ سے باطنی حواس کا قطعاً تعلق نہیں ہوتا۔ نفسِ ناطقہ اپنے تجرد کی حالت میں اگر علومِ مجردہ کو حاصل کرتا ہو تو کرے مگر شرط یہ ہے کہ اس تحصیل میں ترتیبِ فکری کو دخل نہ ہو۔ ترتیبِ فکری سے حاصل کردہ علم ناقابلِ زوال نہیں ہوتا۔ پس نورِ قرآنی سے اولین پرتو اندوز صرف وجدان ہوتا ہے جس کا تعلق براہِ راست عالمِ امر یا کائناتِ انوار سے ہوتا ہے۔ وجدان کو جو کچھ ملتا ہے اسی عالم سے ملتا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ قرآن ہم نے اپنے امر یعنی عالمِ امر سے بھیجا۔

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ یعنی نبوت اور نزولِ قرآن سے پہلے آپ نہ قرآن سے واقف تھے اور نہ ایمان سے۔ چونکہ نبوت سے پہلے ہر پیغمبر کا مومن ہونا اور مشرک نہ ہونا اجماعی عقیدہ ہے، اس لئے قرآن سے پہلے ایمان سے ناواقف ہونا محلِ تأمل ہے اور تاویل کا محتاج۔ بعض اہلِ تفسیر نے لکھا ہے کہ ایمان سے مراد ہے نماز یعنی آپ نماز اور اس کے ارکان و شرائط سے ناواقف تھے بعض نے لکھا ہے کہ ایمان سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی آپ اہلِ ایمان سے واقف نہ تھے۔ آپ نہیں جانتے تھے کہ اہلِ ایمان کون ہوتے ہیں اور کس کا ایمان اللہ کے لئے معتبر ہے یا ایمان سے مراد ہے تفصیلی ایمان۔ یعنی آپ (اگرچہ مشرک نہ تھے موحد تھے، مگر) نہیں جانتے تھے کہ تفصیلی ایمان کیا ہوتا ہے اور کن کن امور پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس فقیر کے نزدیک موخر الذکر توجیہ اگرچہ اچھی ہے اس میں مجاز کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی، لیکن سب سے عمدہ اور صحیح توجیہ جس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں یہ ہے کہ ایمان سے مراد ہے ایمانِ شرعی کیونکہ لغت میں ایمان کا معنی ہے تصدیق (یا وثوق یا اعتراف و اقرار) اور تصدیق ایک فکری عمل ہے جو ترتیبِ مقدمات اور ترکیبِ مبادی کا محتاج ہے خواہ ان مبادی کو اجزاءِ تصدیق کہا جائے (جیسا کہ امام رازی کا مسلک ہے) یا ابتدائی شرائط کا درجہ دیا جائے (جیسا کہ اہل

toobaafoundation.com

منطق کا قول ہے) اور فکری عمل سے جو تصدیق حاصل ہوتی ہے اس کو ایمان کہا جا سکتا ہے، مگر وہ کسبی ایمان ہوتا ہے۔ ایسا ہی جیسا روشن عقل رکھنے والوں کا ہوتا ہے۔ وجدانی نہیں ہوتا یعنی دلیل فکری کا محتاج ہوتا ہے اور فکر ہی سے حاصل ہوتا ہے یعنی اگر کسی وقت ترکیب فکری کسی دوسرے نتیجہ پر پہنچی اور پہلی دلیل کے خلاف کوئی دوسری دلیل سمجھ میں آگئی تو پہلی تصدیق زائل ہو جاتی ہے اسی لئے کسبی تصدیق کو اہل شریعت شرعی ایمان نہیں کہتے۔ شرعی ایمان تو وجدانی ہوتا ہے جس کے خلاف اگر ذہنی دلائل ہوں تب بھی اس کو جنبش نہیں ہوتی۔ آفتاب کے وجود کے خلاف کتنی ہی عقلی دلیلیں قائم کی جائیں، لیکن سب پادر ہوا ہوتی ہیں اور وجدان آفتاب پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہر شخص اپنی ہستی کا وجدان رکھتا ہے۔ اگر ارسطو اور افلاطون بھی ثابت کر دیں کہ زید کی ہستی نہیں ہے تب بھی زید کو اپنی ہستی کا یقین ہی رہے گا۔ کیونکہ یہ یقین وجدانی ہے، پس انبیاء نبوت سے پہلے اگر مشرک نہیں ہوتے، مگر ان کی توحید عقلی اور کسبی ہوتی ہے شرعی اور وجدانی نہیں ہوتی اور آیت میں اسی وجدانی ایمان کی قبل نبوت نفی کی گئی ہے۔

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ قرآن مجید حیات طیبہ ابدیہ عطا کرنے والی روح ہے اور چونکہ عالم انوار کا ایک حصہ ہے، اس لئے سراسر نور ہے جو عقل کی ظلمت کو روشنی سے بدل دیتا ہے اور وہمی فکری پگڈنڈیوں پر چلنے والوں کو راہ مستقیم بتاتا ہے جو ذہنی کج راہیوں اور گمراہیوں میں پڑے بھٹک رہے ہیں ان کو سیدھا راستہ منزل تک پہنچانے والا بتاتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ چشم فطرت و اعین بصیرت کی روشنی بجھ نہ گئی ہو ورنہ آفتاب نصف النہار کی روشنی بھی نابینا کو راستہ نہیں دکھا سکتی اور چشم کور کے لئے دن رات برابر ہوتے ہیں پس اللہ اپنے بندوں میں جس کو چاہتا ہے اس قرآن کے ذریعہ سے راہ مستقیم بتا دیتا ہے اور راہ مستقیم دکھاتا وہ اسی کو چاہتا ہے جس کی بصیرت کی فطری روشنی بجھ نہ گئی ہو ورنہ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ قرآن مجید کو تو اللہ تعالیٰ نے نور بنایا ہی ہے جو شمع ہدایت ہے۔ لیکن حامل شمع ہدایت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے جو منزل سعادت تک پہنچانے والی سیدھی معتدل راہ شریعت بتاتے ہیں۔ زندگی کی یہ راہ اللہ کی راہ ہے۔ اُسی نے قائم کی ہے۔ آخر سارا جہان اُسی نے بنایا ہے۔ زمین آسمان اُسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور اسی کی حکومت ساری کائنات میں جاری ہے۔ یہ کل سنسار اسی کی ملک اور اسی کا مُلک ہے۔ پس ضوابط زندگی بنانے اور بتانے کا بھی اسی کو حق ہے اُسی نے دستور قرآن کو ضوابط حیات قرار دیا اور ذات رسول کو ہادی برحق بنایا ہے۔ لہٰذا رسول و قرآن کی بتائی ہوئی راہ اُسی کی راہ ہے۔ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ۔ یعنی سارا جہان اللہ ہی نے پیدا کیا اور سب کا انتظام اُسی کے زیر حکم چل رہا ہے اقتدار اعلیٰ اور حکومت اُسی کے دست قدرت میں ہے۔ اسی نے انسان کی ہدایت کے لئے شمع ہدایت روشن کی اور رسول کو حامل شمع بنایا، لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا کہ بس ہماری یہ زندگی ہی اُس کے زیر حکم ہے جب مر جائیں گے تو معدوم ہو جائیں گے۔ اللہ سے تعلق ختم ہو جائے گا ہرگز نہیں۔ ایسا نہیں ہوگا۔ خوب سمجھ لو کہ (آغاز کی طرح) انجام بھی اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ سب کو اسی کے پاس جانا ہے اور زندگی کے تمام امور کی واپسی اسی کی طرف ہوگی۔ وہی فیصلہ کرے گا اور اچھا بُرا بدلہ دے گا۔

مقصود بیان

فَمَا كَانَ لِبَشَرٍ الخ سے ثابت ہو رہا ہے کہ انسان سے اللہ کلام کرتا ہے، مگر رو در رو آمنے سامنے ہو کر نہیں بلکہ اس کے کلام کی تین صورتیں ہیں یا براہ راست فرشتے کی وساطت کے بغیر قلب میں خاص معانی الفاظ دونوں کا القاء کر دیتا ہے یا پس پردہ کہ اپنا کلام صاحب وحی کو سناتا ہے (یہ پردہ یا تو تہ بر تہ نور کا ہوتا ہے اور انتہائی روشنی ہی نظر کے لئے حجاب ہو جاتی ہے یا مکنات میں سے کوئی پردہ آڑ بن جاتا ہے اور پردہ سے چھن کر آواز سنائی دیتی ہے۔) یا فرشتہ کی معرفت اپنا پیام بھیجتا ہے اور فرشتہ اس پیام کا القاء قلب پر کرتا ہے۔ لفظ رُوحًا دلالت کر رہا ہے کہ قرآن ہی حیات ابدیہ کی روح ہے۔ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ سے معلوم ہو رہا ہے کہ نبوت سے پہلے رسول اللہ کو قرآن کا علم نہ تھا آپ تفصیلی یا شرعی ایمان سے واقف تھے جَعَلْنٰهُ نُوْرًا سے ثابت ہے کہ قرآن نور ہے یعنی زندگی کی شمع ہے جو راہ سیدھی راہ دکھاتی ہے، مگر راہ مستقیم اُس کی روشنی میں اُسی کو دکھتی ہے جس کو اللہ دکھانا چاہے۔ اصل ہادی

toobaafoundation.com

اللہ تعالیٰ ہے۔

اِنَّكَ لَتَهْدِي سے معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہادی تھے اور آپ کا بتایا ہوا اللہ کا راستہ ہے وغیرہ۔

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ وَهِيَ مَكِّيَّةٌ تِسْعٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

یہ سورت باتفاق علماء مکی ہے۔ حضرت ابن عباس اور دوسرے
صحابہ کا یہی قول ہے۔ اس میں سات رکوع اور نواسی آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

حٰمٓ ۚ ○ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ وَاِنَّهٗ فِيْٓ

حٰم قسم اس کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ (اے عرب) تم (آسانی سے) سمجھ لو اور وہ ہمارے

اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ○

پاس لوحِ محفوظ میں بڑے رتبہ کی اور حکمت بھری کتاب ہے کیا ہم تم سے اس نصیحت (نامہ) کو اس بات پر ہٹالیں گے کہ تم حد (اطاعت) سے گذرنے والے ہو

وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ○ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○

اور ہم پہلے لوگوں میں بہت سے نبی بھیجتے رہے ہیں اور ان لوگوں کے پاس کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انھوں نے استہزاء نہ کیا ہو

فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ○

پھر ہم نے اُن لوگوں کو جو کہ ان سے زیادہ زور آور تھے غارت کر ڈالا اور پہلے لوگوں کی یہ حالت (ہلاک و غارت کی) ہو چکی ہے

تفسیر انسان اپنے انکار اور قوتِ فکریہ کو قرابت مودت، قربت مکانی، تاثیر زمانی، میلان نفس اور تمام جذبات وعواطف سے بالاتر اور خالص دانش و حکمت کا عامل جانتا ہے، مگر حقیقت میں انسان مادہ اور مادیات کے تقاضوں سے بالاتر نہیں ہو سکتا۔ جبلت اور سرشت سے خالی ہو جانا ناممکن ہے، اسی لئے انسان کے تمام علوم عقلیہ خواہ اخلاق و معاشرت سے تعلق رکھنے والے ہوں یا تمدن و سیاست سے یا ماورار طبیعیات سے سب کے سب ناقص ہوتے ہیں اور صحیح سمجھ و دانش حاصل کرنے کیلئے اُس کو اللہ کے مقرر کئے ہوئے ضابطوں کی ضرورت ہے۔ جو حق و باطل کو اور صحیح کو غلط سے الگ الگ کر کے حد بندی کر دیں۔ انہیں ضوابط و حدود کے مجموعہ کو کتاب مبین۔ فرقان، ناموس الٰہیہ اور شریعت کہا جاتا ہے اور سب ضوابط کسی زبان کے تابع نہیں۔ اللہ نے مختلف زبانوں میں زمان و مکان کے زیر اثر ان کو نازل فرمایا ہے آخر میں عرب کو یہ شرف عطا ہوا کہ ان کی زبان میں کتاب مبین کا نزول ہوا تاکہ آسانی کے ساتھ ان کی سمجھ میں آجائے۔ انسانی سوسائٹی کی تنظیم

toobaafoundation.com

صحیح کرنے والے قوانین اللہ کے علم غیر متناہی کا ایک پرتو ہیں۔ وہ تمام انسانی جذبات و عواطف اور ذہنی افکار سے بالاہیں اور محکم لازوال ناقابل تغیر ہیں۔ اسی کے ساتھ صحیح حقائق کی تعلیم دینے والے اور پرحکمت بھی ہیں۔ لیکن ہمیشہ سے دستور چلا آیا ہے کہ انبیائے کرام کے ذریعہ سے جو ہدایت نامے نازل فرمائے گئے بیوقوف جاہل اور اپنی خودی پر اعتماد کرنے والے طبقہ نے ان کی مخالفت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی جب یہ کتاب ہدایت پیش کی تو مغرور، خود پسند اور بیوقوف لوگوں نے مخالفت کی اور لگے اپنی حدود فطری سے آگے بڑھ کر باتیں بنانے، مگر کسی کی انانیت جہالت اور پرخود غلطی سے نوامیس الٰہیہ کے نزول پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا ہے۔ ان کا نزول بند نہیں ہو سکتا۔ ان کی اشاعت اور ہمہ گیری رک نہیں سکتی۔ بلکہ مخالفت کرنے والوں کا انجام کار خود ہی تباہی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اقوام سابقہ کی زور آزمائی اور طاقت بھی اللہ کی کتاب اور اللہ کے پیغمبروں کی مخالفت کرنے کی وجہ سے خود ہی تباہ ہوئے۔ صدائے حق کو زیر نہ کر سکے، اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ کفار عرب کی عناد پروری اور جہالت نزول کتاب پر ادنیٰ اثر بھی ڈال سکے۔

حٰمٓ۔ حروف مقطعات کا کوئی صحیح مرادی معنی معلوم نہیں۔ اللہ جانے اور اللہ کا رسول۔

تحلیل اجزاء

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی ساری مخلوق مادی ہو یا غیر مادی عزیز ہے اور قسم اسی چیز کی کھائی جانی چاہیئے جو قسم کھانے والے کی نظر میں عزیز ترین ہو اسی لئے شریعت میں انسان کے لئے کسی مخلوق کی قسم کھانی جائز نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی مخلوق کی عزت انسان کی نظر میں نہ ہونی چاہیئے ورنہ یہ کھلا ہوا شرک ہوگا۔ اور ساری مخلوق سے زیادہ عزت اللہ کے نزدیک اس کی اپنی ذات و صفات کی ہے۔ اور کلام اللہ اس کی ایک ازلی صفت ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں جہاں اپنی ذات کی قسم کھائی ہے اور فرمایا ہے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ وہاں کئی جگہ قرآن حکیم اور کتاب مبین کی بھی قسم کھائی ہے۔

اَلْكِتٰبِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ضوابط کا مجموعہ۔ المبین یعنی حق کو باطل سے الگ کرنے والا۔ جو خود بھی روشن ہے اور ضوابط انسانیہ اور عقائد صحیحہ کی وضاحت کرنے والا بھی۔ الکتاب المبین سے مراد ہے قرآن مجید۔

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا یعنی اس کتاب اور کلام مبین کو ہم نے عربی الفاظ اور زبان کا جامہ پہنایا کہ زبان سے پڑھا یا جاسکے (پس اب یہ کلام بصورت قرآن عربی الفاظ میں ختم کر دیا گیا۔)

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ تاکہ تم (آسانی کے ساتھ) سمجھ سکو۔ اگرچہ تمام اقوام عالم کے لئے اس کتاب کا نزول ہوا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چونکہ عرب تھے، اس لئے عربی میں اس کا ہونا ضروری تھا ورنہ عرب نہ سمجھتے اور سب سے پہلے جس قوم میں اس کا نزول ہوا وہی محروم رہتی۔

ہدایت اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا۔ صاف بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قوانین ہدایت عربی میں نازل فرمائے اور اس عربی مجموعہ کا نام قرآن ہے اور نماز میں قرآن کی قرأت ضروری ہے، اس سے معلوم ہو گیا کہ ترجمۂ قرآن کی قرأت نماز میں ناکافی ہے۔

تنقیح حقیقت۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کتاب اور قرآن کا کلام اللہ پر اطلاق مجازی ہے۔ حقیقت میں یہ نقوش کتابت جو مجموعہ اوراق کی شکل میں ہمارے ہاتھوں میں ہیں اور وہ الفاظ جو ہم اپنے اوتار الصوت اور حرکت کام و دہن سے ادا کرتے ہیں کلام اللہ نہیں ہیں بلکہ نقوش کتابت الفاظ پر اور الفاظ اللہ کے کلام پر دلالت کرتے ہیں، اس لئے مجازاً ان کو بھی کلام اللہ کہہ لیا جاتا ہے ورنہ یہ نقوش تو ہمارے ہاتھ سے لکھے ہوئے اور یہ الفاظ ہمارے بولے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ قول غلط ہے۔ اہل تحقیق (علامہ تفتازانی وغیرہ) نے صراحت کر دی ہے کہ کلام اللہ کا لفظ مشترک ہے اس کے تین معانی ہیں اور تینوں حقیقی ہیں۔

(۱) اللہ کی صفت ازلیہ (۲) الفاظ جو معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ (۳) نقوش جو الفاظ کو بتاتے ہیں۔ اول اعتبار سے کلام اللہ ازلی اور قدیم ہے اور باقی دونوں اعتبارات سے حادث۔ گویا مرتبۂ صفت میں دوسری صفات کی طرح صفت کلامیہ بھی قدیم ہے اور فعلیت و تعلق کے مرتبہ میں حادث ہے۔ مرتبۂ صفت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کو متکلم کہا جاتا ہے اور مرتبۂ کتابت کے لحاظ سے اس کو کتاب اور مرتبۂ قرأت کے اعتبار سے اس کو قرآن کہا جاتا ہے۔ حقیقت ایک ہے۔ مظاہر مختلف ہیں۔ کسی مظہر کے حدوث سے اصل معنی اور

toobaafoundation.com

حقیقت کا حدوث لازم نہیں آتا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا اُم الکتاب لوح محفوظ۔ اللہ کے علم کی نہ مٹنے والی لوح جس میں تغیر تبدل نہیں۔ ماضی اور مستقبل کا اس پر کوئی اثر نہیں۔ نہ نسیان اور ذہول کا اس میں دخل ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ خود ظاہر نہ کرے۔ انسانی اور ملکی جولانی عقل کی وہاں تک رسائی نہیں وہ ہر عیب ونقص سے محفوظ ہے۔ یہ کتاب مبین اور قرآن مجید بلباس عربی اسی کے بعض علمی نقوش کا پرتو ہے اور اس کا سارا مفہوم اسلوب بیان اور طرزِ ادا اسی اُم الکتاب کا ایک حصہ ہے۔

لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ام الکتاب تمام ممکنات کی علمی رسائی اور ذہنی تراش خراش سے بلند ہے، اس لئے یہ قرآن بھی انسان کی فکری بلند پروازی اور تخیلی بلندیوں سے بھی اونچا ہے۔ نہ کسی فرشتہ کے عمل فکری کا نتیجہ ہے نہ بشری غور ونظر کو اس کی ساخت میں دخل ہے۔ پھر یہ حکیم بھی ہے یعنی پر حکمت۔ غلط اور غیر واقعی نہ اُس کی تعلیم ہے نہ طرز تعلیم نہ طریق ادا نہ الفاظ کی نشست نہ اسلوب بیان۔ نہ مصلحت بشری سے خالی۔ غرض جہالت یا سفسطہ کو اس میں دخل نہیں۔ یا یوں کہو کہ اس کی تعلیم اور بیان محکم ہے ناقابل نسخ وتغیر۔ ہر فلسفہ اور ذہنی فکر کا نتیجہ قابلِ تردید ہوتا ہے۔ اسی بنا پر کوئی فلسفہ دوامی یقین کا حامل نہیں ہوتا، مگر قرآن محکم ہے اس کی نظری وعلمی تعلیم کبھی غلط ثابت نہیں ہوسکتی۔

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ کچھ لوگ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی ضرورت ہی کیا تھی۔ فکری اور عملی سیاسی اور سماجی درستگی کے لئے دنیا کے مشہور دانشور کافی ہیں۔ یہ حدود بشریت سے آگے بڑھ کر دعویٰ کرنے والے ہیں۔ کیونکہ انسان خود ہدایت کی راہ اختیار نہیں کر سکتا۔ نہ جذبات بشریت اور عواطف انسانیت سے آزاد ہو سکتا ہے نہ اپنی عقل سے انسانیت کو سدھارنے والے ایسے اصول بنا سکتا ہے جو ہر زمانہ میں اور ہر مقام پر اور ہر انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے صداقت وصلاح کے حامل ہوں۔ پس کیا انسان کی یہ خود سری اور حد سے بڑھ کر انانیت انسان کی زندگی کو اللہ کی آسمانی تعلیم سے بے نیاز بنا سکتی ہے۔ کیا آدمیوں کے ایسے بیہودہ دعووں سے اللہ تعالیٰ ہدایت نامہ بھیجنا ترک کر دے گا اور لوگوں کی مخالفت اُس کی زندگی کے سُدھارنے والے احکام جاری کرنے سے باز رکھ سکتی ہے۔

وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ سے مثل الاولین تک۔ اس سے پہلے بھی گذشتہ اقوام میں اللہ پیغمبر بھیجتا رہا ہے۔ آج اس پیغمبر کو یہ کتاب دے کر بھیجنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ قدماء کے پاس جو پیغمبر بھی آیا وہ اس کا مذاق بناتے رہے ان کو بھی اپنی دانش اور زیادتی قوت پر ناز تھا، اور پیغمبر کی ضرورت وہ بھی محسوس نہیں کرتے تھے، مگر ان کا کچھ زور نہ چل سکا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ کر دیا۔ ساری سمجھ اور قوت دھری کی دھری رہ گئی یعنی ان منکروں کا بھی یہی نتیجہ ہوگا۔

مقصودِ بیان

اَلْكِتٰبِ کا لفظ تین باتیں ظاہر کر رہا ہے:

(۱) پورا قرآن جس کا کچھ حصہ نازل ہو چکا تھا اور کچھ حصہ اس کے بعد نازل ہوا سب کو ماننا اور دستور پر چلنا فرض ہے۔ یہ تشریح مقصود اُس وقت ہوگی جب کتاب کو کتب بمعنی فرض سے ماخوذ قرار دیا جائے۔

(۲) نزول قرآن اگرچہ مجموعی شکل میں نہ ہوا تھا، لیکن یہ لفظ بطور پیشین گوئی اشارہ کر رہا ہے کہ آئندہ اس کا مجموعہ مرتب ہونا ضروری ہے۔ یہ اشارہ اس وقت جب کتاب کو کَتَبَ بمعنی جَمَعَ سے ماخوذ مانا جائے۔

(۳) لفظ کتاب ایک خفی اشارہ کر رہا ہے اس امر کی طرف اس کا لکھنا لکھوانا جائز ہے۔ یہ اشارہ اس وقت ہوگا جب لفظ کتاب کو کتب بمعنی رَقَمَ وحَرَّرَ سے ماخوذ قرار دیا جائے۔ اَلْمُبِيْنِ کا لفظ بتا رہا ہے کہ دستور قرآنی خود بھی واضح اور روشن ہے اور حق وصداقت کو ظاہر کرنے والا بھی۔

جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا کا لفظ دلالت کر رہا ہے اس امر پر کہ اللہ نے اپنی اس کتاب کو عربی شکل میں نازل کیا ہے۔ یعنی اس کی ساخت پرداخت بیان طرزِ بیان سب خدا کا بنایا ہوا ہے کسی انسان یا فرشتہ یا جن یا کسی اور مخلوق کا دماغی تراشیدہ نہیں ہے۔ اور اس کے عربی الفاظ کی عبارت بھی اللہ کی بنائی ہوئی ہے۔ پس غلطی پر ہیں وہ لوگ جو قرآن کی عبارت کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا جبرئیل یا کسی

toobaafoundation.com

جن کی ساخت کہتے ہیں۔

اِنَّهٗ فِىْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ کے الفاظ ہیں کہ قرآن مجید لوحِ محفوظ کی نقل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت کلامیہ کا مظہر ہے۔ عَلِیٌّ کے لفظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ قرآن مجید اونچا ہے یعنی ہر ممکن کی رسائی سے بلند ہے۔ حَکِیْمٌ کا لفظ قرآن کے غیر منسوخ یا پُر حکمت ہونے پر دلالت کر رہا ہے۔ اَفَنَضْرِبُ الخ سے صراحتہً ثابت ہو رہا ہے کہ لوگوں کی سرکشی انکار بر خود غلطی غرور نفس غرض ہر علمی اور عملی اسراف اور اپنے حدود فکریہ سے تجاوز قانونِ الٰہی اور کتاب غذا و نذیری سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کسی کی علمی جسمانی قومی اور مالی ملکی طاقت اس پر غالب نہیں آ سکتی بلکہ منکروں کا انکار اور طاقتوروں کی طاقت کبھی نبوتِ الٰہی کی طاقت پر غالب نہ آ سکی۔ جب حق سے باطل نے ٹکراؤ کیا خود تباہ ہو گیا۔ ماضی حال کے لئے عبرت کا آئینہ ہے۔ وغیرہ۔

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اُن کو جاننے والے (خدا) نے پیدا کیا ہے جس نے تمہارے

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

(آرام کے لئے) زمین کو (مثل) فرش (کے) بنایا (کہ اس پر آرام کرتے رہو) اور اُس میں اُس نے تمہارے لئے رستے بنائے تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو

وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝ وَالَّذِيْ

اور جس نے آسمان سے پانی ایک انداز سے برسایا پھر ہم نے اُس سے خشک زمین کو (اُس کے مناسب) زندہ کیا اسی طرح تم (بھی اپنی قبروں سے) نکالے جاؤ گے

خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝ لِتَسْتَوٗا عَلٰي

اور جس نے تمام اقسام بنائیں اور تمہارے واسطے وہ کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم اُن کی پیٹھ پر جم کر بیٹھو

ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ

پھر جب اس پر بیٹھ چکو تو اپنے رب کی نعمت کو دل سے یاد کرو اور (زبان سے استحیاناً) یوں کہو اس کی ذات پاک ہے جس نے ان چیزوں کو ہمارے

لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ

بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے نہ تھے جو اُن کو قابو میں کر لیتے اور ہم کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اُن لوگوں نے خدا کے بندوں میں سے (جو

جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ

مخلوق ہوتے ہیں) خدا کا جزو ٹھہرایا واقعی انسان صریح ناشکرا ہے کیا خدا نے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں پسند کیں۔ اور تم کو بیٹوں کے

بِالْبَنِيْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا

ساتھ مخصوص کیا حالانکہ جب اُن میں سے کسی کو اس چیز کے ہونے کی خبر دی جاتی ہے جس کو خدائے رحمٰن کا نمونہ (یعنی اولاد) بنا رکھا ہے (مراد بیٹی ہے) تو (اُس کا

toobaafoundation.com

وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ أَوَمَن يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ۝ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ

ناراض ہوکر) سارے دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور دل ہی دل میں گھٹتا ہے کیا جو کہ (عادۃً) آرائش میں نشوونما پائے اور وہ مباحثہ میں قوت بیانیہ بھی نہ رکھے اور انہوں نے

الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَٰنِ إِنَاثًا ۚ أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ ۚ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ۝

فرشتوں کو جو خدا کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے کیا یہ انکی پیدائش کے وقت موجود تھے ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جاتا ہے اور (قیامت میں) ان سے بازپرس ہوگی

تفسیر

تکوین عالم ۔ انسان کے بقاء اور آرام کے اسباب کی فراہمی اور ان اسباب کا باہم ارتباط تقاضہ کرتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے غلبۂ اقتدار، ارادۂ حاکمہ اور ہمہ گیر علم کا اقرار کرے اور اپنی پوری زندگی کو اللہ کا محتاج اور اس کے قبضہ و تصرف میں سمجھے اور اسی کے ساتھ یہ بھی یقین کرلے کہ جب اللہ نے ساری کائنات کو اور مجھے پہلی مرتبہ عدم سے پیدا کیا تو موجود کرنے کے بعد معدوم کرنا اور دوبارہ پیدا کرنا ناممکن نہیں ہے ۔ بلکہ اللہ کی طرف سب کا لوٹ کر جانا یقینی ہے ۔ مقدمات کی یہ ترکیب اور ہر ترتیب کا حامل نتیجہ ہونا بالکل منطقی ہے ، مگر مشرک اللہ کو خالقِ کل تو مانتے ہیں اور مانتے تھے اس کی ہمہ گیر قدرت اور کامل علم کے بھی قائل تھے ۔ اُن کو اللہ کی آمریت کی ہمہ گیری کا بھی انکار نہ تھا وہ اللہ کی ربوبیت عامہ اور غلبی وظاہر انعامات کی بارش کو بھی تسلیم کرتے تھے مگر ان مسلمات کے نتیجہ کے عقیدۃً منکر تھے ۔ توحید و تمجید کو چھوڑ کر انہوں نے خدا کو عاجز باپ کی طرح اولاد کا محتاج قرار دے رکھا تھا ، اس لئے (بعض انسانوں کو اس کے بیٹے اور) فرشتوں کو اس کی بیٹیاں کہتے تھے اور اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ والدیت بجائے خود احتیاج کی علامت ہے اور خدا محتاج نہیں پھر اولاد بھی مادہ جو کسی طرح باپ کی مدد نہیں کرسکتی ۔ سوائے آراستگی اور زیبائش کے شوق کے اس میں نہ دفاع کی طاقت ہوتی ہے نہ باپ کی طرف سے زبانی نمائندگی کی ۔ خالق کو باپ اور مخلوق کو اولاد قرار دینا اتنی ہی بڑی کور دانش ہے جیسے بے نیاز قادر مطلق کو محتاج اور عاجز کہنا ۔ مشرکوں کی دوسری سفاہت دانش یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کو موجد مانتے ہوئے حشر جسمانی اور حیاتِ اُخرویہ کو ناممکن خیال کرتے تھے ۔ مادہ سے موجودہ صورت جسمانیہ کا انفعال ان کے نزدیک دوبارہ ناقابلِ اتصال تھا ۔ حالانکہ بدیہی مشاہدہ ہے کہ بارش ہونے سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی اور خشک کھیتی لہلہانے لگتی ہے ۔ جب نباتی موت و حیات کا یہ حال ہے تو حیوانی موت کے بعد حیاتِ جدیدہ آجانے میں کیا استحالہ ہوسکتا ہے ۔ حیوان اور نبات نشوونما میں تو شریک ہی ہیں ۔ ارتقائے کائناتی کا نظریہ مانا جائے یا تباین نوعی کا ۔ بہرحال خصوصیاتِ شعوری و ادراکی کو چھوڑ کر حیات نامیہ تو حیوان میں بھی اسی طرح ہے جس طرح نبات میں پھر کیا وجہ کہ ایک کا بربنائے مشاہدہ اقرار اور دوسرے کا بر سبیل توہم انکار کیا جائے ۔

تحلیلِ اجزاء

وَلَئِن سَأَلْتَهُم ۔ مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا مسلمان ، ہم کی ضمیر عہدِ نزول کے مشرکوں کی طرف راجع ہے ، مگر حکم میں خصوصیت نہیں ، ہر زمانہ کے مشرک اسی کے قائل ہیں ۔ ہاں منکرین خدا کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ۔

لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۔ آسمان و زمین یعنی ساری کائنات ایک خاص انداز ے اور پلاننگ کے زیرِ اثر بنائی گئی ہے ۔ اس کا بنانے والا یقیناً بہت بڑے علم والا ہے ۔ اتفاقاً بغیر علم و ارادہ کے ایسی مربوط کائنات جو ایک نظم میں تخلیقاً بندھی ہوئی نہیں بنائی جاسکتی ۔ پھر اس کے بنانے والے کی قوت و قدرت بھی ماننی پڑتی ہے ۔ بغیر قوت کے ادنیٰ ارادی کام بھی نہیں ہوسکتا ۔ اور اس سنسار کو پیدا کرنا تو بہت بڑا کام ہے اس کے لئے تو بنانے والے میں بہت بڑی طاقت ہونی ناگزیر ہے ، اس لئے ہر وہ شخص جو خدا کی ہستی کا قائل ہے خواہ نظم عالم اور ربوبیت میں ان گنت شریک مانتا ہو اور قدرت کے ہر خدمت گذار کارندے کو رب جانتا ہو ، مگر خالقِ کائنات ایک ہی ذات کو مانتا ہے جب خالق کا واحد ہونا اور اس کا علیم و قدیر ہونا مشرکوں کو بھی تسلیم ہے اور یہ بھی حقیقتِ مسلمہ ہے کہ خالق کو اس تخلیق میں کسی سے مدد لینے کی ضرورت نہ تھی نہ آئندہ کسی کو پیدا کرنے میں کسی کی اعانت کا وہ محتاج ہوگا ۔ اور سارا عالم اپنے وجود میں اسی کا محتاج ہے تو اب سوال یہ ہے کہ اس کائنات

toobaafoundation.com

کی بقاء اور انتظام کس کے ہاتھ میں ہے۔ کون ایسا فرماں روا اور حاکم مطلق ہے جس کی حکمت وحکومت اس کائنات میں چل رہی ہے ظاہر ہے کہ جو خالق سارے جہان کو بغیر کسی کی مدد سے عدم سے وجود میں لایا۔ ناظم حاکم آمر اور فرماں روا بھی ہے وہی ہے۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا جس نے انسانوں کے رہنے کے لئے زمین کو پرورش گاہ بنایا یا پالنا بنایا یا گہوارہ بنایا نہ زیادہ نرم کہ انسان زمین میں دھنس جائیں نہ اتنا سخت اور مخروطی اور چکنا کہ بیٹھنا، لیٹنا اور کھڑا ہونا ناممکن ہو جائے نہ ایسا گرم کہ تپش سے جلا دے نہ اتنا سرد کہ ٹھٹھرا دے اور جما دے نہ ایسا لرزاں کہ سانس لینا دشوار ہو اور اختلاجِ قلب ہو کر دم نکل جائے نہ ایسا ساکن اور جامد کہ حبس دم ہو جائے۔

وَجَعَلَ لَکُمْ فِیْھَا سُبُلًا لَّعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ۔ اُسی نے زمین میں راستے بنائے کہ انسان راہوں پر چل کر مقصد تک پہنچ جائے۔ اگر ساری زمین ناقابلِ عبور سنگستان ہوتی یا غاروں اور وادیوں سے بھری ہوئی ہوتی یا کل زمین پر ریگ رواں کا سیلاب ہر وقت آتا رہتا یا سمندری موجوں کی طغیانی ہر وقت زمین پر زمین پر دلدلی تہیں چڑھائے رہتی۔ تو انسان اپنی جگہ سے کیسے حرکت کرتا۔ یہ بحری اور بری راستے اور یہ شاہراہیں اور پگڈنڈیاں نہ ہوتیں تو چلنا پھرنا آنا جانا اور سفر کرنا ناممکن ہوتا۔

وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ اُسی نے انسانوں کے لئے کھانے پینے پہننے اور استعمال کرنے کا سامان پیدا کرنے اور فراہم کرنے کا انتظام کیا خشک مردہ زمین پر اوپر سے ایک مخصوص مقدار میں پانی برسایا تاکہ زمین سرسبز ہو جائے۔ غلہ پھل پھول جڑی بوٹیاں، لکڑی روئی، کتان، ریشم، دودھ دہی، مکھن، گھی، پنیر، گوشت اور تمام مشروبات و ماکولات مہیا کرنے کا انتظام کیا۔ پانی اتنا برسایا جتنی زمین کو از سر نو زندگی حاصل کرنے اور انسانوں کے لئے اسبابِ زندگی پیدا کرنے کے لئے ضروری تھا۔ کہیں کم کہیں زیادہ، کبھی ایک جگہ کم، کبھی دوسری جگہ زیادہ۔ کبھی وہاں کم یہاں زیادہ اوسط اندازہ ایک ہی ہے۔ عملِ تبخیر ایک ہی جاری ہے۔ سمندر سے مون سون اُٹھنے کی مقدار ایک ہی ہے۔ سورج کی شعاعیں ایک سی ہی پڑتی ہیں۔ مون سون اُٹھتے ہیں دوڑتے ہیں، پہاڑوں سے ٹکراتے ہیں۔ ٹھنڈے پڑتے ہیں پانی بنتے ہیں، برستے ہیں، پانی زمین میں داخل ہوتا ہے۔ عملِ تبخیر عملِ انقلاب تک پہنچتا ہے۔ عملِ انقلاب کی انتہا عملِ تولید پر ہوتی ہے، زمین شاداب اور سیر ہو جاتی ہے۔ عملِ تولید کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے تو پانی اس دوری حرکت کے بعد لوٹ کر سمندر میں چلا جاتا ہے۔ یہ ہی قدرِ خداوندی اور اندازۂ خالق ہے۔ کیا یہ غلط ہے کہ اس طریقہ سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ سوکھی زمین میں حیاتِ نامیہ پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر جب یہ عدم سے وجود میں اور وجود سے عدم اور پھر عدم سے وجود کا چکر تمہارے سامنے ہے اور اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ رہے ہو اور اندازۂ الٰہی کی بے پایانی مسلم ہے تو خوب سمجھ لو کہ

کَذٰلِکَ تُخْرَجُوْنَ۔ اسی طرح مرنے کے بعد ایک معین وقت پر تم کو بھی دوبارہ پیدا کر دیا جائے گا۔ بدن اور اعضاءِ بدن کا لباس روح کو دوبارہ پہنا دیا جائے گا۔

وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّھَا۔ اور اسی نے تو تمام اقسام کی چیزیں پیدا کیں۔ طرح طرح کے پھل پھول اور جڑی بوٹیاں قسم قسم کے چرندے پرندے، درندے اور بری بحری جانور۔ سعید بن جبیر کے نزدیک ازواج سے مراد اصناف ہیں۔ عام طور پر ازواج کا معنی جوڑے ہیں۔ دوسری آیت میں خَلَقَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ زَوْجَیْنِ بھی آیا ہے اور اس آیت کی تفسیر میں ہم نے مکمل تشریح کر دی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس کائنات میں ہر چیز اضافی اور تقابلی ہے۔ حقیقی کوئی شئے نہیں۔ گرمی، سردی، تری، خشکی، تلخی، شیرینی، جھوٹ سچ حق و باطل حسن قبح زمانہ روشنی تاریکی کفر ایمان غرض غور کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ کائنات حسی ہو یا غیر حسی صوری ہو یا معنوی سب کی تخلیق تقابلی ہے اور ہر مقابل کا دوسرے مقابل کی طرف جھکاؤ ہوتا ہے۔ اور جھکاؤ احتیاج و حدوث کی علامت ہے۔ اس لئے کوئی چیز قابلِ الوہیت و معبودیت نہیں۔ حقیقت صرف ایک ہے۔ وہ ہے واحد حقیقی جو ہر جھکاؤ اور میلان اور اضافت سے پاک ہے، بے مثال ہے اُس کی مثال کوئی نہیں اور ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ اس جگہ کیونکہ تکوینی نعمتوں کا تذکرہ ہے اور سیاقِ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنی ہمہ گیر ربوبیت کو ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے سعید بن جبیر کا تشریحی قول مراد لینا مناسب ہے۔

toobaafoundation.com

وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ۔ آیاتِ مذکورہ میں پانچ چیزوں کا اظہار کیا گیا ہے۔

(۱) تخلیق کائنات جس میں انسان بھی داخل ہے۔ (۲) زمین کو پیدا کر کے قابلِ سکونت بنانا تاکہ انسان کو رہنے کی مناسب جگہ مل جائے (۳) آمد و رفت کی سہولت کے لئے زمین پر راستے بنا دینا تاکہ چل پھر کر آدمی اپنی ضرورتیں پوری کر سکے (۴) بارش نازل کرنا تاکہ انسان کو بقائے زندگی کا سامان فراہم ہو جائے (۵) بارش سے زمین پر طرح طرح کی چیزوں کو برآمد کرنا تاکہ انسان کو غذا اور لباس مل جائے۔ اب اس آیت میں پانی اور خشکی میں سفر کرنے کے لئے سواریاں پیدا کرنے اور ان کو انسان کی خدمت پر لگا دینے کا اظہار فرمایا تاکہ ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک شہر سے دوسرے شہر تک جانے کا ذریعہ انسان کو مل جائے اور جہاں پیادہ نہ جا سکتا ہو وہاں سوار ہو کر چلا جائے۔ کیا یہ نعمتِ رب نہیں کہ سرکش نافہم بے دانش جانور انسان کے اشاروں پر کام کرتا ہے اور ہزاروں ٹن کے جہاز پانی کی سطح پر تیرتے ہیں۔ اور انسانوں کو سمندر پار ملکوں تک پہنچاتے ہیں۔ پانی رقیق اور ہوا خفیف ہونے کے باوجود اپنے دباؤ اور اٹھاؤ سے ایسا توازن قائم رکھتی ہے کہ زمین کا مرکزِ ثقل جہاز کو اپنی طرف نہ کھینچ سکے۔ کہنے کو تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ مادی کائنات کی طبعی خاصیت ہے، لیکن غور طلب یہ امر ہے کہ یہ خاصیت کس نے بنائی اور کس نے انسان کو جہاز کی ساخت بتائی اور کس نے مادیات کے ان خواص کو آدمی کی خدمت پر لگایا۔ اگر اللہ ان سواریوں کی تسخیر نہ کرتا۔ جانوروں کو فرمان پذیری کی صلاحیت اور انسان کو تدریب و ٹریننگ کی دانش و تدبیر نہ دیتا تو کس طرح ایک حقیر انسان اتنی عظیم الشان خارج از مقدور کائنات سے کام لے سکتا۔ پس مبارک ہیں وہ لوگ جو سفرِ حیات طے کرنے کے لئے جب سواریوں پر ٹھیک طرح سے سوار ہوتے ہیں تو انعامِ خداوندی کا شکر ادا کرتے ہیں اور اللہ کی پاکی کا اقرار کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ ہمارا یہ سفرِ حیات بے مقصد اور آخری نہیں۔ سفر کی انتہا اور غایت وہی ذات ہے جو ہمارے آغازِ زندگی کا مبدأ اول ہے وہی ہم کو عدم سے وجود میں لایا اور جب تک چاہا اپنی نعمتوں سے نوازا اور باقی رکھا اور

وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔ آخر کار زندگی کی موجودہ مسافت طے کرنے کے بعد ہم کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور اسی کو اس کی ربوبیت و انعامات کا حساب دینا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سوار ہوتے وقت تین بار تکبیر کہتے پھر سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا سے لَمُنْقَلِبُوْنَ تک پوری آیت پڑھتے تھے رواہ مسلم و ابوداؤد والترمذی والنسائی والحاکم فی المستدرک

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ۔ کور دانش مشرک اللہ کے خالق بے نیاز اور قادر علیم ہونے کے قائل ہوں مگر اسی کی مخلوق اور عاجز بندوں میں سے بعض کو اس کی اولاد قرار دیتے ہیں۔ (بعض پیغمبروں کو اس کے بیٹے اور) فرشتوں کو اس کی بیٹیاں کہتے ہیں یہ تو کھلا ہوا انکار اور ناشکری ہے۔ خالقیت اور منعمیت کا اقرار تو چاہتا ہے کہ کسی کو اس کا مددگار نہ مانا جائے اور مخلوق کی مدد سے اس کو بے نیاز سمجھا جائے اور اس کو والد قرار دینے کا تقاضا ہے کہ اس کو اولاد کا محتاج قرار دیا جائے اور خالقیت یا منعمیت میں کسی کو اس کا ساجھی کہا جائے یہ کھلا ہوا کفر اور واضح ناشکری نہیں تو اور کیا ہے۔ بیشک یہ مشرک انسان کھلا ہوا ناسپاس اور منکر ربوبیت ہے۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ۔ ایک تو خالق کو والد اور مخلوق کو اولاد قرار دینا ہی خالقیت اور تقاضائے خالقیت کے خلاف ہے کفر بھی ہے۔ اور ناسپاسی بھی پھر اس سے بڑی حماقت اور دماغی بے مائیگی کی علامت یہ ہے کہ مشرک اپنے لئے تو بیٹے پسند کرتے ہیں اور اگر بیٹی ہونے کی اطلاع ملتی ہے تو منہ فق پڑ جاتا ہے رنج سے چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل میں گھٹ کر رہ جاتے ہیں، لیکن جو صنف اولاد اپنے لئے رنجدہ اور ناگوار سمجھتے ہیں وہ اللہ کے لئے ثابت کرتے ہیں اتنا نہیں سمجھتے کہ اگر بالفرض محال اللہ اپنے لئے اولاد کو اختیار بھی کرتا تو کیا لڑکیوں کا انتخاب کرتا جو کسی طرح اس کے کام آنے والی نہیں۔ لڑکیوں میں تو قوتِ وفا نہیں ہوتی کہ باپ کی طرف سے دشمن (ہاتھ سے) یا کم از کم زبان ہی سے دفع کر سکیں۔ زیور اور بدنی زیب و زینت میں پرورش پانے والی اور بناؤ سنگھار سے شیفتگی رکھنے والی کیا مدد کر سکتی ہے۔

toobaafoundation.com

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ مشرکوں کی دوسری حماقت ہے کہ وہ ملائکہ کو جو اللہ تعالیٰ کے خالص بندے ہیں یعنی نہ نر ہیں نہ مادہ عورتیں قرار دیتے ہیں تو (نہ ان کے پاس وحی آئی نہ اللہ کے کسی پیغمبر نے ان سے کہا) پھر کیا یہ خود کسی فرشتے کی پیدائش کے وقت وہاں موجود تھے کہ علمی شہادت دے رہے ہیں۔ ان کی (یہ جھوٹی) شہادت ضرور لکھی جائے گی اور قیامت کے دن اس بات کی ان سے باز پرس ہوگی۔

مقصودِ بیان

لَيَقُوْلُنَّ الخ سے ثابت ہو رہا ہے کہ مشرکوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے خالق لاشریک لہٗ ہونے کا اقرار تھا اور ان کو اس کا بھی اقرار تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طاقت غالب ہے یعنی اللہ تعالیٰ قادر ہے اور عالم بھی ہے۔ اس نقرہ سے لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ تک توحیدِ خالقیت اور وحدتِ ربوبیت کو ثابت کرنے کے لئے آسمان زمین اور بعض کائناتِ زمین کی تخلیق اور پر حکمت قانونِ نظم کو بیان کیا ہے۔ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ میں حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی مخلوق کو انسان کا مطیع بنا دیا ہے اس میں انسانی تدبیر کو دخل کامل نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ قوی کو کمزور کے تابع کر دیا، اس لئے اللہ کو اس نعمت سے فائدہ اٹھاتے وقت اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت اور مظاہرِ ربوبیت کا اقرار کرنا اور ہر نقص و عیب سے اس کے پاک ہونے کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح ساری کائنات کی تسخیر اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے اسی طرح انسان کی ہستی بھی اس کے دست رس سے باہر نہیں۔ آغازِ ہستی کا کنارہ بھی اُسی کے ہاتھ میں ہے اور انتہا وجود بھی اُسی کے قبضہ میں۔ پس جس خدا نے نیست سے ہست کیا اور بقاءِ ہستی کے تمام اسباب کو انسان کے کام پر لگا دیا وہ ہی خدا ہست کو نیست بنا کر اپنی طرف ضرور لوٹا لے گا۔ وَجَعَلُوْا لَهٗ سے انسان کی حماقت اور کفرانِ نعمت کا اظہار ہے۔ اس سے سبق حاصل کرنا چاہیئے اُن اولیاء پرستوں اور مزاراتِ مقدسہ کے پجاریوں کو کہ پیدائش سامانِ پیدائش ہستی بقاءِ ہستی اور مآلِ ہستی سب کا مالک اللہ کو جانتے ہوئے وہ حکومت کائنات اور الوہیت آمریہ میں اللہ کے بندوں کو اللہ کا ساجھی قرار دیتے ہوئے اور شرک کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے در در کی جبہ سائی کرتے پھرتے ہیں۔ اَن پڑھے لکھے جاہل عالموں اور وظیفچیوں کو بھی اس سے نصیحت حاصل کرنی چاہیئے جو غیبی مؤکلوں اور کارساز ملائکہ کو پکارتے اور ان سے مدد کی خواہش کرتے ہیں۔ اور کارگاہِ ہستی کا مختار دوسروں کو قرار دیتے ہیں۔

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الخ سے معلوم ہو رہا ہے کہ مشرکینِ عرب ملائکہ (یعنی دیوتاؤں) کو مانتے تھے، مگر ان کو اللہ کی بیٹیاں (یعنی بیبیاں) قرار دیتے تھے وغیرہ۔

٢٠ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ

اور وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے ان کو اس کی کچھ تحقیق نہیں محض بے تحقیق بات کر رہے ہیں کیا ہم نے

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ۞ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

ان کو اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب دے رکھی ہے کہ یہ اس سے استدلال کرتے ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ داداؤں کو ایک

عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ۞ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ

طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی ان کے پیچھے پیچھے رستہ چل رہے ہیں اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا

مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ

مگر وہاں کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ داداؤں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی انہیں کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں

toobaafoundation.com

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ ۱

(اس پر) اُن کے پیغمبر نے کہا کہ کیا (رسمِ آبائی ہی کا اتباع کیے جاؤ گے) اگرچہ میں اُس سے اچھا مقصود پر پہنچا دینے والا طریقہ تمہارے پاس لایا ہوں کہ جس پر تم نے اپنے

كٰفِرُوْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ (ع)

باپ دادا کو پایا ہے (براہِ عناد) وہ کہنے لگے کہ ہم تو اس دین کو مانتے نہیں جس کو دے کر تم کو بھیجا گیا ہے سو ہم نے اُن سے انتقام لیا سو دیکھیے تکذیب کرنیوالوں کا...

تفسیر کسی مسئلہ کی صحت و غلطی میں امتیاز کرنے اور حقیقت کو جاننے کے صرف دو ذرائع ہیں۔ (۱) عقل و فکر جو وہم و خیال کی آمیزش و آلائش سے پاک ہو۔ (۲) وحی اور اللہ کی کتاب۔ اوّل طریقہ علم کے رہبر و حکماء اور حاملین عقلِ سلیم ہوتے ہیں۔ قوانینِ بدیہیہ کے علاوہ بعض طبعی حقائق تک ان کی عقلِ نظری کی رسائی ہو جاتی ہے، لیکن الٰہیات اور فوق الطبیعات کے متعلق ان کی قوتِ فکریہ کی نارسائی قابلِ انکار ہے۔ اللہ کی ذات اور صفات کا اس گروہ کو صحیح علم نہیں ہو سکتا۔ جو کچھ یہ سوچتے سمجھتے اور دلائل عقلیہ قائم کرتے ہیں وہ وہم آلود اور قیاسی اٹکل کے زیرِ اثر ہوتا ہے۔ الٰہیات کے متعلق یقینی علم کا ذریعہ صرف وحیِ نبوت اور کتاب اللہ ہے۔

الوہیت اور ربوبیت میں ملائکہ یا عملی کارندوں کو شریک بنانے کی شہادت نہ عقلِ سلیم سے مل سکتی ہے نہ اللہ تعالیٰ کی کسی کتاب یا وحیِ نبوت سے۔ مشرکوں کی یہ محض قیاسی اٹکل اور وہم آلود فہم ہے جو شرک کو مشیتِ الٰہی پر محول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ کی مشیت نہ ہوتی تو ہم شرک نہ کرتے۔ ان کو نہیں معلوم کہ مشیت کا احاطہ اگرچہ ہمہ گیر ہے، مگر رضا کا تعلق ہر چیز سے نہیں۔ اور ہم تخلیقاً اگرچہ دوسری کائنات کی طرح دائرۂ مشیت کے اندر گھرے ہوئے ہیں، مگر مجبور نہیں۔ مشیت کا تعلق رضاءِ خداوندی سے بھی ہے اور نامرضی سے بھی پھر نامرضی کو اختیار کرنے کی علت مشیت جابرہ کو قرار دینا غلط ہے۔ ہم مکلّف ہیں اور صاحبِ ارادہ ہیں اور ارادہ کے تعلق میں ہم آزاد ہیں۔ پس ہم کو مشیتِ خداوندی کے حیلے کو ترک کر کے مرضیٔ الٰہی کی جستجو کرنی چاہیے اور مرضی کا علم نبوت سے ہی حاصل ہو سکتا ہے، اس لئے نبی کے فرمان اور کتاب اللہ کی صراحت کے سامنے سر جھکا دینا چاہیے۔ کتاب اللہ اور فرمانِ رسول کے مقابلے میں عملِ آباء کو پیش کرنا اور دستورِ سلف پر چلنا حماقت ہے۔

تحلیلِ اجزاء وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ مشرکوں کو توحید پر اعتراض تھا اور ملائکہ کی پرستش کے لئے یہ توجیہ کرتے تھے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی مشیت کے دائرہ سے اندر ہے۔ ہماری ملائکہ پرستی بھی اُسی مشیت کے زیرِ اثر ہے۔ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ان کا یہ قیاس تخمینی ہے اور اٹکل مفید یقین نہیں۔ ان کو کیا معلوم کہ اللہ ملائکہ پرستی چاہتا ہے یا نہیں۔ مشیت کا پتہ یا عقل سے ہو سکتا ہے یا اللہ کی کسی کتاب کی صراحت سے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کام کا حکم دیتا ہے یا منع کرتا ہے وہی اس کی مشیت یعنی رضا ہوتی چاہیے اور شرک کی اُس نے ممانعت کی ہے لہٰذا توحید ہی اُس کی رضا ہے اور شرک خلافِ رضا۔ رہا مشیت کا عمومی تصور تو بے شک ہر گناہ اور ممنوع فعل بھی اُس کی مشیت کے اندر داخل ہے، لیکن مشیت کا یہ عموم تخلیقی ہے جس سے کسی شخص کے عمل کا کوئی تعلق نہیں۔ مشیتِ تخلیقی پر مشیت بمعنی رضا کو قیاس کرنا اٹکل پچو بے بنیاد قیاس نہیں تو اور کیا ہے

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ مشرکوں کے پاس شرک کا جواز کا عقلی ثبوت ہے نہ نقلی نہ فکر ہے نہ علم بلکہ ایک جواب جاہلانہ ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا اور وہ یقیناً راہِ راست پر تھے لہٰذا ہم بھی اُن کے نقشِ قدم پر چل کر منزلِ مقصود پر پہنچ جائیں گے، مگر یہ جواب وہی ہے جو ہمیشہ سے عیش پسند آرام کوش راحت طلب طبقہ جو فکر و علم سے خالی ہوتا ہے کہتا

toobaafoundation.com

چلا آیا ہے۔ جب بھی اُن کے پاس کوئی پیغمبر اللہ کا پیام ہدایت لے کر پہنچا اور حکم خدا وندی کی مخالفت کے نتیجۂ بد سے ڈرایا اور توحید و عمل صالح کی تعلیم دی اُس کور دانش طبقہ نے اپنے عقیدہ اور عمل کے جواز میں یہی جواب دیا کہ ہم نے اپنے اسلاف کو اسی طریقہ پر پایا اور انہیں کے نقش قدم پر ہم چل رہے ہیں۔

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

پیغمبر وقت نے سمجھایا کہ تمہارے باپ دادا کا جو طریقۂ زندگی تھا جس پر تم نے ان کو پایا تھا وہ غلط تھا میں تو تمہارے پاس ایسی صحیح تعلیم لے کر آیا ہوں اور وہ ضوابط حیات بتا رہا ہوں جو تمہارے باپ دادا کے طریقہ سے کہیں زیادہ منزل پر پہنچانے والے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں بھی تم باپ دادا کے طریقہ پر چلتے رہو گے۔ اور میری ہدایت کو نہیں مانو گے۔ مشرکوں نے جواب دیا تم سب لوگ جس پیام ہدایت کے حامل بنا کر بھیجے گئے ہو ہم کو اس سے انکار ہے یعنی نہ ہم کو اس کا یقین ہے کہ اللہ نے تم کو یہ پیام پہنچا لے اور اس طرح ہدایت کرنے پر مقرر کیا ہے نہ اس تعلیم کو ہم باپ دادا کے طریقہ کے مقابلے میں صحیح اور مفید سمجھتے ہیں۔

قَالَ کا فاعل رسول ہے اور اُرْسِلْتُمْ کے مخاطب رسول اور رسول کے تمام ساتھی ہیں۔

اس سرکشی غلط روی اور خطا کوشی کا آخر نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی اور پوری قوم کا تختہ تاراج کر دیا۔ اہلِ دانش اور آنکھوں والے اُن تکذیب کرنے والوں کے آثار دیکھ سکتے ہیں جو دیکھنا چاہے دیکھ لے کہ ان میں کوئی فرد نہیں بچا (اُن کی ساری طاقت، صنعت، مدنیت، کثرت، حکومت اور ہر چیز تباہ ہو کر رہ گئی۔)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ

اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جبکہ ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں اُن چیزوں (کی عبادت) سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو مگر ہاں جس نے مجھ

سَيَهْدِيْنِ ۝ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ

کو پیدا کیا پھر وہی مجھ کو رہنمائی کرتا ہے اور وہ اس (عقیدہ) کو اپنی اولاد میں (بھی) ایک قائم رہنے والی بات کر گئے تاکہ (ہر زمانہ میں مشرک) لوگ (شرک سے) باز کر رہیں بلکہ میں نے

وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝

انکو اور انکے باپ دادوں کو (دنیا کا) خوب سامان دیا ہے یہاں تک کہ اُن کے پاس سچا قرآن اور صاف صاف بتانے والا رسول آیا اور جب اُن کے پاس یہ سچا قرآن پہنچا تو کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اسے نہیں مانتے

تفسیر

جب کفر کی طاقت انتہائی عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ باوجود غلطی عقیدہ طغیان عمل اور اسراف زندگی کے ان کا اقتدار ہمہ گیر ہوتا جاتا ہے۔ دولت بڑھتی جاتی ہے۔ دنیوی علوم میں ترقی اور صنعت میں فراوانی ہوتی جاتی ہے تو ایسی قوم غلط روی اور خطاء عقیدہ سے آگے بڑھ کر کج فکری میں بھی مبتلا ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہر (امتحانی) عنایت و نعمت اپنی فکر و کوشش کا نتیجہ قرار دے کر مزید گمراہی میں پڑ جاتی ہے۔ ایسے وقت میں انہیں کے اندر سے کوئی صحیح الفطرت صالح الفکر انسان پیدا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور تقاضائے دانش کے زیر اثر قوم کے افکار و اطوار سے بیزاری کا اظہار کرتا اور ساری گمراہ قوم کو صداقت و حقانیت کی راہ دکھاتا ہے اور اپنے قول کے ثبوت میں کھلے ہوئے نشان اور واضح معجزات کو پیش کرتا ہے، مگر وہ لوگ اپنی نسبی اور موروثی آبائی عزت حکومت دولت صنعت اور طاقت پر اتنے مغرور ہوتے ہیں کہ رسولِ امین اور ہادیٔ برحق کے پیام ہدایت کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیتے ہیں اور ہادیٔ صادق کے کھلے معجزات اور آیات بینات کو جادو سے تعبیر کرنے لگتے ہیں۔ اُن کی باطنی آنکھ میں تو روشنی ہوتی نہیں اور ظاہری آنکھ سے چمک دکھتی

toobaafoundation.com

ہے جس کا انکار نہیں کر سکتے، اس لئے ہیرے اور شیشے کی چمک میں فرق نہیں کر سکتے اور غیبی قوتِ قدسیہ کے حامل کو شعبدہ باز اور شیطانی طاقت کا مظہر قرار دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی یہی قصہ ہوا۔ آپ بھی ایک طاقتور متمدن حکمران پُر جبروت باطل پرست مشرک قوم میں پیدا ہوئے اور قوم کے افکار و اعمال سے بیزاری کا اعلان کرنے کے ساتھ سب کو راہِ حق دکھائی، مگر کسی نے راہِ حق کا ساتھ نہیں دیا۔

تحلیلِ اجزاء وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ۔ حضرت ابراہیم کا قصہ قرآن مجید میں بہت جگہ آیا ہے کیونکہ اولادِ اسمٰعیلؑ (عرب) اور بنی اسرائیل آپ ہی کی نسل میں سے تھے اور سب اپنے مسلک کو مسلکِ ابراہیمی کہتے تھے۔ حضرت ابراہیم کے والد کا نام آذر تھا بعض اہلِ تاریخ نے باپ کا نام تارخ اور چچا کا نام آذر قرار دیا ہے اور چونکہ چچا کو بھی باپ کہہ لیا جاتا ہے اور آذر نے ہی حضرت ابراہیمؑ کی پرورش کی تھی، اس لئے قرآن مجید نے آذر کو پدرِ ابراہیمؑ قرار دیا ہے۔

قومِ ابراہیمؑ سے مراد تمام اہلِ بابل ہیں۔ نسل یا وطن کے اتحاد کی وجہ سے ان کو قومِ ابراہیم فرمایا۔ انسان کے افراد و اجتماع کی تقویم و ساخت نسل اور قرابت سے بھی ہوتی ہے اور وطنی اشتراک سے بھی اور دستورِ زندگی کی یگانگت سے بھی اور وحدتِ فکر و نظر سے بھی، اس لئے کنبہ اور قبیلہ کو بھی قوم کہا جاتا ہے اور اہلِ وطن کو بھی اور ایک رسم و رواج پر عمل کرنے والوں کو بھی اور کفر یا ایمان میں شرکت کرنے والوں کو بھی۔ دستورِ زندگی میں یگانگت اور فکر و نظر میں اتحاد رکھنے والوں کو ایک ملّت کے افراد کہا جاتا ہے۔ علاوہ ایک قوم ہوتے کے وہ متحد الملّت بھی ہوتے ہیں، اسی لئے مومن کو مومن کا اور کافر کو کافر کا ہم ملّت کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی کافروں سے شرکت قرابت کی بھی تھی اور وطن کی بھی، اس لئے وہ آپ کے برادران وطن و قرابت تھے، مگر ہم ملّت نہ تھے اسی لئے آپ نے اُن کے شرک سے بیزاری کا اعلان کیا اور بلند آہنگی سے فرمایا کہ جب عدم سے وجود میں لانے والا ایک ہے تو وہی راہِ زندگی بتانے والا بھی ہوگا۔ جو خالق ہے اُسی کو شارعِ حیات بھی ہونا چاہیئے۔ جب عدم سے حیات کی طرف اُس نے راہنمائی کی تو کوئی وجہ نہیں کہ زندگی میں وہ صحیح فکر و عمل کی راہ نمائی نہ کرے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسی توحیدِ الوہیت و ربوبیت کی تلقین اپنی اولاد کو بھی کی اور ساری نسل کے لئے اسی کلمۂ تنزیہ و توحید کو باقی چھوڑ گئے تاکہ لوگ سوچ سمجھ کر تمام پیچ در پیچ پگ ڈنڈیوں کو چھوڑ کر اسی صراطِ مستقیم کی طرف لوٹیں اور اسی پر گامزن رہیں، لیکن حضرت ابراہیمؑ کے قوم والوں نے آپ کی ہدایت کو نہ مانا اور اپنی اور اپنے باپ دادا کی حکومت، دولت، طاقت، مدنیت اور ہمہ گیر سطوت کو اپنے مسلک کے صحت کے ثبوت میں پیش کیا اور کہنے لگے اگر ہم حق کی راہ پر گامزن نہ ہوتے اور ہمارے باپ دادا کج راہ ہوتے تو ہم کو یہ نعمتیں کیسے ملتیں۔ بیوقوف اتنا نہ سمجھے کہ یہ نعمت تو خدا داد ہے خود آوردہ نہیں۔ یہ تو خدا کی ایک عنایت ہے۔ وہ بندوں کو ہر طرح نوازتا ہے۔ لیکن جب بندے اس کی بتائی ہوئی راہ پر نہیں چلتے اور خدا پرست ہونے کی بجائے خود پرست ہو جاتے ہیں تو ان کی تنبیہ کے لئے پیامِ حق و صداقت بھیجتا اور کسی پیغمبر کو مقرر کرتا ہے تاکہ پیغمبر کھول کھول کر اچھے بُرے خیر و شر اور خطا صواب کو الگ الگ بیان کر دے۔ جب پیغمبر آکر اللہ تعالیٰ کا پیام پہنچاتا اور دلائل و معجزات سے اپنے قول کی صداقت ثابت کرتا ہے تو جاہلوں کے پاس سوا اس کے کوئی جواب نہیں ہوتا کہ تم جادوگر ہو کچھ شیطانی طاقتیں تمہاری مددگار ہیں۔ ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے اور ہرگز تسلیم نہیں کریں گے کہ اللہ نے تم کو ہدایت کرنے کے لئے بھیجا ہے اور تمہارا یہ پیام حاملِ حق و صداقت ہے۔

(اسرائیلی اہلِ کتاب اور) اسماعیلی عربوں کی بھی یہی کیفیت تھی۔ انہوں نے مسلکِ ابراہیمی اور وہ مشربِ زندگی چھوڑ دیا تھا جو حضرت ابراہیم اپنی نسل کے لئے چھوڑ کر گئے تھے۔ توحید کی جگہ شرک کو ان لوگوں نے اختیار کر لیا تھا اور اپنی کثرت، طاقت اور فراوانیٔ مال و حریت کو اپنے مسلک کی صداقت کے ثبوت میں پیش کرتے تھے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حق نازل فرمایا اور رسولِ امین کو مبعوث فرمایا جنہوں نے

ہے جس کا انکار نہیں کر سکتے ۔ اس لئے ہیرے اور شیشے کی چمک میں فرق نہیں کر سکتے اور نبی قوتِ قدسیہ کے حامل کو شعبدہ باز اور شیطانی طاقت کا مظہر قرار دیتے ہیں ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی یہی قصہ ہوا ۔ آپ بھی ایک طاقتور متمدن حکمران پُرجبروت باطل پرست مشرک قوم میں پیدا ہوئے اور قوم کے افکار و اعمال سے بیزاری کا اعلان کرنے کے ساتھ سب کو راہِ حق دکھائی ، مگر کسی نے راہِ حق کا ساتھ نہیں دیا ۔

تحلیلِ اجزاء

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ بَلْ مَتَّعْتُ هَٰؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ ۔ حضرت ابراہیم کا قصہ قرآن مجید میں بہت جگہ آیا ہے کیونکہ اولادِ اسمٰعیلؑ (عرب) اور بنی اسرائیل آپ ہی کی نسل میں سے تھے اور سب اپنے مسلک کو مسلکِ ابراہیمی کہتے تھے ۔ حضرت ابراہیم کے والد کا نام آذر تھا بعض اہلِ تاریخ نے باپ کا نام تارخ اور چچا کا نام آذر قرار دیا ہے اور چونکہ چچا کو بھی باپ کہہ لیا جاتا ہے اور آذر نے ہی حضرت ابراہیمؑ کی پرورش کی تھی ، اس لئے قرآن مجید نے آذر کو پدرِ ابراہیمؑ قرار دیا ہے ۔

قومِ ابراہیمؑ سے مراد تمام اہلِ بابل ہیں ۔ نسل یا وطن کے اتحاد کی وجہ سے ان کو قومِ ابراہیم فرمایا ۔ انسان کے افراد و اجتماع کی تقویم ساخت نسل اور قرابت سے بھی ہوتی ہے اور وطنی اشتراک سے بھی اور دستورِ زندگی کی یگانگت سے بھی اور وحدتِ فکر و نظر سے بھی ، اس لئے کنبہ اور قبیلہ کو بھی قوم کہا جاتا ہے اور اہلِ وطن کو بھی اور ایک رسم و رواج پر عمل کرنے والوں کو بھی اور کفر یا ایمان میں شرکت کرنے والوں کو بھی ۔ دستورِ زندگی میں یگانگت اور فکر و نظر میں اتحاد رکھنے والوں کو ایک ملّت کے افراد کہا جاتا ہے ۔ علاوہ ایک قوم ہونے کے وہ متحد الملّت بھی ہوتے ہیں ، اسی لئے مومن کو مومن کا اور کافر کو کافر کا ہم ملّت کہا جاتا ہے ۔ حضرت ابراہیمؑ کی کافروں سے شرکت قرابت کی بھی تھی اور وطن کی بھی ، اس لئے وہ آپ کے برادرانِ وطن و قرابت تھے ، مگر ہم ملّت نہ تھے اسی لئے آپ نے اُن کے شرک سے بیزاری کا اعلان کیا اور بلند آہنگی سے فرمایا کہ جب عدم سے وجود میں لانے والا ایک ہے تو وہی راہِ زندگی بتانے والا بھی ہوگا ۔ جو خالق ہے اُسی کو شارعِ حیات بھی ہونا چاہیئے ۔ جب عدم سے حیات کی طرف اُس نے راہنمائی کی تو کوئی وجہ نہیں کہ زندگی میں وہ صحیح فکر و عمل کی راہ نمائی نہ کرے ۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسی توحیدِ الوہیت و ربوبیت کی تلقین اپنی اولاد کو بھی کی اور ساری نسل کے لئے اسی کلمۂ تنزیہ و توحید کو باقی چھوڑ گئے تاکہ لوگ سوچ سمجھ کر تمام پیچ در پیچ پگ ڈنڈیوں کو چھوڑ کر اسی صراطِ مستقیم کی طرف لوٹیں اور اسی پر گامزن رہیں ، لیکن حضرت ابراہیمؑ کے قوم والوں نے آپ کی ہدایت کو نہ مانا اور اپنی اور اپنے باپ دادا کی حکومت ، دولت ، طاقت ، مدنیت اور ہمہ گیر سطوت کو اپنے مسلک کے صحت کے ثبوت میں پیش کیا اور کہنے لگے اگر ہم حق کی راہ پر گامزن نہ ہوتے اور ہمارے باپ دادا کج راہ ہوتے تو ہم کو یہ نعمتیں کیسے ملتیں ۔ بیوقوف اتنا نہ سمجھے کہ یہ نعمت تو خداداد ہے خود آوردہ نہیں ۔ یہ تو خدا کی ایک عنایت ہے ۔ وہ بندوں کو ہر طرح نوازتا ہے ۔ لیکن جب بندے اس کی بتائی ہوئی راہ پر نہیں چلتے اور خدا پرست ہونے کی بجائے خود پرست ہو جاتے ہیں تو ان کی تنبیہ کے لئے پیامِ حق و صداقت بھیجتا اور کسی پیغمبر کو مقرر کرتا ہے تاکہ پیغمبر کھول کھول کر اچھے بُرے خیر و شر اور خطا صواب کو الگ الگ بیان کر دے ۔ جب پیغمبر آکر اللہ تعالیٰ کا پیام پہنچاتا اور دلائل و معجزات سے اپنے قول کی صداقت ثابت کرتا ہے تو جاہلوں کے پاس سوا اس کے کوئی جواب نہیں ہوتا کہ تم جادوگر ہو کچھ شیطانی طاقتیں تمہاری مددگار ہیں ۔ ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے اور ہرگز تسلیم نہیں کریں گے کہ اللہ نے تم کو ہدایت کرنے کے لئے بھیجا ہے اور تمہارا یہ پیام حاملِ حق و صداقت ہے ۔

(اسرائیلی اہلِ کتاب اور) اسماعیلی عربوں کی بھی یہی کیفیت تھی ۔ انہوں نے مسلکِ ابراہیمی اور وہ مشربِ زندگی چھوڑ دیا تھا جو حضرت ابراہیم اپنی نسل کے لئے چھوڑ کر گئے تھے ۔ توحید کی جگہ شرک کو ان لوگوں نے اختیار کر لیا تھا اور اپنی کثرت ، طاقت اور فراوانی مال و حریت کو اپنے مسلک کی صداقت کے ثبوت میں پیش کرتے تھے ۔ آخر اللہ تعالیٰ نے قرآن حق نازل فرمایا اور رسولِ امین کو مبعوث فرمایا جنہوں نے

toobaafoundation.com

واضح دلیل اور کھلے معجزات پیش کر کے راہ حق دکھائی۔ مگر کم بختوں نے اللہ کے رسول کو جادوگر قرار دیا اور کہنے لگے ہم تمہاری بات کی حقانیت اور تمہارا دعوئ رسالت تسلیم نہیں کر سکتے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ

اور کہنے لگے کہ یہ قرآن (اگر کلام الٰہی ہے تو) ان دونوں بستیوں (مکہ اور طائف کے رہنے والوں) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا کیا یہ لوگ آپ کے

رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ

رب کی رحمت (خاص طور پر نبوت) کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں دنیوی زندگی میں تو ان کی روزی ہم (ہی) نے تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تاکہ

فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا

ایک دوسرے سے کام لیتا ہے (اور عالم کا انتظام قائم رہے) اور آپ کے رب کی رحمت بدرجہا اُس (دنیوی مال و متاع) سے بہتر ہے جس کو

يَجْمَعُوْنَ ۝ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ

یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں اور اگر یہ بات (متوقع) نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقہ کے ہو جائیں گے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں

سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۝ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ

اُن کے لئے ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے اور سیڑھیاں بھی جن پر سے چڑھا (اترا) کرتے اور اُن کے گھروں کے کواڑ بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں

وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ

اور یہی چیزیں سونے کی بھی (یہ سب سازوسامان) کچھ بھی نہیں صرف دنیوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے (پھر فنا آخر فنا) اور آخرت آپ کے رب کے ہاں خدا ترسوں کے لئے ہے۔

تفسیر جن لوگوں کی روحانی آنکھ نابینا اور نور بصیرت بجھا ہوا ہوتا ہے اُن کا خود ساختہ معیارِ برتری، مال کی فراوانی، قومی سیادت و حکومت، دنیوی وجاہت، جسمانی طاقت، جتھہ کی کثرت اور ہمہ گیر سطوت ہوتی ہے اور اسی معیار پر وہ روحانیت کی روشنی، اخلاق و کردار کی پاکیزگی، فطرت کی سلامتی اور استحقاق نبوت کو ڈھالنا چاہتے ہیں۔ جتھہ دار دولت مند اور پُرجبروت سردار ہی ان کی نظر میں روحانی روشنی کا حامل اور مستحق نبوت بھی ہوتا ہے۔ نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ایجابی ہو یا استحقاقی خود اللہ کے انتخابی موقع پر نازل ہوتی ہے۔ اُس کی رحمت کبھی مادی ہوتی ہے کبھی روحانی اور عقلی۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی مشیت کے مطابق دنیا کی معاش اور دولت کی تقسیم کی ہے کسی کو کم کسی کو زیادہ دی ہے تاکہ انسانی مادی اجتماعیت میں فساد نہ پیدا ہو۔ کسی کو خادم بنایا کسی کو مخدوم۔ کسی کو حاکم کسی کو محکوم۔ اگر کمی بیشی کے ساتھ تقسیم دولت نہ ہوتی تو تنظیم اجتماعیت کیسے ہوتی اور کون کسی کا محتاج اور دست نگر ہوتا اور یہ سوسائٹی کیسے درست رہتی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی روحانی رحمت سے بھی جس کو چاہا سرفراز کیا۔ روحانی رحمت مادی رحمت سے کہیں زیادہ جلیل القدر اور بڑھ چڑھ کر ہے اعلیٰ کو ادنیٰ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کو اگر تنظیم اجتماعیت کا پاس نہ ہوتا تو کافروں کے مکان سونے اور چاندی کے بنا دیتا۔ اور ہر طرح کی راحت و دولت ہر کافر کو عطا کر دیتا، مگر یہ چیزیں تو صرف مایۂ دنیا ہیں، آخرت پر ان کو

toobaafoundation.com

رقیاس کرنا غلطی ہے۔ وہاں تو وہی لوگ کامران اور فلاح یاب ہوں گے جو شرک سے بیزار، گناہوں سے پاک اور دنیا کی ہر آلائش سے پرہیز رکھنے والے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ تقسیم رحمت ہے۔ کسی کو دنیوی دولت و راحت دی اور کسی کو نبوت اور آخرت کی کامیابی سے سرفراز فرمایا۔

تحلیلِ اجزاء

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قریتین سے مراد دو شہر مکہ اور طائف ہیں۔ مکہ والوں میں ولید بن مغیرہ کو اہل طائف میں عروہ بن مسعود ثقفی کو بڑا آدمی کہا جاتا تھا۔ کافروں نے اول تو نبوت کی ضرورت ہی تسلیم نہ کی تھی۔ قومی رسم و رواج اور اجتماعی دستور ہی اُن کے لئے کافی تھا۔ آباؤ اجداد کی تقلید اور طریقۂ زندگی کی قدامت اُن کی نظر میں معیارِ صداقت تھی، لیکن بادلِ ناخواستہ اور ناگواری خاطر کے ساتھ اگر وہ ضرورتِ نبوت کو تسلیم بھی کر لیتے تھے تو استحقاقِ نبوت اور محلِ نبوت ہونے کا معیار اُن کے نزدیک صرف مال کی کثرت، قوم کی سیادت، دنیوی وجاہت (اور شاید عمر کی بیشی بھی) تھی۔ کسی ایسے نادار کم عمر آدمی کو جو قوم اور جتھہ کا سردار بھی نہ ہو نبی بننے اور بنائے جانے کا کوئی حق نہ تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا حامل اُسی شخص کو ہونا چاہیے جس کے اقتدار کے سامنے لوگوں کے سر جھکتے ہوں اور دنیوی حیثیت میں ممتاز ہو، اسی لئے مکہ کے کافر کہتے تھے کہ طائف یا مکہ کے کسی بڑے آدمی پر یہ قرآن نازل کیوں نہ ہوا اور دونوں بستیوں کے سرداروں میں سے کسی کو پیغمبر کیوں نہیں بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔ کہ کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت کی تقسیم ان کے قبضہ میں اور ان کے قائم کردہ معیار پر ہے کیا یہ لوگ خود اللہ تعالیٰ کی رحمت کی تقسیم کرتے ہیں۔ دنیوی مادی رحمت کی تقسیم جس طرح اللہ تعالیٰ کرتا ہے اسی طرح باطنی روحانی اور اُخروی رحمت کی تقسیم بھی اُسی کا عملِ اختیاری ہے۔ جس طرح سوسائٹی اور اجتماعیت کی معاشی تنظیم اور سیاسی درستگی قائم کرنے اور باقی رکھنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے کسی کو زیر دست بنایا کسی کو بالادست کسی کو نادار کسی کو زردار کسی کو حاکم اور کسی کو فرماں پذیر۔ اسی طرح باطنی نعمت (نبوت) اور آخرت کی رحمت بھی وہی تقسیم کرتا ہے۔ دنیوی دولت کی فراوانی نبوت کا مستحق نہیں بنا دیتی پھر طائف یا مکہ کے کسی بڑے مال دار آدمی پر قرآن کیوں اتارا جاتا۔ لوگ مال کی کثرت اور قوم کی سیادت پر اکڑتے ہیں اور اس کو معیارِ برتری قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ جس مال و متاع اور زر و جواہر کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی (باطنی) رحمت (اخلاق کی درستگی افکار کی صحت اعمال کی حقانیت نبوت ولایت اور جنت) اُس سے کہیں برتر ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت مل جائے حقیقت میں بڑا آدمی وہ ہے۔ زردار سردار بڑا آدمی نہیں۔ یہ زرداری اور ناداری تو محض تنظیمِ معاشی کے لئے ہے نہ کہ برتری کا معیار قائم کرنے کے لئے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں تو اس مال کی اتنی بھی عزت نہیں جتنی مچھر کے پر کی ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں دنیا کی قدر مچھر کی پر برابر بھی ہوتی تو کافر کو سرد پانی بھی نہ دیتا (ترمذی) فرمایا اللہ تعالیٰ مومن کو دنیا سے اس طرح روکتا ہے جیسے کوئی شخص بیمار کو پانی سے روکتا ہے۔ (ترمذی)

وَلَوْلَا اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۙ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ۙ وَزُخْرُفًا ۗ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیوی مال کی ناقدری کی یہ حالت ہے کہ اگر سب لوگوں کے ایک جیسا ہو جانے کا پاس نہ ہوتا (اور یہ بات کبھی نہ ہوتی کہ سب لوگ مال دار ہو جائیں گے اور کوئی مال کا ضرورت مند نہ رہے گا اور اس سے معاشرہ کی تنظیم تباہ ہو جائے گی نہ کوئی خادم رہے گا نہ مخدوم نہ کاشت کار نہ صنعت کار۔ نہ حاکم نہ محکوم نہ حکمران نہ فرماں پذیر کوئی کسی حاجت مند ہی نہیں رہے گا پھر کون کسی کا دست نگر ہو گا اور سوسائٹی کی ہیئت تنظیمی کیسے بنے گی) تو اللہ تعالیٰ کافروں کے پاس سونے چاندی کے انبار لگا دیتا اُن کے مکان کی چھتیں چھتوں پر چڑھنے کے زینے گھروں کے دروازے اور لیٹنے سونے کے تخت سونے چاندی کے بنا دیتا، مگر اس مال و زر کی تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی عزت ہی نہیں ہے۔ وقعت و قدر تو آخرت کی نعمتوں کی ہے اور اُخروی نعمت کے حصول کا ذریعہ کفر و معصیت نہیں بلکہ کفر و معصیت سے اجتناب اور ایمان و اعمال صالحہ ہیں۔ جنت کافروں کا حق نہیں پرہیزگاروں کا حق ہے، اسی لئے کافر اس سے محروم رہیں گے۔

toobaafoundation.com

مقصودِ بیان

هُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ سے معلوم ہو رہا ہے کہ نبوت اللہ تعالیٰ مخصوص رحمت۔ الفاظ کا عمومی حکم یہ بھی ظاہر کر رہا ہے کہ رحمتِ رب (یعنی روحانی اور جسمانی ہر طرح کی نعمت) میں انسان کی مشیت و انتخاب کو دخل نہیں۔

نَحْنُ قَسَمْنَا سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی اجتماعیت کی درستگی اور تنظیم معاش کی کمی بیشی اور مال کی کثرت و قلت پر موقوف ہے۔ بالادستی اور زیردستی فقر و غنا اور حاکمیت و محکومیت صرف اسی تنظیم کو قائم رکھنے کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم کی ہوئی ہے یعنی اٹل ہے۔ مساوات معاشی یا مساوات حکمرانی کا تصور ہی اجتماعیت کی تنظیم کے خلاف ہے۔

رَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ سے آخرت کی نعمت کی ترغیب اور دنیوی مال و منال سے نفرت دلانے کی طرف اشارہ ہے۔

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ سے یہ بتانا غرض ہے کہ سونا چاندی اور دولت و مال کی اللہ تعالیٰ کی نظر میں کوئی قدر نہیں ورنہ کافروں کو نہ دی جاتی۔ ایک بات یہ بھی بتانی مقصود ہے کہ سب لوگوں کا ایک طریقہ پر ہو جانا اور ہر ایک کا مال دار بن جانا چونکہ اجتماعی تنظیم میں خلل انداز ہے اس لئے ہر شخص کو مال دار نہیں بنایا گیا۔

وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ میں صراحت کی گئی ہے کہ شرک سے بچنے والے نیکوکاروں کا ہی جنت میں داخلے کا حق ہے، اس لئے ترغیب توحید و تقویٰ دنیا بھی فی الجملہ مقصود ہے۔ وغیرہ۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ○ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ

اور جو شخص اللہ کی نصیحت (یعنی قرآن) سے اندھا بن جائے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں سو وہ (ہر وقت) اس کے ساتھ رہتا ہے اور وہ انکو راہِ (حق)

عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَ

سے روکتے رہتے ہیں اور یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ راہ راست پر ہیں یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس آوے گا تو (اس شیطان سے) کہے گا کاش

بَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ○ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ

میرے اور تیرے درمیان میں (دنیا میں) مشرق و مغرب کی برابر فاصلہ ہوتا کہ (تو تو) برا ساتھی تھا اور (اُن سے کہا جاوے گا کہ) جبکہ تم (دنیا میں) کفر کر چکے تھے تو آج

فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ○ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○

یہ بات تمہارے کام نہ آوے گی کہ تم (اور شیاطین) سب عذاب میں شریک ہو سو کیا آپ (ایسے) بہروں کو سنا سکتے ہیں یا (ایسے) اندھوں کو اور ان لوگوں کو جو کہ صریح گمراہی میں ہیں راہ پر لا سکتے ہیں

تفسیر

انسان کو فطری طور پر شر کی طاقتیں بھی عطا کی گئی ہیں یعنی علمی اور عملی ایسی قوتیں دی گئی ہیں جن کو ایک طرف موڑ نے سے شر اور دوسرے رخ پر موڑنے سے خیر نمودار ہوتی ہے۔ مثلاً ایک ہی قوتِ فکریہ ہے جو فریب کاری دھوکہ بازی اور مکاری کے ہمہ رس جال بھی بنتی ہے جس میں گرفتار ہو کر لوگ تباہ ہوتے ہیں اور یہی قوتِ فکریہ اللہ تعالیٰ کی ذات صفات نبوت اور دنیوی و دینی ضوابط کا صحیح علم بھی رکھتی ہے اور درست عقائد و افکار کی حامل بھی ہوتی ہے اول رخ شر کا ہے جس سے شر کا ظہور ہوتا ہے اور دوسرا رخ خیر کا ہے جس سے خیر رونما ہوتی ہے یہی حال صنفی اور بطنی خواہشات کی طاقت اور ضرر رساں چیزوں کو دفع کرنے والی قوت کا بھی ہے۔ ان کا رخ بھلائی کی طرف بھی موڑا جا سکتا ہے اور برائی کی طرف بھی۔ ان کے عمل سے تباہی عالم کا کام بھی لیا جا سکتا ہے اور تعمیر عالم کا بھی۔ خیر و شر کی طرف فطری اور تخلیقی طاقتوں کا رخ موڑنا اللہ تعالیٰ نے انسان کے اختیار میں کر دیا ہے۔ نتیجہ اچھا یا برا اگرچہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور تخلیق پر موقوف ہے۔ انسان کے قصد ہی نہیں مگر اندرونی قوتوں کو

اپنے ارادہ کے زیرِ اثر کسی طرف کو موڑنا بندہ کے اختیار میں ہے پس جب انسان اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوتا ہے اور زندگی ہمہ گیر قدرت کو دیکھنے سے اس کی نگاہ ہٹ جاتی ہے تو پھر بیرونی شیطانوں کا بھی اُس پر قابو چل جاتا ہے اور کوئی نہ کوئی مخفی شیطان اُس کے ساتھ لگ جاتا ہے (جیسے راہِ مستقیم سے ہٹ کر کسی پگڈنڈی کی طرف مڑ جانے والی بھیڑ ہوتی ہے کہ جب شاہراہ سے ہٹی تو کسی بھیڑیے کا لقمہ بنی۔ یہی حال انسان کا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا اور اللہ کی طرف سے توجہ کو ہٹا لیتا ہے تو کوئی شیطان اُس کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور ہر وقت اس کے ساتھ لگ جاتا ہے۔ گھر ہو یا بازار، شہر ہو یا جنگل، خلوت ہو یا جلوت کسی حال میں شیطان پیچھا نہیں چھوڑتا، مگر شیطان کی اس دست رس کی اصل علت انسان کی خود آوردہ غلط اندیشی اور غلط روی ہوتی ہے) پھر شیطان کا یہ تسلط بھی اللہ کے حکم سے اور مسلط کرنے سے ہوتا ہے۔ ورنہ شیطان میں یہ قدرت کہاں کہ اللہ کے نیک بندوں کو بہکا سکے اور شیطان کو ضلال آفرینی پر اللہ کی طرف سے مسلط کرنا اس امر پر مبنی ہوتا ہے کہ آدمی خود اپنی طاقتوں کے رُخ کو شر کی طرف موڑتا ہے۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کرنے والے کا پیچھا مرتے دم تک شیطان نہیں چھوڑتا۔ غافل انسان زندگی بھر شیطانوں کی ابد فریبیوں میں پھنسا رہتا ہے۔ شیطان اُس کو راہِ حق سے روکتے رہتے ہیں اور وہ سمجھتا رہتا ہے میں صراطِ مستقیم پر گامزن ہوں۔ بالآخر اسی حالت میں موت آجاتی ہے اور شیطان سے پیچھا چھوٹ جاتا ہے، لیکن جب قیامت کا دن ہوگا اور انسان اپنی گمراہی اور کج روی کو شیطان کی طرف منسوب کرے گا اور زندگی کا کیا کرایا دوزخ کی شکل میں سامنے آجائے گا اور یہ شخص اپنے شیطان کے ساتھ دوزخ میں گرفتارِ عذاب ہوگا تو تمنا کرے گا اور شیطان سے کہے گا کہ کاش زندگی کے دور میں میرے اور تیرے درمیان مغرب مشرق کا فاصلہ ہوتا کہ تیری رسائی ہی نہ ہوتی اور تو میری شکل ہی نہ دیکھتا، لیکن اُس روز اس قسم کی تمنا بے سود ہوگی۔ دونوں عذاب میں مبتلا ہوں گے اس تمنا سے عذاب میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

حقیقت میں جو لوگ شیطانی اغوا میں پھنس جاتے ہیں ان کے کان حق کو سننے سے بہرے اور آنکھیں صداقت کی تصویر دیکھنے سے اندھی اور دماغ راہِ راست کی تمیز کرنے سے معطل ہو جاتے ہیں اور جن کے حواس ہی حق کو دیکھنے، سننے اور سمجھنے سے معطل ہو جائیں اُن کو ہدایت یاب کرنا انسان کی قدرت سے خارج ہے۔

تحلیل اجزاء وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ یعش کا مادہ عَشْوٌ ہے فراء اور زجاج کے نزدیک عشو کا معنی ہے اعراض اور مڑ جانا۔ خلیل نے اس کا ترجمہ کمزور نظر کیا ہے۔ جوہری نے صحاح میں لکھا ہے اعشی وہ شخص جس کو رات کے وقت کچھ نہ دکھتا ہو اس کا مؤنث عشوی ہے اور عشا مصدر ہے۔ چونکہ اس کے بعد عن آیا ہے، اس لیے ہم نے اس کا ترجمہ غافل ہونا اور روگرداں ہونا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ہمہ وقت دل کے تعلق کی استواری اور لو لگائے رکھنا ذکر الرحمٰن ہے۔ یہی قلبی تعلق جب دوسری مادی جسمانی قوتوں پر غالب آکر اپنا تسلط جما لیتا ہے تو پھر ساری جسمانی قوتیں اسی نورِ باطن کے پرتو سے روشن ہو جاتی ہیں۔ ہاتھ پاؤں اپنی حرکت و سکون میں رحمٰن کی رحمت کو یاد رکھنے اور یاد کا مختلف طور پر مظاہرہ کرتے ہیں۔ کبھی عباداتی شکل میں اور کبھی پابندی شرع کے ساتھ معاملاتی شکل میں زبان پر ہر وقت سوتے جاگتے اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اللہ تعالیٰ کا ذکر رواں ہوتا ہے۔ کبھی تسبیح تقدیس تکبیر تہلیل اور تحمید و تمجید کے الفاظ کے ساتھ اور کبھی رشد و ہدایت اور صدق و نصیحت کے کلمات کے ساتھ کبھی تلاوتِ قرآن و حدیث کے ساتھ اور کبھی تجارت، سیاست و حکومت میں پابند شریعت کلام کے ساتھ۔ کان بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور معاملات میں سچی باتیں سنتا ہے اور آنکھ بھی ہر وقت جلوۂ حق دیکھتی ہے اور تصویرِ صداقت پر نفسانی میلان سے پاک ہو کر دیکھتی ہے، لیکن اگر انسان ذکرِ رحمٰن سے غافل ہوا اور روح پر زنگ اور دل میں کثافت پیدا ہوئی تو پھر اس غافل دل پر شیطان آکودتا ہے اور ہر وقت ساتھ لگ جاتا ہے اور خون کے ساتھ ساتھ رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے اور دل کے ہر خانہ میں گھس جاتا ہے اور دماغ کے ہر گوشہ کو اپنا مسکن بنا لیتا ہے اور ارادہ کے تاروں کو ہر وقت جھنجھناتا رہتا ہے اور ہر راہِ نجات و طریق و رشد سے روکتا اور کفر و معصیت کے راستوں پر چلاتا ہے، مگر اس وقت آدمی چونکہ اپنی قوتوں کا خود مالک نہیں رہتا شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہوتا ہے، اس لئے ہر شر کو خیر اور گمراہی کو ہدایت سمجھتا ہے

toobaafoundation.com

گویا خیر و شر میں تمیز کرنے کی فطری طاقت مردہ ہوجاتی ہے۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَنَا قَالَ یٰلَیْتَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ ۝ وَلَنْ یَّنْفَعَكُمُ الْیَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ۔ آخر اسی حالت میں موت آجاتی ہے اور اعمال اپنی شکل میں اجمالی طور پر سامنے آجاتے ہیں یا قیامت کے دن تفصیلی حقیقت کے ساتھ سامنے آئیں گے۔ اور عقائد باطلہ اور اعمال شنیعہ عذاب بن کر ہر طرف سے گھیر لیں گے۔ اس وقت انسان شیطان سے بیزار ہوگا اور ساری عمر کے ہر وقت ساتھ رہنے والے دوست نما دشمن سے اظہار نفرت کرے گا، لیکن اس روز یہ تمنا خام مفید نہ ہوگی چونکہ ابتدائی جرم کا سرچشمہ انسان ہی ہوگا۔ شروع میں اُس نے یہی جرم کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوا تھا اور اس غفلت کی وجہ سے ابلیس کو اس کے حدودِ قلب میں داخل ہونے اور دماغ و ارادے اور فکر و عمل کی طاقتوں پر چھا جانے کا موقع ملا تھا۔ اس کے بعد شیطان نے ہر طرف اور ہر راہ سے آکر آدمی کے ذہن کو اغوا اور سفرِ زندگی کو گمراہ بنایا تھا، اس لئے مجرم دونوں ہوئے اور عذاب میں شرکت بھی دونوں کی ہوگی۔ انسان کی شیطان سے بیزاری اور شیطان کی گمراہی سے ندامت غرض کسی کی نفرت کام نہ آئے گی۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِی الْعُمْیَ وَمَنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ جب انسان اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوجاتا ہے اور اس کے پیشِ نظر اپنی ہستی کا خالق اور تربیت کرنے والا رب اور عقل و نقل کی روشنی دکھانے والا غیبی ہادی نہیں رہتا اور پھر باطل کی ساری پوشیدہ اور ظاہر طاقتیں اُس پر اپنا تسلط جما لیتی ہیں تو پھر اس کے ظاہری اور باطنی حواس اور نظر و فکر کی طاقتیں گمراہ ہوجاتی ہیں۔ اچھے کو برا اور برے کو اچھا سمجھنے لگتی ہیں تصویرِ حق میں اس کو باطل کے نقوش اور مجسمۂ کذب میں صداقت کے خد و خال دکھنے لگتے ہیں۔ سچائی کی دعوت کی آواز میں اس کو صدائے گمراہی اور صوتِ ضلالت میں پیامِ ہدایت سنائی دینے لگتا ہے۔ غرض وہ آنکھوں والا نابینا اور کانوں والا بہرہ اور عقل والا جاہل ہوجاتا ہے۔ ایسے شخص کو راہِ حق دکھانا انسانی قدرت سے خارج ہوتا ہے۔ بہرے کو گوشِ شنوا اندھے کو چشمِ بینا اور فاقد الفکر کو فہمِ رسا کون بخش سکتا ہے۔

مقصودِ بیان

وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ الخ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت ہر طرح کی گمراہی کا اصلی سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی شیطان کو اسی وقت انسان پر دست رس دیتا ہے جب انسان کا دل غافل روح زنگ آلود اور قوتِ فکریہ کثیف ہوجاتی ہے گویا اصل مجرم انسان ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو شیطان کو مسلط کرنا نتیجہ ہوتا ہے آدمی کی کور باطنی کا اور کور باطنی پیدا ہوتی ہے یادِ الٰہی سے غافل ہوجانے سے۔ پس جو لوگ کہتے ہیں کہ جب خدا ہی گمراہ کرتا ہے تو انسان بے قصور ہے اس کو عذاب کیوں دیا جائے گا اُن کے اس وہم کا ازالہ آیت کی اس صراحت سے ہوجانا چاہیئے کہ اصل گمراہی کا سرچشمہ خود انسان کے اندر ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی گمراہ کرنے والی طاقتوں کو اسی پر مسلط کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوجاتا ہے۔

یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ جب آدمی کی اپنی قوتِ فکریہ تاریک ہوجاتی ہے تو پھر شیطان بھی اُس کو ہر قدم پر گمراہ کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ گمراہی کو ہدایت سمجھنے لگتا ہے۔ اس سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ جب تک آدمی گناہ کو گناہ سمجھتا رہتا ہے اُس وقت تک اس کی ہدایت یابی کی امید رہتی ہے اور جب معصیت کو ثواب سمجھنے لگا تو پھر ہمیشہ کے لئے ہدایت سے محروم ہوگیا۔ غِطاء، غِشاء، رین، ختم۔ وغیرہ الفاظ جو قرآن میں محروم القسمت کافروں کے لئے استعمال کئے گئے ہیں اُن سے مراد یہی درجہ ہے جس میں پہنچ کر آدمی اغوائے شیطانی کو ہدایت سمجھنے لگتا ہے۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ سے مراد بطور استعارہ وہ کافر ہیں جن کی آنکھیں حق کی صورت نہیں دیکھتیں اور جن کے کان حق کی آواز نہیں سنتے۔ جو باوجود بینا ہونے کے نابینا اور باوجود شنوا ہونے کے بہرے ہوں گے وغیرہ۔

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۝ اَوْ نُرِیَنَّكَ الَّذِیْ وَعَدْنٰهُمْ

پھر اگر ہم (دنیا سے) آپ کو اُٹھائیں تو بھی ہم اُن سے بدلہ لینے والے ہیں یا اگر ہم اُن سے جو ہم نے عذاب کا وعدہ کر رکھا ہے وہ آپ کو بھی

فَإِنَّا عَلَيْهِم مُّقْتَدِرُونَ ۝ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ

دکھلادیں تب بھی (کچھ بعید نہیں کیونکہ) ہم کو ان پر ہر طرح کی قدرت ہے تو آپ اس قرآن پر قائم رہیے جو آپ پر وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے آپ بیشک

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۖ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ۝ وَسْأَلْ

سیدھے راستہ پر ہیں اور یہ قرآن آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے بے شک بڑے شرف کی چیز ہے اور عنقریب تم سب

ع ۴ ۱۰ مَنْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رُّسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِن دُونِ الرَّحْمَٰنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ ۝

پوچھے جاؤ گے اور آپ اُن سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا دوسرے معبود ٹھہرا دیئے تھے کہ انکی عبادت کی جائے

تفسیر توحید و شرک دو عقیدے ہیں جن کی بنا پر مذہبی لوگ ہمیشہ سے دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اصل عقیدہ توحید ہے اللہ تعالیٰ کے ہر پیام کا سنگ بنیاد توحید ہی ہے جو پیغمبر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا اُس نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی خالقیت، حاکمیت، ربوبیت، شارعیت اور الوہیت کی یکتائی کا اعلان کیا اور اللہ کے سوا کسی کی پرستش کی اجازت نہیں دی شرک کا عقیدہ انسان کا دماغی زائیدہ اور اختراع کردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فوق البشریت یا غیبی کارندوں یا اُن ہستیوں کو جن کو صرف توہم پرستی اور غیر یقینی قیاس آرائی ہے یا اُن مظاہر قدرت کو جو مختار رہنا بے اختیار ہیں ہم گر حسی نظر سے قدرت کی مظہر اکمل دکھائی دیتے ہیں۔ مختار کل اور قادر سمجھ کر رب والٰہ ماننا شرک ہے اور اس کی اجازت کسی آسمانی کتاب میں نہیں ہے، مگر ہے یہ عقیدہ بھی توحید کا ہمزاد۔ فرق یہ ہے کہ توحید کو عقل سلیم نے قبول کیا ہے اور شرک محسوس اور نیم محسوس پرست واہمہ کی تخلیق ہے، توحید سیدھی شاہراہِ حیات ہے اور شرک وہ کج مج پگڈنڈی ہے جس کی انتہا کسی آتشیں غار اور تباہ کن گڑھے پر ہے۔ وحی ایک شرف ہے جو نہ صرف صاحبِ وحی کو عطا کیا جاتا ہے بلکہ اُس خاندان، قبیلے، قوم اور گروہ کو بھی جو صاحبِ وحی کی وحی کو ماننے والا اور پیامِ وحی پر چلنے والا ہوتا ہے، عنایت ہوتا ہے۔ اور شرک کا نتیجہ ہے دنیا میں جان مال کی تباہی ذلت، نکبت اور شکستہ حالی اور آخرت میں عذاب الیم اور خسران مآلی۔ چونکہ شرک کا عقیدہ بذاتِ خود تباہی آفریں ہے اور پیامِ وحی بذاتِ خود سچا ہے، اس لئے وحی مشرکوں کی بستی میں رہے یا بستی سے نکل جائے۔ بلکہ زندہ رہے یا دائرۂ ہستی سے باہر ہو جائے۔ بہر حال اہلِ شرک تو برباد ہونا ہے اور شرک کی دنیوی اور دینی سزا ملنی ہے۔ توحیدی عقیدہ کی حقانیت اور شرک کی تباہی انگیزی کا صاحبِ وحی کی زندگی اور موت یا حضور و غیبوبت پر مدار نہیں ہے

تحلیل اجزاء فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُم مُّنتَقِمُونَ ۝ أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِم مُّقْتَدِرُونَ۔ مشرک کی شرک پرستی اور برحق پیغمبری کی مخالفت بجائے خود تباہ کن ہے۔ خصوصاً اُس صورت میں جب کہ پیغمبر صادق سے مخالفوں اور سرکشوں کو تباہ کرنے کا وعدہ بھی کر لیا گیا ہو۔ پھر ایسی حالت میں پیغمبر کا اپنی کامیابی اور مخالفوں کی بربادی کی امید رکھنا بھی یقینی ہے اور تقاضائے فطرت ہے کہ جب بار بار نمونۂ عذاب دیکھنے کے بعد سرکشوں کی سرکشی میں کمی نہ آئی ہو بلکہ تمرد اور ظلم بڑھتے ہی لگا ہو تو ان کو بالکل برباد ہو جانا ہی چاہیئے اور پیغمبر کو یقین کے ساتھ منتظر رہنا چاہیئے کہ اب یہ قوم برباد ہونے ہی والی ہے، مگر ادھر اللہ تعالیٰ کا وعدۂ غلبہ اُدھر قوم کا ظلم و استبداد اور شوکت و جبروت باوجود یقینِ غلبہ پیغمبر کو پریشانی میں ڈال سکتا ہے کہ نزول عذاب کا وقت کب آئے گا، مگر عذاب کی کوئی ساعت یا دن مقرر نہیں، اس لئے فرمایا کہ ہم آپ کو اس بستی سے کہیں اور لے جائیں یا دنیا ہی سے لے جائیں بہر حال ان سرکشوں سے انتقام ضرور لیں گے یا آپ کی موجودگی میں آپ کی نظروں کے سامنے اگر ان لوگوں کو عذاب دنیوی (قتل، قید، غلامی، محکومی وغیرہ) میں مبتلا کر دیں تو یہ بھی ناممکن نہیں ہے۔ ہم ایسا بھی کر سکتے ہیں (آپ کا اس سے کوئی تعلق نہیں نہ آپ اس کے مکلف ہیں۔

toobaafoundation.com

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ آپ تو اسی حکم ہدایت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہیں جو آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجا گیا ہے ۔ یہی سیدھا راستہ ہے اور آپ راہ راست پر ہیں ۔ (اسی کے مکلف آپ ہیں)

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔــلُوْنَ ۔ اور یہ وحی آپ کے اور آپ کی قوم (یعنی اہل ایمان یا اُمت دعوت) کے لئے ایک یادداشت دستورِ زندگی کی دستاویز اور مآلِ زندگی کا تبصرہ ہے ۔ آپ اور آپ کی قوم اس کی مکلف ہے ۔ اسی کو ماننے نہ ماننے اور عمل کرنے نہ کرنے کی باز پرس سب سے ہوگی (نہ ماننے والے تباہ ہوں گے تو کب ہوں گے ۔ کیسے ہوں گے اس کو جاننا آپ کے لئے ضروری نہیں ۔) وَسْـَٔــلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۔ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ پیامِ توحید کوئی انوکھی چیز اور شرک کی ربیت قدیمی ہے اور دیوتاؤں کی پوجا کا ہمیشہ کا دستور چلا آیا ہے تو یہ اُس کی خام خیالی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں نے تو کبھی دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی تعلیم نہیں دی ، نہ کسی کو قابلِ معبودیت بنایا ۔ اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو پیغمبروں کی پیروی اور علم نبوت کے حامل ہونے کا دعویٰ کرنے والوں سے پوچھ لیں (یہودیوں عیسائیوں سے دریافت کریں جو اہلِ علم ہیں وہ بتادیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر کو شرک کی اجازت نہیں دی اور نہ کسی کو اپنے علاوہ معبود قرار دیا)

آیت میں پیغمبروں سے دریافت کرنے سے مراد ہے پیغمبروں کی کتابوں اور ان کی کتابوں کے عالموں سے دریافت کرنا ۔

مقصودِ بیان

ہدایت الٰہی کی خلاف ورزی بجائے خود تباہ کن ہے ۔ پیغمبر کی موجودگی یا غیر موجودگی اور موت وحیات پر اس کا انحصار نہیں ۔ اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت کے مخالفوں اور سرکشوں سے ضرور انتقام لیتا یعنی ان کو آلِ کار تباہ کرتا ہے ۔ اِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ الخ سے اسی طرف اشارہ ہے ۔ استمسک سے اس امر کی طرف ایماء ہے کہ جس کے پاس اللہ کا پیام ہدایت پہنچ جائے وہ اس پر مضبوطی کے ساتھ کاربند رہنے کا مکلف ہے یعنی دوسروں سے اس کو کوئی غرض نہیں ۔

اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ بتا رہا ہے کہ اللہ کی طرف بھیجا ہوا دستورِ زندگی ہی صراطِ مستقیم ہے ۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ، یعنی عقل سے اختراع کئے ہوئے ضابطے سب کے سب قابلِ شک ہیں اور مداخلت وہم سے پاک نہیں ہیں ۔

لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور آپ کے قبیلہ کے شرف کو ظاہر کیا گیا ہے ، لیکن قبیلہ سے مراد اہلِ ایمان ہیں فقط رشتہ دار اور برادر ہونا شرف کے لئے کافی نہیں ہے ۔ اگر ذکر کا ترجمہ شرف نہ کیا جائے بلکہ یادداشت کیا جائے تو اس امر کی صراحت ہو جائے گی کہ قرآن ایمان کے لئے دستورِ حیات ہے ۔ اس کو دستورِ زندگی بنانے نہ بنانے کی باز پرس ان سے ہوگی یعنی دوسروں نے کیوں نہ مانا اُن پر عذاب کب آئے گا ۔ اس کا سوال ان سے نہیں کیا جائے گا ۔

وَسْـَٔــلْ مَنْ اَرْسَلْنَا الخ سے عام تعلیم الٰہی کا اظہار ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ رسول پر جو پیام ہدایت نازل ہوا وہ دوسرے پیغمبروں کی وحی سے الگ اور کوئی نرالا نہیں ہے وغیرہ ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰي بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اور ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون کے اور اس کے امراء کے پاس بھیجا تھا سو انھوں نے (اُن لوگوں کے پاس آکر) فرمایا کہ میں رب العٰلمین کی طرف سے پیغمبر

فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ۝ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ

(ہو کر آیا ہوں) پھر جب موسیٰ اُن کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ یکایک اُن پر لگے ہنسنے اور ہم اُن کو جو نشانی دکھلاتے تھے وہ دوسری نشانی سے بڑھ کر ہوتی

اُخْتِهَا ۡ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا

تھی اور ہم نے ان لوگوں کو عذاب میں پکڑا تھا تاکہ وہ (اپنے کفر سے) باز آجائیں اور انھوں نے کہا کہ اے جادوگر ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی

toobaafoundation.com

عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ۝ وَنَادَىٰ

دعا کر دیجئے جس کا اُس نے آپ سے عہد رکھا ہے ہم ضرور راہ پر آجاویں گے پھر جب ہم نے وہ عذاب ان سے ہٹایا تب ہی انہوں نے (اپنا) عہد توڑ دیا اور فرعون نے

فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي ۚ أَفَلَا

اپنی قوم میں منادی کرائی یہ بات کہی کہ اے میری قوم کیا مصر کی سلطنت میری نہیں ہے اور یہ نہریں میرے (محل کے) پائیں میں بہہ رہی ہیں کیا تم دیکھتے

تُبْصِرُونَ ۝ أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ ۙ وَلَا يَكَادُ يُبِينُ ۝ فَلَوْلَا

نہیں ہو. بلکہ میں (ہی) افضل ہوں اُس شخص سے جو کہ کم قدر ہے اور قوتِ بیانیہ بھی نہیں رکھتا تو اُس کے

أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ مُقْتَرِنِينَ ۝ فَاسْتَخَفَّ

سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے یا فرشتے اُس کے جلو میں پرا باندھ کر آئے ہوتے غرض اُس نے (ایسی باتیں کر کے) اپنی قوم کو مغلوب کر دیا

قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ۝ فَلَمَّا آسَفُونَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ

اور وہ اس کے کہنے میں آگئے وہ لوگ شرارت کے بھرے تھے پھر جب اُن لوگوں نے ہم کو غصہ دلایا تو ہم نے اُن سے بدلہ لیا اور ان سب کو ڈبو دیا اور ہم نے اُن کو آئندہ

٥ ع ١١ ١١ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِلْآخِرِينَ ۝ ع

آنے والوں کے لئے خاص طور کے متقدمین اور نمونہ (عبرت) بنا دیا

تفسیر پیغمبروں کی دعوت کی غرض کسی فردِ مخصوص کی ہدایت نہیں ہوتی بلکہ پوری قوم یا پورے ملک کی رہنمائی اور ہدایت یابی اُن کے پیشِ نظر ہوتی ہے، مگر گمراہی کا سرچشمہ چونکہ گمراہوں کے لیڈر اکابر اور امراء ہوتے ہیں۔ وہی ساری قوم پر اپنا اثر قائم کرنے اور عزت و دولت کی حکومت کی تحصیل کے لئے سارے عوام کو آلۂ کار بنائے ہوئے ہوتے ہیں، اور ان کی ہدایت یابی یا شکست پوری قوم کی حالت میں انقلاب لا سکتی ہے، اس لئے سب سے پہلے پیغمبروں کا نقطۂ تبلیغ بالا دست طبقہ ہی ہوتا ہے پیغمبر جب بادشاہوں، وزیروں اور ان کے مصاحبوں کے سامنے رسالت کا دعویٰ کرتے ہیں تو وہ ہنسی بناتے اور پیغمبروں کی تضحیک کرتے ہیں، لیکن علمبردارانِ ہدایت جب غیر معمولی معجزات اور اپنی قوتِ قدسیہ کے نشانات پیش کرتے ہیں اور مغرور سرکشوں کے پاس جب ان کا کوئی توڑ نہیں ہوتا اور نشانات عذاب ان کو گھیر لیتے ہیں۔ مبتلائے عذاب ہو جانے کا یقین یا گمان غالب ہو جاتا ہے اور ان کو محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ ضرور کسی غیبی طاقت کے مالک ہیں جو ہمارے اندر نہیں ہے، اس لئے پیغمبروں کو جادوگر کہنے لگتے ہیں۔ غیبی طاقت کا تو ان کو اقرار ہو جاتا ہے مگر غیبی قوت کے قدسی اور خبیث ہونے میں ان کو امتیاز نہیں ہوتا، ملکی اور ابلیسی طاقتوں میں وہ فرق نہیں کر سکتے۔ اس لئے عذاب کو ٹالنے کی پیغمبروں سے ہی درخواست کرتے ہیں، مگر جادوگر کہہ کر خطاب کرتے ہیں۔ اور وعدہ کرتے ہیں کہ اگر یہ غیبی مصیبت ٹل گئی تو ہم تمہاری سچائی کو مانیں گے۔ پھر پیغمبروں کی دعا سے جب عذاب ٹل جاتا ہے تو جھوٹے عہد شکن وعدہ پورا نہیں کرتے بلکہ مقابلے کی ٹھان لیتے ہیں۔ اپنی علمی دماغی عیاریوں اور جسمانی مادی طاقتوں کو ساتھ لے کر پیغمبروں کے مقابل صف آراء ہو جاتے اور علمی مناظرہ کے طور پر کہتے ہیں تم حقیر ہو، نادار ہو، قوم میں گمنام

toobaafoundation.com

رہے ہو۔ ہم طاقتور ہیں، مال دار ہیں۔ باعزت ہیں، حکمران ہیں۔ تمہارے ہاتھوں میں کون سے سونے کے کنگن پڑے ہوئے ہیں کہ ہم تمہاری برتری مان لیں۔ تم کو ملکی طاقت اور خیر وصلاح کی قوت کے ساتھ ہونے کا دعویٰ ہے تو وہ خیر کی غیبی طاقتیں کہاں ہیں۔ تمہارے ساتھ کیوں نہیں۔ اس قسم کی باتیں بنانے اور حق وباطل کے لباس میں نمودار کرنے سے عام بدکار لوگ احمق بن کر ان باطل پرست لیڈروں کے بہکاوے میں قائم رہتے اور ان کے اطاعت گذار بنے رہتے۔ جب آدمی کے اندر خود ہی فسق وفجور اور ہوا وہوس کی طرف جھکاؤ ہو تو وہ عیار مکار لیڈروں اور عالموں کے جال میں بڑی آسانی سے پھنس جاتا ہے۔ غرض عوام خواص کے پھندے میں پھنسے رہتے ہیں اور یہ مناظرہ بازی اور جھوٹی بحث طرازی زیادہ فائدہ رساں نہیں ہوتی اور رفتہ رفتہ ابلیسی دسیسہ کاریوں کا تار وپود بکھرتا نظر آتا ہے تو سرکش بالادست طبقہ پوری پوری مادی طاقت لے کر مقابلے پر اتر آتا ہے۔ آخر شکست پاتا اور صفحۂ ہستی سے برباد ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سب سے بڑے اور جلیل القدر پیغمبر تھے۔ آپ بحکم خداوندی سب سے پہلے فرعون کے پاس تشریف لے گئے۔ اور رسالت الٰہی کا دعویٰ کیا۔ فرعون اور اس کے درباری ہنس دیئے اور مذاق بنانے لگے۔ حضرت موسیٰ نے پے درپے معجزات کا اظہار کیا۔ ید بیضا کا سورج چمکایا۔ لاٹھی کو اژدہا بنا کر دکھایا۔ ملک مصر میں مینڈکوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ کوئی برتن مینڈک سے خالی نہیں رہا۔ جوئیں خون اور دوسرے مسلسل معجزات سامنے آئے۔ کافروں نے ہر معجزہ سے مجبور ہو کر ڈر کے مارے آپ سے درخواست کی کہ یہ بلا لائے ہو تو خود ہی اسے ٹالو۔ ہم تمہاری سچائی کو مان لیں گے۔ حضرت موسیٰ کی دعا سے عذاب ٹلتے رہے، مگر بدعہد شکست عہد بھی کرتے رہے۔ جب فرعون عاجز ہو گیا تو مناظرہ بازی کرنے لگا۔ قوم سے خطاب کر کے کہا موسیٰ ذلیل نادار حقیر ہے۔ اسے تو بولنا بھی نہیں آتا زبان لکنت کرتی ہے اور میرے پاس مصر کی حکومت ہے، امارت ہے جس میں دریا اور نہریں رواں ہیں۔ جو ملک کو سیراب کرتی ہیں ان پر میری حکومت ہے۔ موسیٰ بے چارہ کیا ہے (نہ حکومت نہ دولت نہ تخت نہ تاج) اس کے ہاتھوں میں کون سے سونے کے کنگن ہیں اور خیر کی غیبی طاقتیں اس کے ساتھ کہاں ہیں۔ اس طریقے سے اس نے قوم کو احمق بنائے رکھا اور چونکہ قوم خود ہی بدکار تھی، اس لئے اس کے بہکاوے میں آگئی (ورگمراہی پر جمی رہی) بالآخر فرعون نے مادی طاقت سے کام لے کر حضرت موسیٰ پر غلبہ حاصل کرنا چاہا (اور) پوری قوم نے اللہ کو ناراض کر دیا تو اللہ کا عذاب بھی ان کو سزا دینے کے لئے آگیا اور تمام فرعونی معہ فرعون کے غرق ہو گئے تذکرہ کتابوں میں رہ گیا جو آنے والوں کے لئے ذخیرۂ عبرت ہے۔

(پارہ ۲۵ کا جزو ثانی جلد ہی پیش کیا جائیگا)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بیانُ السُّبحانُ

کا

پارہ نمبر ۲۵

اِلَیْهِ یُرَدُّ

فاضلِ اجل حضرت مولانا سیّد عبدالدائم جلالی

جزء ۳

ناشر

مکتبہ دار الفُرقان

۱۵۶۵ - سوئیوالان نئی دہلی ۲

toobaafoundation.com

تحلیلِ اجزاء

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ آپ کا اعلان توحید اور ایک جابر و ماہر طاقت کے سامنے اظہارِ حق کا تذکرہ چند آیات پہلے ذکر کیا گیا کہ وہاں جعلها كلمة باقية في عقبه بھی فرمایا تھا اور صراحت کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے کلمۂ توحید کو ابراہیم کی نسل میں نازوال اور غیر قابلِ نسخ ورثہ بنا دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اسرائیلی نسل میں سب سے اولی جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ ہوئے جن پر توریت نازل فرمائی۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ آئے گا۔ آپ اسرائیلی پیغمبروں میں سب سے آخر عالی مرتبہ پیغمبر تھے۔ حضرت ابراہیم کی دوسری شاخ یعنی اسماعیلی نسل میں ہمارے آقا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سید الانبیاء بنا کر مبعوث فرمایا۔ اس طرح نسلِ ابراہیمی میں کلمۂ توحید جاری اور باقی رکھنے کا سامان کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رسالت کا دعویٰ اور توحید کا اعلان کیا تو قریش کنانہ اور قبائل عرب کو اچنبھا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر اور عبداللہ کا بیٹا جس کے پاس نہ کھانے کو نہ پینے کو نہ پہننے کو نہ لمبا تاجر نہ قومی قائد و سائد نہ حکمران نہ شیخ قبیلہ، نہ جنگجو نہ اکھڑ درشت خو، یہ کیسا پیغمبر ہے۔ اسی طرح آپ ہنسی اڑاتے اور مذاق بناتے رہے پھر قرآن سنا اور مقابلے سے عاجز ہوئے تو بولے جادوگر ہے یا کاہن یا کوئی بڑا شاعر۔ رہا اس کے کلام کا مطلب تو کسی نے کہا یہ تو پہلوں کی داستانیں ہیں۔ کسی نے کہا ہم نے یہ بات تو اپنے بزرگوں سے کبھی نہیں سنی۔ اللہ تعالیٰ نے اس تعجب کو دور کرنے کے لئے گزشتہ آیات میں فرق فرمایا تھا۔ ذرا علماء کتاب سے تو پوچھو کہ ہم نے جس پیغمبر کو بھی بھیجا کسی نے بھی شرک کی تعلیم نہیں دی۔ ان آیات میں بزرگ ترین اسرائیلی پیغمبر کا ذکر منجملہ انبیاء کے بطور نمونہ کیا ہے پھر حضرت عیسیٰ کا ذکر بھی اسی غرض سے کیا ہے۔ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل میں سب سے اونچے پیغمبر تھے اور صاحبِ توراۃ تھے اور حضرت عیسیٰ بھی سب سے بزرگ پیغمبر تھے اور صاحبِ انجیل تھے۔ ان دونوں کا تفصیلی مختصر حال طریقِ دعوت اور پیامِ دعوت ذکر کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ سب ہی پیغمبروں نے توحید کی تعلیم دی تھی۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم بھی تمام انبیاء کی تعلیم کی مؤید ہے۔

حضرت موسیٰ فرعون اور اس کے درباریوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے مگر آپ کی دعوت صرف فرعون اور اس کے مصاحبوں تک محدود نہ تھی۔ بادشاہ اور ارکانِ حکومت کے پاس اس لئے بھیجا گیا تھا کہ پوری قوم ان کی گرفت میں تھی۔ خصوصاً بنی اسرائیل کو نسل و اصل کے اختلاف کی وجہ سے انہوں نے غلام بنا رکھا تھا اور ان کے پنجہ سے بنی اسرائیل کو آزاد کرانا تھا، اس لئے فرعون اور اس کے وزراء امراء کا ابتدائی دعوت کیلئے انتخاب کیا۔

فَلَمَّا جَاءَهُم بِآيَاتِنَا إِذَا هُم مِّنْهَا يَضْحَكُونَ ۝ وَمَا نُرِيهِم مِّنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا ۖ وَأَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ وَقَالُوا يَا أَيُّهَ السَّاحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِندَكَ إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ۔ حضرت موسیٰ اللہ کا پیام لے کر پہنچے اور تبلیغ دعوت کی۔ مگر انہوں نے آپ کو اور آپ کی دعوت کو حقیر سمجھا اور ہنسی اڑانے لگے۔ آپ نے مختلف معجزات دکھائے اور ہر نشانی ایسی تھی جو دوسری سے بڑھ چڑھ کر تھی۔ تنبیہ کے لئے مختلف غیبی دکھ بھی ان پر مسلط کئے گئے۔ اس جگہ عذاب کی تعیین نہیں کی گئی مگر دوسری جگہ کچھ تفصیل آئی ہے۔ بہرحال عذاب اور دکھ میں مبتلا کرنے کی غرض تباہ کرنا نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرانا مقصود تھا۔ قبطی قوم حکومت دولت علم حکمت دقیق صنعت اور بلند مدنیت پر مغرور تھی اور نشہ میں چُور تھی۔ عیش کوش اور حق فراموش تھی اُن کا بادشاہ ان کا دیوتا تھا اور سب اُس کے پجاری تھے۔ بادشاہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کی بھی پوجا کرتے تھے۔ البتہ رب العالمین کی طرف سے قطعی غافل تھے۔ کبھی دماغ کے کسی گوشہ میں بھی توحید الوہیت کے تصور کو جگہ نہ دیتے تھے۔ حضرت موسیٰ کی بد دعا سے جو غیبی عذاب آئے تو فرعون کی فرعونیت کا سر کچھ جھکا۔ اپنی عاجزی دیکھی اور موسیٰ کا اقتدار۔ مجبور ہو کر درخواست کی کہ عذاب کو آپ ہی لائے ہیں۔ آپ ہی اس کو ہمارے سروں سے ٹالیں۔ آپ کہتے ہیں کہ آپ کے رب نے آپ سے وعدہ کیا ہے کہ اگر لوگ سیدھے راستہ پر آجائیں گے تو ہم عذاب ٹال دیں گے۔

toobaafoundation.com

تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم آپ کو مان جائیں گے۔ اور ولو نماست پر آجائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی عذاب ٹل گیا، مگر وعدہ فراموشوں نے شکستِ عہد کی ایمان نہ لائے۔ ہر عذاب میں مبتلا ہونے کے وقت ایمان کا وعدہ کرتے تھے اور جب عذاب دور ہو جاتا تھا تو عہد توڑ دیتے تھے اور ایمان نہ لاتے تھے۔

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۝ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ۝ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ۝ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ۔ جب فرعون مجبور ہوا تو قوم کو گمراہی پر قائم رکھنے کے لئے کچھ اس طرح کی مناظرہ بازی کرنے لگا جس کی بنا کچھ رسم و رواج پر تھی۔ کچھ لوگوں کی نفسیات پر اور کچھ ذاتی جذبات پر۔ عقلی دلیل اور یقینی برہان سے اس کے کلام کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اس کی اور اس کی بیوقوف قوم کی نظر میں دنیوی امارت و ثروت حکومت وجاہ و حشمت ہر قسم کی جسمانی و روحانی سیادت حاصل کرنے کا استحقاق پیدا کر دینے کی علتِ لازمہ تھی۔ روحانی طاقتوں اور غیری غیبی قوتوں کا اس کو انکار تھا، اس لئے کہنے لگا موسیٰ ایک حقیر آدمی ہے صاف بات بھی نہیں کر سکتا۔ نہ خطیب قوم ہے نہ اس کے اندر کوئی سرداری کی علامت ہے۔ اس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن بھی نہیں (دنیا کے اکثر حصوں میں بادشاہوں اور سرداروں اور فوجی افسروں کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہننے کا رواج تھا اب بھی ایشیا کے بعض حصوں میں یہ رواج موجود ہے) یعنی سیادت اور عزت کا کوئی نشان نہیں نہ اس کے ساتھ ساتھ کوئی روحانی مخلوق رہتی ہے (کم بخت کتنا بے وقوف بنانے والا چالاک تھا کہ روحانی مخلوق کے مجسم مادی ہو کر موسیٰ کے ساتھ ساتھ رہنے کا خواستگار تھا۔ غیبی روحانی نورانی قوتیں اس کے نزدیک موجود ہی نہ تھیں۔ آج بھی مادہ کے پرستار ہر طاقت کو مادہ کی پیداوار جانتے ہیں اور مادہ پر روحانیت کا اقتدار تسلیم نہیں کرتے) اور میں مصر کا بادشاہ ہوں اور دریاؤں کا مالک ہوں جو تمہاری نظروں کے سامنے ہیں۔ میرے محلات کے اردگرد نہریں بہتی ہیں یعنی ہر طرح کی ثروت و حکومت مجھے حاصل ہے۔ اس تقریر سے اس نے اپنی قوم کو خوب بیوقوف بنایا، قوم والوں نے اس کی بات مانی وجہ یہ تھی قبطیوں کی قوم حق پرست ہی نہ تھی کہ موسیٰ کی صداقت کو سمجھتی اُن کی عادت اور خمیر میں بداعتقادی اور بدکاری رچی ہوئی تھی۔ فرعون کی سطحی باتیں اُن پر اثر انداز ہو گئیں اور سب نے فرعون کا ساتھ دیا۔

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ۔ غرض جب ساری قوم نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیا تو سب کو سزا دینی ضروری ہو گئی اور زمین کو ان کی گندگی سے پاک کر دینا لازم ہو گیا (اس کے بعد کا قصہ اس جگہ مذکور نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ جب فرعون کی طرف سے مایوس ہو گئے تو راتوں رات تمام اسرائیلی قوم کو لے کر مصر سے باہر نکل گئے۔ صبح کو فرعون کو اطلاع ہوئی تو وہ اپنا سارا لاؤ لشکر لے کر تعاقب میں نکلا۔ حضرت موسیٰ دریا پر پہنچے اور باعجاز موسیٰ حسب حکمِ خدا دریا خشک ہو گیا۔ بنی اسرائیل خشکی سے نکل گئے۔ فرعون کنارہ پر پہنچا اور اس نے دریا کو خشک پایا اب دیکھا تو اس نے بھی اپنی فوجیں دریا میں ڈال دیں۔ اور خود بھی گھس گیا۔ فوراً دریا میں طغیانی آگئی اور) اللہ تعالیٰ نے سب کو غرق کر دیا۔ سب گئے گذرے ہو گئے۔ کوئی بھی نہ بچا۔ آئندہ آنے والی قوموں کے لئے ذخیرۂ عبرت اللہ تعالیٰ نے ان کو بنا دیا (فرعون کی لاش کو دریا نے بھی قبول نہیں کیا نکال باہر پھینکا اور لوگوں نے اس کو اٹھا کر ممیا کر رکھ لیا۔)

مقصودِ بیان

مِنْهَا يَضْحَكُوْنَ ہیں۔ ہا۔ ضمیر کا رجوع آیات کی جانب ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ نے رسالت کا دعویٰ کیا اور معجزات دکھائے تو شروع شروع میں فرعون اور اس کے درباریوں نے معجزات کا مذاق بنایا۔ سب نے اُن کو دل لگی سمجھا۔ شاید موسیٰ کی شعبدہ بازی خیال کیا اور شعبدہ بازی ہنسنے ہی ہنسنے کی چیز۔

وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ سے معلوم ہو رہا ہے کہ جو معجزات حضرت موسیٰ نے پیش کئے وہ عبرت دلانے اور دلوں میں ایمان کو بٹھانے کے لئے دوسرے سے بڑھ کر تھے۔ بذاتِ خود تو سب ہی بڑے تھے۔ تمام قوم تھی کسی ایک معجزہ کی مثل پیش کرنے سے عاجز

toobaafoundation.com

کبھی مگر افادۂ ایمانی عبرت آفرینی اور سبق آگینی میں ایک کو دوسرے پر فوقیت تھی۔ شاید کوئی ایسا ہو کہ لوگ اس کو محض اتفاق قرار دیں اور کوئی ایسا ہو کہ جس کی کچھ تاویل کر دیں اور کچھ ایسے ہوں جو محسوس طور پر دلالت کر رہے ہوں کہ موسیٰ کے ساتھ کوئی غیبی قوت تھی۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ معجزات افادۂ ایمانی اور کفر سے توبہ کرانے کے لئے تھے۔ ہلاک کرنے کے لئے نہ تھے۔

يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ کا لفظ بتا رہا ہے کہ لوگ حضرت موسیٰ کے پیش کردہ معجزات کو جادو قرار دیتے تھے جب مقابلہ نہ بن پڑا اور اور روحانیت و ملکیت کا عقیدہ نہ تھا تو مجبور ہو کر انھوں نے معجزات نبوت کو شیطانی غیبی طاقتوں کی کرشمہ سازی یعنی جادو قرار دیا۔

وَلَا يَكَادُ يُبِيْنُ میں صراحت ہے کہ حضرت موسیٰ کی زبان صاف نہ تھی کچھ لکنت سے بولتے تھے۔

جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ فرعون ملائکہ کا قائل نہ تھا لیکن حضرت موسیٰ کو روحانی مخلوق کے پر سر امداد ہونے کا دعویٰ تھا۔ مگر فرعون کا فہم خالص روحانیت تک پہنچ نہ سکتا تھا، اس لئے اس نے روحانی مخلوق کے انکار کو ان الفاظ میں ظاہر کیا کہ اگر ملائکہ ہوتے اور موسیٰ کے مددگار ہوتے تو اس کے ساتھ ساتھ لگے رہتے اور چونکہ ایسا نہیں ہے، اس لئے ملائکہ کا وجود ہی نہیں ہے اور نہ موسیٰ کا دعویٰ صحیح ہے۔

كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ بتا رہا ہے کہ قبطی قوم عادتہً اور طبیعتہً بدکار اور بداطوار تھی، اس لئے فرعون کی محض سطحی گفتگو سن کر ہاں میں ہاں ملانے لگے۔

مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ سے اشارہ ہے کہ ماضی حال و مستقبل کا آئینہ ہے یعنی ضابطۂ قدرت ایک ہی ہے جو ماضی و مستقبل کے چکر سے بالاتر ہے۔ پس عبرت اندوز ہونا چاہیئے پچھلوں کو اگلوں کے حالات اور اچھے برے نتائج سے اور نصیحت حاصل کرنی چاہیئے سرکشوں کو گزشتہ سرکشوں کے انجام کو دیکھ کر اور یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ پیغمبر برحق کی مخالفت اور ہدایت خداوندی سے سرتابی موجب تباہی ہے۔ بڑی سے بڑی ملوکیت اور اونچے سے اونچا تمدن اس سلسلۂ اسباب و مسببات کی باہم وابستگی کو توڑ نہیں سکتا وغیرہ۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ۝ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا

اور جب عیسیٰ ابن مریم کے متعلق ایک عجیب مضمون بیان کیا گیا تو یکایک آپ کی قوم کے لوگ اس سے (مارے خوشی کے) چلانے لگے اور (اس

خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا

معترض کے ساتھ ہو کر) کہنے لگے کہ ہمارے معبود زیادہ بہتر ہیں یا عیسیٰ اُن لوگوں نے جو یہ (مضمون عجیب) بیان کیا ہے تو محض جھگڑنے کی غرض سے بلکہ یہ لوگ

عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۭ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰۗىِٕكَةً فِي

ہیں ہی جھگڑالو عیسیٰ تو محض ایک ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے فضل کیا تھا اور ان کو بنی اسرائیل کے لئے ہم نے (اپنی قدرت کا) ایک نمونہ بنایا تھا اور اگر ہم چاہتے تو ہم تم

الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ

میں سے فرشتوں کو پیدا کر دیتے کہ وہ زمین پر یکے بعد دیگرے رہا کرتے۔ اور وہ (یعنی عیسیٰ) قیامت کے یقین کا ذریعہ ہیں تو تم لوگ اس (کی صحت) میں شک مت کرو اور تم لوگ

مُّسْتَقِيْمٌ ۝ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَلَمَّا جَاۗءَ عِيْسٰى

میرا اتباع کرو یہ سیدھا راستہ ہے اور تم کو شیطان (اس راہ پر آنے سے) روکنے نہ پائے وہ بیشک تمہارا صریح دشمن ہے اور جب عیسیٰ معجزے لیکر آئے تو انہوں نے

toobaafoundation.com

بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

(لوگوں سے) کہا کہ میں تمہارے پاس سمجھ کی باتیں لے کر آیا ہوں اور تاکہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو تم سے بیان کر دوں تو تم لوگ اللہ سے ڈرو اور

وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ

میرا کہنا مانو بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے سو اسی کی عبادت کرو یہی (توحید) سیدھا رستہ ہے سو مختلف گروہوں

الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝

نے (اس بارے میں) باہم اختلاف ڈال دیا سو ان ظالموں کے لئے ایک پُر درد دن کے عذاب سے بڑی خرابی ہے

تفسیر اگر اہل حق کے کلام میں کوئی لفظ ایسا آجائے کہ باطل پرست اس کا رخ موڑ کر اپنے مطلب کے سانچے میں ڈھال سکتے ہوں تو پوری کلام حق سے غلط طور پر فائدہ اندوز ہوتے اور جھگڑے کی اونچی عمارت بنا ڈالتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کسی پیغمبر نے اللہ تعالیٰ کی پرستش کے سوا کسی کی پرستش کی اجازت نہیں دی اور نہ کسی دیوی دیوتا کو معبود قرار دیا۔ یہ بات ان لوگوں سے پوچھ دیکھو جو کسی پیغمبر کے پیرو ہیں تو ان الفاظ کو غلط مطلب پہنانے کا بعض کافروں کو موقع مل گیا۔ کہنے لگے دیکھو یہ نصاریٰ عیسیٰ کی امت ہیں۔ انجیل کے حامل ہیں اور عیسیٰ کو ابن اللہ کا بیٹا قرار دے کر پوجتے بھی ہیں۔ پھر ہمارے دیوتا اور معبود تو عیسیٰ سے بڑھ کر ہیں۔ ہم ان کی پوجا کرتے ہیں تو کیا جرم ہے۔ ان بیوقوفوں کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے دریافت کرنے کا حکم آیت مذکورہ میں دیا ہے اور پیغمبروں سے پوچھنے کی مراد ہے ان کے فرمانوں اور کتابوں کو پڑھنا اور پوچھنا اور پیغمبروں کے جو صحیح پیرو ہیں یعنی کتاب اللہ اور فرمان پیغمبر پر چلتے ہیں ان سے دریافت کرنا اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی پرستش کی اجازت دی نہ انجیل میں اس کی کہیں اجازت ہے۔ عام عیسائیوں کی باتوں کا کچھ اعتبار نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بے شک عیسیٰ کو اپنی قدرت کا ایک عظیم الشان نمونہ بنایا تھا۔ کہ بن باپ کے پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں تو یہ بھی تھا کہ بغیر ماں باپ کے اور توالد و تناسل کے پیدا ہونے والے ملائکہ کو انسانوں کی جگہ بسا دیتا یا تمام ہی انسانوں کو ملائکہ کی طرح بغیر ماں باپ کے پیدا کر دیتا اور ایک کے پیچھے دوسرا یوں ہی آتا چلا جاتا۔ پھر اس کی قدرت سے کیا یہ بات باہر تھی کہ ایک شخص کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا۔ یہ تو قدرت کی ہمہ گیری کا ایک نمونہ تھا ورنہ عیسیٰ صرف ایک انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے نوازا تھا اس کا پیدا ہونا قیامت کی ایک نشانی تھی کہ قیامت کا آنا اور مُردوں کا دوبارہ قبروں سے اٹھنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں ہے جس خدا تعالیٰ نے عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا وہ مردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے۔ عیسیٰ نے اپنے دعویٰ رسالت کی تصدیق کے لئے کھلے کھلے معجزات ظاہر کئے تھے (مادر زاد اندھے کو بینا کیا، مبروص کو تندرست کیا اور بے جان پتلے میں روح پھونک کر زندہ پرندہ بنا کر اڑا دیا۔ عیسیٰ کا زندہ پتلے کو زندگی عطا کرنا عظیم الشان ثبوت ہے قیامت کا جب کہ بے جان مُردے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے) عیسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ توریت اور دین یہودیت میں جو تم اختلاف کر رہے ہو اور مختلف گروہوں میں بٹ گئے ہو میں تمہارے پاس دانش کی باتیں لے کر آیا ہوں اور میرے آنے کی غرض یہ ہے کہ تمہارے اختلافی مسائل کا فیصلہ کر دوں۔ خوب یاد رکھو کہ اللہ ہی میرا خالق و مالک اور حاکم ہے اور وہی تمہارا رب ہے۔ کج رو راہیں چھوڑ دو یہی سیدھا رستہ ہے اسی پر چلو۔ عیسیٰ کا یہی پیام توحید تھا۔ لیکن عیسیٰ کے بعد بنی اسرائیل اور اتباع عیسیٰ کا دعویٰ کرنے والے آپس میں اختلاف کرنے لگے۔

کسی نے مسیح کو خدا کا بیٹا اور کسی نے تین میں کا تیسرا قرار دے دیا اور توحید عیسیٰ شرک سے بدل گئی۔

toobaafoundation.com

تحلیلِ اجزاء

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ۝ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کا ذکر کرنے سے پہلے فرمایا تھا کہ جن لوگوں کو ہم نے پیغمبر بنایا تھا اُن سے دریافت کرلو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو قابلِ پرستش بنایا ہے۔ مراد یہ تھی کہ پیغمبروں کے اقوال کو اور ان کتابوں اور صحیفوں کو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں پڑھو اور ادیانِ سماوی کا صحیح علم رکھنے والوں سے پوچھو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کسی کو معبود نہیں بنایا اور شرک کی کہیں اجازت نہیں۔ مشرک اس کلام کو سن کر مناظرہ اور بحث کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔ اور خوشی کے مارے چلا اٹھے اور غل مچالیا اور حضرت عیسیٰ کی پرستی کو شرک کے ثبوت میں پیش کیا۔ عبداللہ بن زبعری (جو اس وقت مشرک تھا اور کچھ مدت کے بعد مسلمان ہوگیا تھا) بولا دیکھو عیسائی مسیح کو پوجتے ہیں تو کیا ہمارے معبود جو کائنات کے دیوتا ہیں عیسیٰ سے بھی گئے گذرے ہوئے جن کی ہم پوجا کرتے ہیں وہ عیسیٰ سے بہتر نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ جھگڑالو تھے حق طلب نہ تھے، اس لئے جھگڑے کے طور پر ایسی بات کہی جس کا نہ سر تھا نہ پیر۔ محض جہالت کا مظاہرہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کب فرمایا تھا کہ جو لوگ کسی پیغمبر کے صرف نام لیوا ہیں اور ہیں مشرک اور غیر اللہ کے پجاری اُن سے پوچھو یا اُن کے طرزِ عمل کو دلیل میں پیش کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تو انبیاء سے پوچھنے کا حکم دیا یعنی انبیاء کی کتابوں اور حدیثوں کا مطالعہ کرو اور جو لوگ صحیح طور پر انبیاء کی تعلیم پر چلنے والے ہیں ان سے شہادت لو اور ظاہر ہے کہ اہلِ حق عیسیٰ کی پرستش نہیں کرتے نہ اس کی اجازت دیتے ہیں پھر مشرک جن دیوتاؤں اور موہومی معبودوں کی پوجا کرتے ہیں اُن کی ہستی ہی موہوم ہے نہ اُن کے وجود کی کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی ثبوت، اور ثبوت بھی ہو تو عیسیٰ سے ان کا افضل ہونا ثابت نہیں۔ اس صورت میں عیسیٰ کی معبودیت کے عقیدہ کو پیش کرنا اور اپنے دیوتاؤں کو عیسیٰ سے افضل قرار دے کر ان کی معبودیت کی وجہ جواز نکالنا جھوٹ پر جھوٹ کی تعمیر کے سوا اور کچھ نہیں، اسی لئے اس کو جدل اور ایسا کرنے والوں کو قوم فرمایا۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ یہ مسیح کی اصل حالت کا بیان ہے کہ عیسیٰ محض ایک بندہ تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا تھا (شیر خوارگی کی حالت میں اس کو قوت کلامیہ عطا فرمائی کہ اس نے اپنی ماں کی پاک دامنی کی شہادت دی اور آئندہ ملنے والی نبوت کا اظہار کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیغمبری سے سرفراز فرمایا اور عظیم الشان معجزے عنایت کئے جن میں ایک مُردوں کو زندہ کرنا بھی تھا۔)

وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اُس کو اپنی ہمہ گیر قدرت و حکمت کا ایک شاندار نمونہ بنایا (اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بات کوئی بعید نہیں تھی)

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِى الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہاری جگہ فرشتوں کو زمین پر آباد کر دیتا جو ایک کی جگہ دوسرا آتا رہتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم میں سے کچھ لوگوں کو ملائکہ بنا دیتا جو بغیر ماں باپ کے فرشتوں کی طرح پیدا ہوتے اور زمین پر ایک کے بعد ایک آباد ہوتا اور آتا رہتا۔

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ۔ مسیح تو قیامت کی علامت اور نشانی تھے یعنی قیامت کے قریب اتریں گے۔ اور ان کے بعد قیامت آجائے گی یا یہ مطلب ہے کہ مسیح کی پیدائش قیامت کے ثبوت کی نشانی ہے کہ جس خدا نے مسیح کو بغیر باپ کے نطفہ کے پیدا کر دیا اُس کی قدرت سے بعید نہیں کہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کر دے یا یہ مطلب ہے کہ مسیح کی نبوت قیامت کا ثبوت ہے۔ مسیح کو من جملہ دیگر معجزات کے ایک معجزہ یہ بھی دیا گیا تھا کہ آپ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور مٹی کا پتلا بنا کر اُس میں پھونک مار کر جان ڈال دیتے تھے۔ پس جو خدا مسیح کو یہ طاقت دے سکتا ہے کیا وہ خود مُردوں کو زندہ کر کے نہیں اُٹھا سکتا۔

فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔ لہٰذا تم قیامت میں شک نہ کرو (اعمال و اقوال کو سزا جزا سے معطل سمجھنا یا انکارِ قیامت کرنا یا اسی دنیا میں سزا جزا کو بصورت آواگون ماننا کھلی گمراہی ہے اور)

toobaafoundation.com

قیامت کا ایک دن آنا ہی (صحیح عقیدہ اور) راہِ مستقیم ہے تم کو شیطان کے بہکاوے میں نہ آنا چاہیئے تم شیطان کے سنگ راہ بن جانے سے صراطِ مستقیم سے روگرداں نہ ہو اور اُس کے کہنے میں نہ آؤ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے

وَلَمَّا جَآءَ عِيسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۔ اوپر کی آیات میں حضرت عیسیٰ کا اصل مقام بتایا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے تھے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا فضل فرمایا تھا ۔ اس آیت میں حضرت عیسیٰ کی زبان سے اُن کی تعلیم اور غرض بعثت کو بیان کیا ہے ۔ جب عیسیٰ کھلی ہوئی علمی و عملی دلیلوں اور واضح معجزات کے ساتھ قوم کے سامنے آئے تو انہوں نے کہا میں تم کو دانش کی سچی سچی درست باتیں سکھانے اور ان مباحث و مسائل کا فیصلہ کرنے آیا ہوں جو تمہارے اندر نزاعی ہیں ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو (اُس کے سچے احکام میں خرد برد اور تغیر نہ کرو اس کی ہدایت پر عمل کرو) اور میرے قول کو صحیح مانو اور اُس پر چلو خوب کان کھول کر سمجھ لو کہ میرا خالق ، مالک اور حاکم ایک اللہ ہے اور وہی تمہارا خالق ، مالک اور حاکم ہے یہ ہی (عقیدۂ صحیح اور) سیدھا راستہ ہے حضرت عیسیٰ کا کلام ختم ہو گیا ۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۔ حضرت عیسیٰ سے کچھ ہی مدت کے بعد عیسائیوں نے اپنی طرف سے اختلافات کرنے شروع کر دیئے ۔ مختلف مباحث یہاں تک کہ خود عیسیٰ کے مقام و ذات کے متعلق بھی ان میں پھوٹ پڑ گئی ۔ مسیح کو کسی نے خدا کا بیٹا اور کسی نے تین اقانیم الوہیت میں سے تیسرا کہنا شروع کر دیا ۔ بعض نے کہا اس کو صلیب دے دی گئی ۔ بعض نے اس کا انکار کیا ۔ فرقہ صدوقی نے قیامت کا انکار کر دیا اور فقیہوں اور فریسیوں نے بہت غلط اختراعات کو جزو مذہب بنا لیا ۔ رومن کیتھولک عیسائیوں نے مسیح ، صلیب اور کنواری مریم کی عبادت ہی شروع کر دی ۔ غرض ان بدنصیبوں نے عقائد و افکار اور اعمال و گفتار سب میں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور عیسیٰ کی تعلیم کے خلاف کیا اور ہر فرقہ گمراہ ہو گیا ۔ اُن کی یہی پھوٹ تعلیم عیسوی کو برباد او گم کر دینے کا باعث بنی ۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ایسے حق فراموش ناحق کوش غلط فکر و عمل والوں کے لئے قیامت کے دن عذاب الیم سے تباہی و ہلاکت ہوگی ۔

مقصود بیان

اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ میں اگرچہ مشرکوں کے ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے ۔ بعض لوگوں نے شرک کی قدامت اور جواز کو ثابت کرنے کے لئے عیسائیوں کی مسیح پرستی اور صلیب کی پوجا کو پیش کیا تھا ۔ اور عیسیٰ کا نام جو بطور تمثیل اُن کے سامنے لیا گیا تھا اُس سے انہوں نے غلط استدلال قائم کیا تھا ، لیکن اس سے عام باطل پرستوں اور جاہلوں کے طرزِ مکالمات پر بھی روشنی پڑتی ہے ۔ چالاک ، ہٹ دھرم باطل پرستوں کو اگر اہلِ حق کے کلام میں اپنے مطلب کا کوئی ذرہ بھر اشارہ مل جاتا ہے تو وہ اس کو غلط طور پر اپنے مقصد کی طرف موڑتے ہیں اور اپنے مفروضہ کو مسلمہ قرار دے کر جھوٹ پر جھوٹ کی عمارت چُن دیتے ہیں ۔

جَعَلْنٰهُ مَثَلًا کا لفظ بتا رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی تخلیق اور نبوت اور بعثت کے خاص معجزات قدرتِ خداوندی کی ہمہ گیری کا ایک خاص نشان و نمونہ تھے ۔

لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً سے مراد یہ ہے کہ تم میں سے بعض لوگوں کو فرشتوں کی طرح توالد و تناسل کے سلسلے سے بے نیاز کر دیتا اور بغیر ماں باپ کے پیدا کر دیتا ۔ قدرتِ خداوندی کے لئے یہ عمل دشوار نہ تھا ۔

لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ قیامت کی نشانی ہیں یعنی دوبارہ نازل ہوں گے اور ان کے بعد قیامت آ جائے گی یا یہ مراد ہے کہ حضرت عیسیٰ کو حیات جسمی کی طاقت عطا کرنا وجودِ قیامت کو ثابت کر رہا ہے ، جس خدا نے دوسرے کو حیات بخش بنا دیا وہ خود کس طرح اعادۂ اموات سے عاجز ہوگا ۔

toobaafoundation.com

وَلِاُبَیِّنَ لَکُمْ الخ سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہودیوں کے اندر ان کے عقائد اور مباحث دینیہ کے متعلق باہم بہت اختلافات تھے اور حضرت عیسیٰؑ ان اختلافی مباحث کا آخری فیصلہ کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ سے ثابت ہو رہا ہے کہ عیسائیوں کے گروہوں میں جو اختلافات پیدا ہو گئے تھے وہ اُن کے خود پیدا کردہ تھے۔ ذاتی اختلافات تھے۔ صداقت و حقانیت اور تحقیقِ حق سے اُن کا کوئی تعلق نہ تھا وغیرہ۔

هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىِٕذٍۭ

یہ لوگ بس قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ اُن پر دفعتہً آپڑے اور ان کو خبر بھی نہ ہو تمام (دنیوی) دوست اُس روز ایک

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ۝ؑ یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ وَلَاۤ اَنْتُمْ ع ۶/۱۲

دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے بجز خدا کے ڈرنے والوں کے (اور مومنین کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوگی کہ) اے میرے بندو تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ

تَحْزَنُوْنَ ۝ۚ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۝ۚ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ

تم غمگین ہوگے یعنی وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تھے اور (ہمارے) فرمانبردار تھے تم اور تمہاری (ایماندار) بیبیاں خوش بخوش جنت میں داخل

تُحْبَرُوْنَ ۝ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ

ہو جاؤ ان کے پاس سونے کی رکابیاں اور گلاس لائے جاویں گے (یعنی غلمان لاویں گے) اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو جی چاہے گا اور جن

وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ۚ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْۤ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ لَكُمْ

سے آنکھوں کو لذت ہوگی اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے اور اُن سے کہا جاوے گا کہ یہ وہ جنت ہے جس کے تم مالک بنا دیئے گئے ہو اپنے (نیک) اعمال کے

فِیْهَا فَاكِهَةٌ كَثِیْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝

عوض میں (اور) تمہارے لئے اس میں بہت سے میوے ہیں جن میں سے کھا رہے ہو بیشک نافرمان (یعنی کافر) لوگ عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے

لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَنَادَوْا

وہ (عذاب) اُن سے ہلکا نہ کیا جاوے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے اور ہم نے ان پر (ذرا) ظلم نہیں کیا لیکن یہ خود ہی ظالم تھے اور پکاریں گے

یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝

کہ اے مالک تمہارا پروردگار (ہم کو موت دے کر) ہمارا کام ہی تمام کر دے وہ (فرشتہ) جواب دیگا کہ تم ہمیشہ اسی حال میں رہو گے ہم نے سچا دین تمہارے پاس پہنچایا لیکن تم میں اکثر آدمی سچے

تفسیر جولان گاہ عمل کا نقطۂ آغاز تو ہر شخص جانتا ہے کہ آغاز شعور ہے لیکن یہ میدان ختم کہاں ہوگا۔ اس کا آخری کنارہ کہاں ہے۔ انفرادی طور پر ہر آدمی کے عمل و سعی کا خاتمہ اُس کی موت پر ہو جاتا ہے یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص کا

toobaafoundation.com

اختیاری کردار ختم ہو جاتا ہے، لیکن اس دار التکلیف کی بحیثیت مجموعی آخری حد کہاں ہے اور کہاں دار العمل اور دار الجزا کے ڈانڈے ملتے ہیں اور کب جزا سزا کی مقررہ ساعت آئے گی - یہ بات پردۂ غیب میں ہے کسی کو معلوم نہیں - علامات و نشانات کا ظہور گو ہزاروں برس پہلے سے ہو رہا ہو، لیکن ساعت معین تمام نشانات کے بعد یک دم آئے گی اور یکا یک صور قیامت پھونک دیا جائے گا - اب اس انتظار میں بیٹھا رہنا کہ قیامت ابھی کہاں آرہی ہے - ابھی تو یہ دنیا ہزاروں برس رہے گی اور اس انتظار میں ہر نیکی سے دست کش رہنا سراسر حماقت ہے - یہ گویا یہ گمان کہ حکومت یا جتھے کی کثرت یا بھائی برادروں کی جماعت یا ہزاروں جان چھڑکنے والوں کی حمایت اعمال کی سزا سے بچالے گی - قیامت آئے تو آجائے عذاب اور مصیبت سے بچانے والے اہل قرابت و مودت، اور فداکار اہل محبت ہر دکھ سے حفاظت کرلیں گے تو یہ خیال خام ہے - یہ رشتے ناطے اور دوستی یاری کچھ کام نہ آئے گی - وطنیت، محبت، ملاقات، زوجیت خون کی قرابت و قومیت قیامت کے دن کوئی چیز باقی نہیں رہے گی - وہاں بد کا نیک سے اور کافر کا مومن سے کوئی تعلق نہیں رہے گا ہاں ایمان، اسلام اور پرہیزگاری اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کا رشتہ قائم ہوگا ایک مومن دوسرے مومن کا اور ایک متقی دوسرے متقی کا ساتھی ہوگا اور اسی گروہ سے خطاب ہوگا کہ میرے بندو آج تم کو عذاب کا ڈر نہیں نہ گذشتہ دنیوی مصائب و آلام کا کوئی حزن باقی ہے جاؤ جنت میں چلے جاؤ وہاں اپنی جنتی بیبیوں کے ساتھ ہر طرح کے ناقابل ذکر راحت و عیش کے ساتھ رہو وہاں تم کو ہر مرغوب خاطر اور جاذب نظر نعمت ملے گی - اور یہ عیش دوامی اور لازوال ہوگی نہ کمی کا اندیشہ نہ فنا کا خوف متقیوں اور مومنوں کے اس گروہ کے مقابل مجرموں اور کافروں کا گروہ ہوگا جو عذاب جہنم میں گرفتار ہوگا اور ہمیشہ گرفتار رہے گا - رہائی یا تخفیف عذاب کی کوئی امید نہ ہوگی اور یہ سب کچھ ظلم نہ ہوگا اُن کے غلط افکار اور ناسزا اعمال کا بدلہ ہوگا، اُس وقت وہ موت کی تمنا کریں گے مگر بے سود موت نہ آئے گی اور اسی موت وحیات کی کشاکش میں ہمیشہ پڑے رہیں گے

تحلیل اجزاء

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۔ پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ حق فراموش ناحق کوش لوگوں کے لئے قیامت کے دن ہلاکت و تباہی ہوگی، لیکن منکروں کو تو قیامت آنے کا اقرار ہی نہ تھا اُن کے سامنے تو اپنی زندگی اور زندگی کے بعد موت تھی، سزا جزا کے دن کا تصور ہی ان کے دماغوں میں نہ تھا اُن کو تنبیہ کرنے اور ڈرانے کے لئے فرماتا ہے کہ قیامت کی گھڑی تو اچانک آجائے گی - پتہ بھی نہیں ہوگا کہ صور پھونک دیا جائے گا - تو کیا یہ لوگ اسی انتظار میں ہیں کہ قیامت آئے تو ایمان لائیں اور اعمال کو درست کریں لیکن ایسا ہرگز نہ ہو سکے گا قیامت یک دم آئے گی ایمان و عمل کا موقع ہی نہیں رہے گا -

الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ دنیوی رشتے سب کٹ جائیں گے جو لوگ دوستی کا دم بھرتے ہیں اور جان چھڑکتے ہیں کافروں اور ٹھیروں کے وہ بھی دشمن ہو جائیں گے - کوئی کسی کا دوست نہ ہوگا - یعنی یہاں ایک بدکار کا اور ایک شیطان دوسرے شیطان کا دوست ہے - ایک بہکاتا ہے دوسرا بہک جاتا ہے - ایک غلط راستہ دکھاتا ہے دوسرا اس پر چل پڑتا ہے - مگر قیامت کے دن ہر شیطان اپنے پیرو سے اور ہر گمراہ ہونے والا اپنے گمراہ کرنے والے سے بیزار ہوگا اور خواہش مند ہوگا کہ اس کو مجھ سے دوگنا عذاب دیا جائے گا -

إِلَّا الْمُتَّقِينَ ۔ يَا عِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنتُمْ تَحْزَنُونَ ۔ الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ۔ ہاں وہ پرہیزگار لوگ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو سچا مانتے اور ان پر چلتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دی ہیں اور اپنا رُخ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف کر لیا ہے ان کا باہمی تعلق منقطع نہ ہوگا وہ باہم دشمن نہیں ہوں گے ہر ایک دوسرے کا دوست ہوگا - ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہوگا کہ میرے بندو (ڈر اور رنج کی زندگی ختم ہو گئی) آج تم کو نہ خوف ہے نہ غم (پچھلی زندگی کا غم نہ آئندہ دکھ کا اندیشہ)

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ۔ تم خوش خوش اپنی (نیک) بیبیوں کے ساتھ جنت میں چلے جاؤ - ازواج سے مراد یا مومنہ نیکوکار بیبیاں ہیں جو مومن نیکوکاروں کے ساتھ جنت میں جائیں گی یا جنت کی حوریں مراد ہیں اور چونکہ حوروں سے بھی مومنوں کا رشتہ

toobaafoundation.com

زوجیت ہوگا، اس لئے ان کو ازواج فرمایا

یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ یہ مومنوں کی جنتی حالت کا بیان ہے یا خطاب سے غائب کی طرف التفات ہے۔ اصل میں عَلَیْكُمْ ہونا چاہیئے، لیکن کلام میں حسن پیدا کرنے کے لئے حاضر کی جگہ غائب کی ضمیر استعمال کی۔ اوّل مطلب اس صورت میں ہوگا جب کلام کا کچھ حصہ محذوف قرار دیا جائے گا۔ گویا پورا کلام اس طرح تھا کہ جب وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ان کے سامنے کھانے پینے کے برتنوں کا دور ہوگا۔ قرطبی کے نزدیک برتنوں کے دور سے مراد ہے کھانے پینے کی چیزوں کا دور جو سونے کے پیالوں اور رکابیوں میں ہوں گی صحاف صحفۃ کی جمع ہے جس کا معنی ہے بڑا پیالہ یا قاب۔ خطیب نے کسائی کا قول لکھا ہے کہ کھانے کا سب سے بڑا برتن جفنہ ہوتا ہے جس کی جمع جفان ہے۔ اس سے چھوٹا جس میں دس آدمیوں کا کھانا آجائے قصعہ کہلاتا ہے۔ قصعہ کے بعد صحفہ کا نمبر ہے صحفہ میں پانچ آدمیوں کے کھانے کی سمائی ہوتی ہے۔ صحفہ کے بعد میکلہ ہے جس میں دو تین آدمیوں کا کھانا آجاتا ہے۔ اکواب کوب کی جمع ہے۔ کوب وہ کوزہ یا گلاس جس میں پکڑنے کا دستہ اور ٹونٹی نہ ہو۔

وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ اور ان برتنوں میں یا جنت میں وہ نعمتیں ہوں گی جو مرغوب خاطر خواہش کے مطابق اور آنکھوں کے لئے سرور بخش اور کیف آور ہوں گی۔ اگر فیہا کی ضمیر صحاف و اکواب کی طرف راجع کی جائے تو قرطبی کے قول کی ضرورت نہیں رہتی کہ برتنوں سے مراد کھانے پینے کی چیزیں ہیں بلکہ یہ مطلب غلط ہوگا۔

وَاَنْتُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ اور تم جنت میں ہمیشہ رہو گے۔ نعمت کتنی ہی بڑی ہو اگر کسی وقت اس کے ختم ہو جانے کا اندیشہ لگا رہے تو دانش مندوں کے لئے موجودہ راحت بھی کدورت آمیز اور رنج آگیں ہو جاتی ہے۔ اسی خیال کو دور کرنے کے لئے جنت کے لازوال ہونے کی صراحت فرما دی۔ خلود سے مراد اس جگہ باتفاق مفسرین مدت غیر منقطعہ ہے زمان طویل مراد نہیں ہے۔

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْۤ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ لَكُمْ فِیْهَا فَاكِهَةٌ كَثِیْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ جنت کا داخلہ اور اس کی ہر نعمت و راحت اگرچہ بلا استحقاق ہے کسی پیغمبر کو بھی وجوبی حق حاصل نہیں کہ اس کو جنت میں ضرور ہی داخل کر دیا جائے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ حضور اقدس ؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی بھی اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل نہ ہوگا۔ صحابہ رض نے عرض کیا یا رسول اللہ ؐ کیا حضور بھی (اپنے اعمال کی وجہ سے) جنت میں داخل نہ ہوں گے فرمایا نہیں ہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت مجھے ڈھانک لے گی، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی جنت میں داخل ہونے کا ایک ضابطہ بنا دیا ہے اور وعدہ فرما لیا ہے کہ نیکوکار اہل ایمان کو جنت میں داخل کروں گا اور اعمال کے بدلے میں جنت عطا کروں گا، اس لئے یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ جنت میں داخلہ (اور جنت کا عطیہ زیر رحمت خدا) نیک اعمال کی وجہ سے ہوگا۔ اور جنت میں بکثرت لذت بخش پھل ہوں گے جن میں سے (جو شخص جتنا چاہے گا) کھائے گا۔ چونکہ سب پھلوں کا کھانا تو ممکن نہ ہوگا اس لئے مِنْهَا فرمایا۔

اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ نیکوکار اہل ایمان کی جزا بیان کرنے کے بعد اس آیت میں بدکار کافروں کی سزا کی تصویر کشی کی ہے۔ تاکہ ترغیب کے ساتھ ترہیب بھی شامل ہو کر دعوت و تبلیغ کی پوری تکمیل کر دے۔ مجرمین سے مراد کافر ہیں۔ کیونکہ اس جگہ یہ لفظ الْمُتَّقِیْنَ کے مقابل آیا ہے اور المتقین کی تشریح ایماندار نیکوکار فرما دی ہے۔ اس کے علاوہ بکثرت آیات و احادیث دلالت کر رہی ہیں کہ گنہگار مومن اگر بغیر توبہ کے بھی مر جائیں اور ان کے گناہوں کی مغفرت بھی نہ ہو تب بھی گناہوں کی سزا پانے کے بعد کبھی جنت میں چلے ہی جائیں گے اور اس جگہ دوامی عذاب میں مبتلا ہونے اور رہائی بلکہ تخفیف عذاب سے بھی ناامید ہو جانے کی صراحت کی ہے۔ اس لئے صرف کفار ہی مراد ہیں۔ مبلسون کا ترجمہ ہے ناامید ہو کر چپ ہو جانے والی۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ یعنی یہ دوامی جہنم کی سزا کافروں کو بطور ظلم نہ ملے گی۔ اللہ اُن پر ظلم نہیں کرے گا۔ اُن کو ضابطۂ خداوندی کے موافق جنت کا یا تخفیف عذاب کا یا عذاب غیر دائمی کا استحقاق ہو اور اللہ تعالیٰ ان کی حق تلفی کر کے ہمیشہ

toobaafoundation.com

کے لئے سخت عذاب میں ڈال دے۔ ایسا نہ ہوگا بلکہ ظالم اور حق تلفی کرنے والے وہ خود تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے فائدہ اٹھانے کے بعد اس کو معبود یکتا نہ مانا اور اس کے احکام کی تعمیل نہ کی۔ پھر انہوں نے خود اپنے حق کو اپنے ہاتھوں سے برباد کیا۔ خدا داد قوتوں کا غلط استعمال کیا ہو علمی اور عملی طاقت کا بے محل استعمال کیا۔ فکر و اعتقاد کو غلط رو بنایا اور عملی رفتار کو ناہموار رکھا۔ یہی زندگی کا غلط استعمال اور بے راہ روی دوامی جہنم کی شکل میں ان کے سامنے آئے گی

وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۔ جب کوئی دوست کام نہیں آئے گا۔ ہر شیطان اور گمراہ کرنے والا دوست دوزخ کے اندر شریک عذاب اور اپنے دوست پر مزید عذاب ہونے کا خواستگار ہوگا تو عذاب دینے والے فرشتوں اور کارندوں کے سرگروہ کو ہی پکاریں گے اور مایوس ہوکر درخواست کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کو آخری موت ہی دے دے کام تو تمام ہوجائے کارندگان دوزخ کے اس سرگروہ کا نام مالک ہے۔

قَالَ إِنَّكُمْ مَاكِثُونَ (بقول بعض اہل تفسیر کے ہزار برس کے بعد) مالک جواب دے گا کہ تم کو ہمیشہ یہیں رہنا ہے (یعنی کبھی نہیں مرو گے کہ عذاب سے نجات مل جائے) مکث سے مراد اس جگہ باجماع علماء دوام ہے

لَقَدْ جِئْنَاكُمْ بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ۔ کارہون بعض اہل تفسیر نے اس کلام کا مخاطب اہل جہنم کو قرار دیا ہے یعنی اللہ (مالک کی زبانی) دوزخیوں کو خطاب کر کے فرمائے گا کہ دنیا میں پیغمبروں کی معرفت ہم نے تم کو ہدایت کر دی تھی جو سراسر حق تھی، لیکن تم نے حق سے نفرت کی اور باطل کو پسند کیا۔ اکثر اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ دوزخیوں کی حالت کا بیان ماکثون پر ختم ہوگیا۔ لَقَدْ جِئْنَاكُمْ سے اہل مکہ کو خطاب ہے کہ اہل جنت اور اہل دوزخ کے متعلق جو حق بات تھی اور جنت و دوزخ میں کون کون گروہ جائے گا اور تم کو کیا جاننا، کیا ماننا اور کیا کرنا چاہیئے۔ یہ سب کچھ ہم نے پیغمبر کی زبانی تم کو بتا دیا، مگر تم میں سے اکثر اس پیام حق سے نفرت کرنے والے ہیں۔ اول مطلب شیخ حقانی نے پسند کیا ہے، مگر اس فقیر کی نظر میں یہ مطلب غلط ہے۔ کیونکہ اگر دوزخیوں کو خطاب ہوتا تو اکثرکم کا لفظ استعمال نہ کیا جاتا۔ دوزخی تو سب ہی حق سے نفرت کرنے والے ہوں گے۔ کیا بعض کافر دوزخی ایسے بھی ہوں گے جو حق پسند ہوں اور پھر ہمیشہ دوزخ میں رہیں، اس لئے مؤخر الذکر مطلب ہی صحیح ہے۔ ہاں اس صورت میں اتنی بات زیادہ کہی جاسکتی ہے کہ روئے خطاب براہ راست اگرچہ اہل مکہ کی طرف ہے، مگر مخاطب بالواسطہ تمام انسان ہیں۔ واللہ اعلم۔

مقصود بیان هَلْ يَنْظُرُونَ الخ سے یہ تعلیم دینی مقصود ہے کہ جب قیامت آجائے گی تو ایمان و عمل کا وقت ختم ہوجائے گا جو کچھ کرنا ہے ابھی موقع ہے کرلو۔

بَغْتَةً اور لَا يَشْعُرُونَ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ قیامت اچانک آجائے گی پہلے سے اُس کے آنے کی معین ساعت بھی کسی کو نہ معلوم ہوگی۔

الْأَخِلَّاءُ الخ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مجرموں کی دنیا میں جو دوستیاں اور فدائی ہیں وہ قیامت کے دن دشمن ہوجائیں گے یعنی اگر دوستدار اہل ایمان ہیں تو ان کا قیامت کے دن دشمن بن جانا تو ظاہر ہی ہے وہ تو اس زندگی میں بھی کافروں سے حقیقی دوستی نہیں رکھتے اور وہ اگر بہکانے والے یا بہکنے والے کافر ہیں تو وہ بھی دشمن بن جائیں گے بہکنے والا بہکانے والے سے بیزار ہوگا اور گمراہ کرنے والا گمراہ ہونے والے سے اظہار نفرت کرے گا۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ میں صراحت ہے کہ متقی صرف وہی لوگ ہیں جو ایمان دار اور فرماں بردار رہیں۔ بِآيَاتِنَا کے لفظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام اور پورے کلام پر ایمان لانا ضروری ہے۔

مِنْ ذَهَبٍ کا لفظ بتا رہا ہے کہ ظروف جنت سونے کے ہوں گے۔ بعض آیات میں بعض ظروف کی ساخت چاندی کی ہونے کی بھی صراحت آئی ہے۔ مقصد اس سب کا یہ ہے کہ ظروف جنت جس چیز کے بنے ہوئے ہوں گے وہ ایسی نایاب ہوگی کہ اس دنیا میں اُس کی

toobaafoundation.com

حقیقت نہیں بیان کی جا سکتی صرف سمجھانے کے لئے ہم اس کو سونا چاندی کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ دنیا میں یہی چیزیں اعلیٰ اور عمدہ مانی گئی ہیں۔

مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ کے الفاظ کا عموم بتا رہا ہے کہ ظروف جنت میں ہر دل پسند اور نظر نواز ساتھ ہوں گی۔ کوئی خاص نوع مخصوص نہیں، لیکن دل پسندی اور نظر نوازی اہلِ جنت کی حیثیت کے اندر معتبر ہے۔ اس دنیا میں بعض اشیاء کا مرغوب خاطر اور جاذبِ نظر ہونا قابلِ اعتبار نہیں نہ یہ ضروری ہے کہ جس چیز کو آدمی یہاں پسند کرتا ہے آخرت میں بھی اُسی چیز کو پسند کرے۔

خٰلِدُوْنَ کا لفظ دونوں جگہ بتا رہا ہے کہ نہ ثوابِ جنت کا کبھی انقطاع ہوگا نہ عذاب دوزخ کا۔

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اچھے اعمال کی جزا جنت کو بنایا ہے یعنی بداعمال بداعمالی کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گا۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ الخ میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرے گا بلکہ دوزخیوں پر عذاب خود ان کے کرتوت کی بنا پر ہوگا اور اعمال کے مطابق ہوگا سزا میں عمل سے بیشی نہ ہوگی۔

اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخیوں کو کبھی موت نہیں آئے گی وغیرہ۔

أَمْ أَبْرَمُوا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ۝ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ۚ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا

ہاں کیا انھوں نے کوئی انتظام درست کیا ہے سو ہم نے بھی ایک انتظام درست کیا ہے ہاں کیا ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی چپکی چپکی باتوں کو اور ان کے مشورے

لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ۝ قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ ۝ سُبْحَانَ رَبِّ

کو نہیں سنتے ہم ضرور سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے اُن کے پاس ہیں وہ بھی لکھتے ہیں آپ کہیے کہ اگر خدائے رحمٰن کے اولاد ہو تو سب سے اول اُسکی عبادت کرنے والا میں ہوں آسمان اور زمین

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا

کا مالک جو کہ عرش کا بھی مالک ہے ان باتوں سے منزہ ہے جو یہ (مشرک) لوگ بیان کر رہے ہیں تو آپ ان کو اسی شغل اور تفریح میں رہنے دیجیے یہاں تک کہ

يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ۝

ان کو اپنے اُس دن سے سابقہ واقع ہو جس دن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اور وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی قابلِ عبادت ہے اور زمین میں بھی قابلِ عبادت ہے اور وہی

وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ

بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے، اور وہ ذات بڑی عالیشان ہے جس کیلئے آسمان اور زمین کی اور جو مخلوق انکے درمیان ہے اسکی سلطنت ثابت ہے اور اسکو قیامت کی بھی خبر ہے اور

تُرْجَعُونَ ۝ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ

تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے اور خدا کے سوا جن معبودوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سفارش (تک) کا اختیار نہ رکھیں گے ہاں جن لوگوں نے حق بات (یعنی کلمہ ایمان) کا اقرار

هُمْ يَعْلَمُونَ ۝ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ وَقِيلِهِ

کیا تھا اور وہ تصدیق بھی کیا کرتے تھے اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے سو یہ لوگ کدھر الٹے چلے جاتے ہیں اور اسی کو

toobaafoundation.com

ع ۲۲ ۱۲

يٰرَبِّ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُونَ ۝ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ ع

رسولؐ کے اس کہنے کی بھی خبر ہے کہ اے میرے رب یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے تو آپ اُن سے بے رخ رہیے اور یوں کہہ دیجیے کہ تم کو سلام کرتا ہوں سو اُن کو ابھی معلوم ہو جاوے گا

تفسیر ہر مشرک کو اقرار ہے اور نزول قرآن کے زمانے میں بھی اقرار تھا کہ تمام انسانوں کو پیدا کرنے والا اور عدم سے وجود میں اپنے علم وارادہ کے مطابق لانے والا اللہ ہی ہے۔ اس تخلیق میں کوئی اس کا ساجھی نہیں۔ نہ کوئی اس کا مددگار ہے۔ اس اقرار کا نتیجہ صاف ہے کہ اللہ والد نہیں اُس کی کوئی اولاد نہیں۔ والد خالق نہیں ہوتا علم وارادہ کے مطابق عدم سے وجود میں لانے والا اور نیست سے ہست کرنے والا نہیں ہوتا اور جب وہ خالق ہے والد نہیں تو لامحالہ اس کو بیوی کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ بات اتنی صاف ہے کہ اس میں کسی سوچ وبچار اور غور وفکر کی ضرورت نہیں۔ لیکن مشرک اتنی کھلی حقیقت کو بھی نہیں مانتے بلکہ کبھی الوہیت کے اقانیم ثلثہ قرار دیتے اور مجموعہ کو اللہ کہتے ہیں۔ کبھی انسان اور ملائکہ کو خدا کی اولاد قرار دیتے ہیں۔ کبھی انسان کے اندر اللہ کے حلول کر جانے کا دعویٰ کرتے ہیں یہ سب خرافات ہے اس قابل بھی نہیں کہ اس کی طرف توجہ بھی کی جائے۔ جب اللہ ہی خالق اللہ ہی مالک اللہ ہی حاکم اور اللہ ہی ساری کائنات پر اقتدار رکھنے والا ہے تو اُس کے سوا معبود مسجود کون ہو سکتا ہے اور کس کی اتنی عظیم الشان ہستی ہے کہ اس کے سامنے سرِ نیاز جھکایا جائے اور اس کو معبود قرار دیا جائے۔ معبود ہونے کی اصل علت خالقیت ربوبیت اور حاکمیت ہے۔ جب ان اوصاف کمالیہ کا حصر اللہ ہی میں ہے تو وہی معبود ہونے کا مستحق بھی ہے بس وہی ایک معبود ہے آسمانوں پر رہنے والوں کا بھی اور زمین پر بسنے والوں کا بھی۔ اُسی کی خدائی ساری کائنات میں اور تمام سنسار پر ہے۔ تمام عالم ہستی اسی کی الوہیت کا مظہر اور منظر ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ جیسے حسی دنیا میں کوئی ٹھوس جامد اور تاریک ہے اور کوئی روشن براق اور لامع اول مظہر صنعت ہے مگر دقیق الفہم مشکل سے سمجھ میں آنے والا اور دوسرا واضح اور عیاں ہے آسانی سے سمجھا جانے والا۔ مؤخر الذکر کا مظہر ہونا اکمل ہے اور اول الذکر میں کچھ خفا ہے۔ اسی طرح عالم مجردات و روحانیات میں کوئی مخلوق مظہر اتم واکمل ہے اور کوئی ناقص ملائکہ انبیاء اور اولیاء کامل ترین مظہر الوہیت ہیں باقی انسان وحیوان مظہر ناقص اور جو ملائکہ یا انسان مظہر اکمل ہیں انہیں کی معرفت اللہ کی طرف سے پیام ہدایت عام انسانوں تک پہنچتا ہے۔ جس طرح ملائکہ اور غیبی کارندوں کے ذریعہ سے نظام تکوینی کو قائم رکھا گیا ہے اسی طرح انبیاء کے ذریعہ سے نظام تشریعی کو پھیلایا گیا اور عام انسانوں تک پہنچایا گیا ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ نظام تکوینی وتشریعی چلانے اور قائم رکھنے کا ملائکہ اور انبیاء کو اختیار کامل اور اقتدار مطلق العنان حاصل ہے۔ یہ تو غیبی کارندے ہیں۔ کارگذار اپنی اپنی مفوضہ خدمت کو سرانجام دینے پر مکلف۔ نہ یہ خود مختار کل ہیں نہ اللہ سے ان کا جزئیت اور ولدیت کا تعلق ہے کہ معبودیت میں شریک بن جائیں نہ اللہ کے باغیوں اور نافرمانوں کو قرب الٰہی تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں نہ ان کو سرکشوں کی سفارش کرنے کا اختیار ہے۔ اگر یہ شفاعت کر بھی سکتے ہیں تو باذن الٰہی صرف اہل ایمان کی جن سے کوئی عملی لغزش ہو گئی ہو۔ لیکن باطل پرست ان کھلی ہوئی واجب التسلیم حقیقتوں کو نہیں مانتے وہ انبیاء حق کو زیر کرنے اور ان پر غالب آنے کے لئے کھلم کھلا اور چپکے چپکے ہر طرح تدبیریں کرتے رہتے ہیں اور اللہ کے فیصلے کے مقابلے میں اپنی عقل نارسا کے فیصلوں کو جاری کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کی تدبیریں اور مکاریاں ناقص ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ محکم اور قطعی۔ اُن کی کوئی سرگوشی اور خفیہ سے خفیہ حرکت اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں وہ بذاتِ خود بہت بڑا الحکیم والعلیم ہے پھر اس نے اپنے غیبی کارندے بھی مقرر کر رکھے ہیں جو انسان کے ہر خاموش قول کو سنتے اور پوشیدہ حرکت کو دیکھتے اور چھپے ہوئے ارادوں کی ہر لہر کو جانتے ہیں اور جو کچھ یہ لوگ کہتے کرتے اور سوچتے ہیں اس کو لکھ لیتے ہیں۔ عالم ناسوت میں جو کچھ نمودار ہونے والا ہوتا ہے اس کا اول ترین نقشہ عالم ملکوت میں تیار ہو جاتا ہے اور پھر جو کچھ عالم ناسوت میں ظاہر

toobaafoundation.com

ہوتا ہے یا سوچا جاتا ہے اس کی بعینہٖ کاپی (جس کو اگر اصل کہا جائے تو بیجا نہیں) عالم ملکوت میں چھپ جاتی ہے سر مو فرق نہیں ہوتا، اس سے پست سے پست، آواز اور خفیف سے خفیف حرکت اور پوشیدہ سے پوشیدہ ارادہ کی چھاپ کراماً کاتبین کی قدرتی کاغذ پر پڑجاتی ہے جو کبھی نہیں مٹتی۔ پس اللہ اور اللہ کے برحق پیغمبر کے برحق پیغام کے خلاف خفیہ تدبیریں اور چپکے چپکے سرگوشیاں کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں وغیرہ۔

تحلیلِ اجزاء

اَمْ اَبْرَمُوْۤا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ۔ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ ابرام امر سے مراد ہے مضبوط تدبیر کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ حق سے نفرت کرنے کی کیا وجہ ہے۔ کیا انہوں نے حق اور اہل حق کے خلاف کوئی مکر طے کر رکھا ہے کوئی ایسی تدبیر بنا رکھی ہے کہ وہ حق پر غالب آجائیں گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ ہر امر کو طے کرنے والے تو ہم ہیں ہمارا ہی حکم نافذ ہوتا ہے۔ ہماری ہی خفیہ تدبیر سب پر غالب آنے والی ہے۔ یہ قضا و قدر میں دخیل نہیں ہوسکتے۔

اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ ؕ یا ان کا یہ خیال ہے کہ ان کے چھپے ہوئے اور علانیہ باہمی مشوروں کو ہم نہیں سنتے ہیں۔ (بغوی)، زمخشری نے کہا کہ سر سے مراد ہے دل کا پوشیدہ خیال جو دوسرے پر ظاہر نہ کیا گیا ہو اور نجویٰ سے مراد ہے سرگوشیاں اور کانوں کان مشورے۔

بَلٰى وَ رُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ۔ حالانکہ (ہمارے ذاتی ہمہ گیر علم کے علاوہ) ہمارے فرشتے اُن کے پاس (ہر وقت) رہتے ہیں اور (جو کچھ وہ سوچتے کہتے اور کرتے ہیں سب کو) لکھ لیتے ہیں (جو اَمِٹ ہے) یعنی ایسی صورت میں کوئی خفیہ تدبیر ہم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖۗ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ بیٹا باپ کا جزء ہوتا ہے اور باپ کے نسلی اوصاف بیٹے میں منتقل ہوتے ہیں۔ پس بالفرض محال اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو اس میں بھی باپ کی الوہیت منتقل ہو کر آتی۔ اور اس انتقال اُلوہیت کا تقاضا ہوتا کہ اس کو بھی معبود قرار دیا جائے اور اس کی بھی عبادت کی جائے تاکہ باپ ناراض نہ ہوجائے لیکن اللہ تعالیٰ کی تو کوئی اولاد نہیں وہ تو آسمان و زمین کا مالک اور حاکم اور خالق ہے۔ ساری کائنات کے عرش اقتدار کا مالک ہے۔ اُسی کا حکم جاری و ساری ہے وہ تخلیق کائنات اور حکومتِ کائنات کے لئے کسی سہارے کا محتاج نہیں پھر اس کی اولاد کیسے ہوسکتی ہے۔ یہ لوگ جو طرح طرح سے واہمہ کے زیر اثر اس کے ذاتی اور صفاتی احوال بیان کرتے ہیں۔ کبھی کائنات میں سے بعض مخلوق کے اندر اس کا حلول مانتے ہیں۔ کبھی صفات ثلثہ کے مجموعہ کو ذاتِ اُلوہیت قرار دیتے ہیں۔ غرض مخلوق کو کبھی خالق کا ہم پایہ بنا دیتے ہیں اور کبھی خالق کے اندر مخلوق کی خصوصی صفات پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ سب خرافات ہیں اللہ تعالیٰ اس تمام خرافات سے پاک ہے۔ اے پیغمبر آپ کہدیجئے کہ اگر رحمان کا کوئی بیٹا بیٹی ہوتا تو سب سے پہلے میں اُس کی عبادت کرتا یعنی مسیح ہو یا عزیر یا ملائکہ یا کوئی غیبی طاقت سب اس کی مخلوق ہے کوئی بھی اس کی اولاد نہیں۔

فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَ یَلْعَبُوْا حَتّٰى یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ۔ اگر یہ لوگ نہیں مانتے اور تشبیہ و شرک پر اڑے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے اندر اٹکل پچو خیالات و توہمات کے گھوڑے دوڑاتے ہیں تو ان کو پرواہ نہیں کرتے دیجئے انہوں نے تو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو کھیل بنا رکھا ہے کہ جس طرح چاہا توڑا مروڑا گھڑا یا بنا ملایا ہٹایا) آپ ان کو کھیلنے دیجئے۔ کھیل میں بڑا رہنے دیجئے۔ آخر قیامت آئے گی مقررہ سزا قیامت کے دن ان کو ملے گی۔ اگر اس دنیا میں یہ باز نہیں آتے تو قیامت کے دن اس کی سزا پائیں گے۔

وَ هُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ وَ تَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ۚ وَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ جب ساری کائنات کا رب اور خالق اور مالک اللہ ہی ہے اور کل جہان کا عرش اقتدار بھی وہی متمکن ہے

toobaafoundation.com

اور اسی کا حکم جاری ہے تو پھر آسمان ہو یا زمین بلند ہو یا پست سارے عالم بالا و زیریں میں اسی کی الوہیت ہونی چاہیئے اور ہے۔ پورے سنسار کا معبود اسی کو ہونا چاہیئے اور وہی معبود کل ہے۔ (جب سارے جہان کی تکوین اسی کی الوہیت کو مانتی ہے اور شہادت دیتی ہے تو اگر یہ نوع مشرک اس کی وحدت و الوہیت کو نہیں مانتے اور شرک کرتے ہیں تو اس کا کیا بگڑتا ہے آپ بھی اس کو یونہی رہنے دیجئے۔ اس کی الوہیت اور تنہا الوہیت کو یہ بات بھی ثابت کر رہی ہے کہ) وہی تمام جہان کے نظم اور تدبیر بقا سے واقف ہے اور کل مخلوق کے ذرے ذرے کا علم اس کو ہے اور رہتا ہے۔ اسی کی حکومت آسمانوں اور زمین پر اور درمیانی فضا پر اور آسمانی و زمینی موجودات پر چلتی ہے۔ ہر چیز اُسی ملک ہے وہی سب کا مالک ہے اُسی نے سب کو بنایا ہے وہی نقطہ آغاز ہے اور مرنے کے بعد اُسی کے پاس سب کو پہنچنا ہے وہی مرکز انجام ہے تو جب ابتدا و انتہا اور ان دونوں کے درمیان ہستی و بقا کا مرکز اسی کی ذات ہے تو ظاہر ہے کہ اُس کی حکومت و علم سے کوئی چیز خارج نہیں۔ اور جب سب کو اسی کے پاس لوٹنا ہے تو وہی سزا جزا کا بھی مختار ہے یہی یہ بات کہ سزا جزا کب ہوگی تو اس کا ایک وقت مقرر ہے (تھوڑی تھوڑی سزا جزا اگرچہ اس دنیا میں دنیوی دکھ سکھ اور نعمت و مصیبت کی شکل میں ملتی رہتی ہوں، مگر پورے بدلے کی ایک ساعت معین ہے۔ جب یہ عمل گاہ حیات اور نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا) اور اس ساعت کا قطعی تعیینی علم صرف اُسی کو ہے (علامات و نشانات اگرچہ اُس نے اپنے پیغمبروں کی زبانی بتا دیئے ہیں، مگر مقرر وقت کا علم اپنے لئے مخصوص رکھا ہے)

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ مشرک جو بعض پیغمبروں کی یا ملائکہ کی یا خاص خاص دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے کچھ بے وقوف تو ان کو محل الوہیت قرار دیتے تھے اور معبود حقیقی سمجھتے تھے ان کی حماقت کا اظہار تو گذشتہ آیات میں بہ ندرو دلائل کے ساتھ کر دیا گیا۔ لیکن عام طور پر مشرک معبود حقیقی تو ایک ہی خدا کو مانتے ہیں، مگر پرستش سیکڑوں کی کرتے ہیں۔ کچھ ان کے معبود روحانیات میں سے کچھ جسمانیات میں سے۔ جسمانیات میں سے کچھ علویات ہیں۔ جیسے سورج چاند ستارے اور کچھ عناصر ہیں جیسے آگ، پانی، مٹی اور کچھ خالص عناصر کے مرکبات ہیں جیسے پتھر، سونا، چاندی، پیتل درخت وغیرہ۔ اور کچھ روح و جسم کے مجموعے ہیں جیسے بعض انبیاء و اولیاء، علویات اور سفلیات کو وہ الوہیت کا نمونہ اور مظہر اتم قرار دیتے ہیں، اس لئے سب کی پوجا کرتے ہیں، مگر کسی کو خدا سمجھ کر نہیں پوجتے بلکہ ان کو خوش کرنے کے لئے پوجتے ہیں تاکہ خدائی دربار میں وہ ان کی سفارش کر دیں اور خدا سے ان کا سلسلہ ملا کر مقام قرب تک پہنچا دیں ان کی تردید اس آیت میں فرما دی کہ جب تم کو تسلیم ہے کہ اللہ ہی تنہا تمہارا خالق ہے۔ بغیر کسی کی مدد اور سہارے کے اُس نے تم کو پیدا کیا تو پھر یہ بہکا ہوا طرز زندگی کیوں اختیار کرتے ہو۔ تنہا اللہ تعالیٰ کی معبودیت سے منہ موڑ کر دوسروں کی معبودیت کی طرف اپنا رُخ کیوں کرتے ہو، اس لئے دوسروں کی پوجا کرتے ہو کہ وہ خدا سے تمہاری سفارش کر دیں گے حالانکہ ان کو سفارش کرنے کی طاقت اور شفاعت کا از خود اختیار نہیں۔ عام طور پر تو بے جان سفلیات بسائط اور مرکبات۔ اور بے اختیار علویات ہیں۔ جنہیں شفاعت کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے وہ کسی کی شفاعت کر ہی نہیں سکتے اور جو شفاعت کرنے کی صلاحیت اور اختیار رکھتے ہیں وہ وہی ہیں جو توحید کے قائل اور معبود کو ایک ماننے والے ہیں۔ اور اُن کو یقین ہے کہ اللہ ایک ہے۔ اُس کی معبودیت میں کوئی شریک نہیں۔ جب خود وحدت الوہیت کے قائل ہیں اور ایک معبود پر یقین رکھتے ہیں تو پھر اپنی پوجا ہونے سے کیوں خوش ہو سکتے ہیں کیا اپنے پجاریوں سے اُن کا کوئی تعلق پیدا ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے وہ سفارش کر سکیں۔ اگر وہ سفارش کریں گے تو وہ اہل توحید اور ایمانداروں کی کریں گے جو اللہ کی معبودیت میں کسی کو شریک نہیں بناتے مشرکوں سے اُن کا کیا واسطہ۔

وَقِيلِهِ يَا رَبِّ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُونَ ۝ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ قیلہ زیر کے ساتھ مشہور قرأت ہے اس کا عطف الساعۃ پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو قیامت کا علم ہے کہ کب اور کیسے آئے گی اور اپنے رسول کے اس قول کا بھی علم

toobaafoundation.com

ہے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ مطلب یہ رسول کو ان کے ایمان کی طرف سے ناامیدی ہوگئی اور انہوں نے کہدیا کہ یہ ایمان لانے والے نہیں۔ پس ان کو عذاب میں مبتلا ہونا ہے اور عذاب قیامت کے دن ہوگا جس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کب آئے گا عنقریب ان کو بھی معلوم ہو جائے گا۔ مریں گے تو قیامت کے عذاب کا نمونہ اُن کو مرتے ہی دِکھ جائے گا۔

بعض نے واو کو قسمیہ اور جواب قسم کو محذوف مانا ہے۔ اس صورت میں مطلب اس طرح ہوگا کہ قسم ہے رسول کے اُس قول کی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ یقیناً یہ سرکش عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

پھر رسول کو خطاب کرکے فرماتا ہے کہ آپ اب ان سے درگذر کیجئے (ان کی ہدایت کے پیچھے نہ پڑیئے) اور ان سے کہدیجئے کہ مجھے تم سے خدا بچائے (میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ ایمان تم نہیں لاتے شرک سے میں بیزار ہوں) عنقریب ان کو شرک و معصیت کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا (یعنی مرنے کے بعد ہی عذاب قیامت کا نمونہ دکھ جائے گا اور مبتلائے عذاب ہو جائیں گے)

مقصود بیان

اَمۡ اَبۡرَمُوۡۤا الخ سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر پوشیدہ ہے اور تدبیر اُس کی غالب رہتی ہے۔ قضا و قدر پر کسی کی مکاری اور اسکیم غالب نہیں آسکتی۔

اَمۡ یَحۡسَبُوۡنَ میں اللہ کے ہمہ گیر علم کی صراحت ہے۔ لفظ نَسۡمَعُ سے یا تو وہ علم مراد ہے جو بندوں کو سننے سے حاصل ہوتا ہے یعنی مسموعات کا علم۔ یا سمع کا حقیقی معنی مراد ہے جس کی حقیقت اور کیفیت مجہول ہے اور مخلوق کی سماعت کی مشابہت سے پاک ہے اوّل معتزلہ کا قول ہے اور دوسرا اہل سنّت کا۔

رُسُلُنَا سے دو باتیں معلوم ہوئیں اوّل یہ کہ اللہ کے کچھ غیبی فرستادے کارندے موجود ہیں جن کو رسول کہا گیا ہے۔ تو گویا جس طرح انسانوں میں رسول مقرر کیے گئے اسی طرح فرشتوں میں بھی رسول ہیں اور وہ رسول ارضی ہیں۔ دوئم یہ کہ فرشتے انسان کے سارے اعمال لکھنے پر مامور ہیں بلکہ اگر کوئی چپکے چپکے سرگوشیاں بھی کرے یہاں تک کہ اپنا راز اور ارادہ دل میں بھی چھپا کر رکھے اور کسی سے نہ کہے سب کو فرشتے لکھ لیتے ہیں

رَبِّ الۡعَرۡشِ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے جہان کے تخت حکومت پر متمکن ہے۔ وہی اقتدار کل کا مالک ہے۔

فَذَرۡهُمۡ سے جہاں رسول کو آئندہ تعرض نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں مشرکوں سے بیزاری کا مفہوم بھی اس سے مترشح ہو رہا ہے۔

یَخُوۡضُوۡا وَ یَلۡعَبُوۡا سے زیر پردہ ذات و صفات کے مسائل میں وہمی گھوڑے دوڑانے اور اپنی طرف سے اٹکل پچو ان میں دخل دینے کی ممانعت مستنبط ہو رہی ہے اور یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ کی ذات و صفات ایسی چیز نہیں جو بازیچۂ اوہام ہو۔

فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّ فِی الۡاَرۡضِ اِلٰہٌ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ کی الوہیت کو سارا جہان تکوینی طور پر مانتا ہے، اُس کی معبودیت ہر جگہ تسلیم شدہ ہے پھر کیا وجہ کہ شعور و عقل رکھنے والا انسان سارے جہان کے خلاف وحدت الوہیت کو شرک سے آلودہ کرے۔

لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ الخ سے تخلیق ملکیت اور ملوکیت کو ظاہر کیا ہے۔ اس کے آغاز کا سرا اپنے ہاتھ میں رکھنے اور کائنات کی مدت حیات پر اپنا قابو دکھانے کی طرف اشارہ ہے

اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ یہ بتانا مقصود ہے کہ مآل کار مرنے کے بعد بھی انسان کو اللہ تعالیٰ کے پاس ہی جانا ہے۔ گویا ابتدائی اور انتہائی دونوں کنارے اُسی کے قبضہ میں ہیں اور وسطی دور بھی اُسی کے دست قدرت میں ہے۔

وَ لَا یَمۡلِکُ الخ سے مشرکوں کے لئے نفی شفاعت کی صراحت ہے اور یہ بات بھی ظاہر کی گئی ہے کہ صرف سچے موحد اور

toobaafoundation.com

شہادت دینے والے ہی شفاعت کریں گے۔ یعنی کوئی بُت، درخت، پتھر، پانی، آگ، ستارے اور گمراہ شیطان شفاعت نہیں کرسکیں گے اور جب اہل حق ہی شفاعت کریں گے تو وہ مشرکوں کی شفاعت نہیں کرسکتے۔
لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ سے مشرکوں کی حماقت کا اظہار کیا ہے کہ اللہ کا خالق واحد ہونا تو ان کو تسلیم ہے، مگر معبود واحد ہونا تسلیم نہیں۔ یہ کیسی حماقت ہے وغیرہ۔

سُوْرَةُ دخان

حضرت ابن عباس اور حضرت زبیر کے اقوال میں اس سورت کو مکی کہا گیا ہے۔ قرطبی نے یہی لکھا ہے۔ بعض اہل روایت نے آیت انا کاشفوا العذاب قلیلا الخ کو مکی ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، مگر یہ روایت کچھ زیادہ قوی نہیں ہے
اس سورت میں ۵۶ یا ۵۷ یا ۵۹ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

حٰمٓ ۚ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝

حٰم قسم ہے اس کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو (لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا پر) ایک برکت والی رات (یعنی شب قدر) میں اُتارا ہے ہم آگاہ کرنے والے تھے

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝

(اس) رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم ہوکر طے کیا جاتا ہے ہم بوجہ رحمت کے جو آپ کے رب کی طرف سے ہوتی ہے

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۙ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

آپ کو پیغمبر بنانے والے تھے بے شک وہ بڑے سننے والا بڑا جاننے والا ہے جو کہ مالک ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو (مخلوق) اُن

وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَ

دونوں کے درمیان میں ہے اس کا بھی اگر تم یقین لانا چاہو۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت کے نہیں وہی جان ڈالتا ہے اور وہی جان نکالتا ہے وہ تمہارا پروردگار ہے

رَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۝

اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی پروردگار ہے بلکہ وہ شک میں ہیں کھیل میں مصروف ہیں

تفسیر ریاضی اور طبعیات کے کچھ اوّلین اصول ایسے ہیں جن کی صداقت زمان و مکان کی قید سے باہر ہے۔ ہر زمانہ اور ہر ملک میں دانشوروں کو ان کی صحت پر اتفاق ہے۔ بالکل اسی طرح انسان کی روحانی اور زندگی کے کچھ واقعی اصول ہیں جن سے انسان کی دنیوی اخروی زندگی کی فلاح و بہبود وابستہ ہے اور جن کی صحت ہر زمانہ اور ہر مقام پر واجب التسلیم ہے، لیکن ان ضوابطِ فلاح

toobaafoundation.com

کو دماغی گوشوں اور زاویوں کا استقرا کرنے کے بعد مرتب اور منظم کر کے باہر نکالنا اور انسانی سوسائٹی کے سامنے لانا کسی زمانے میں بھی عقل و رسا کے بس کی بات نہ رہی کیونکہ انسانی معاشرہ کی بہبود کامل کا تعلق علم کامل سے اور علم کامل کا حصول عقل نارسا کی رسائی سے خارج ہے۔ ساری کائنات کے ذرہ ذرہ سے واقفیت اور واقفیت بھی ایسی جو زمانی و مکانی حدود سے بالاتر ہو انفرادی اور اجتماعی فکر کے بس کی بات نہیں۔ پھر مبدء و معاد اور آغاز و انجام کے ابتدائی مباحث کے غور کرنے کے راستہ میں ارسطو اور سقراط فیثاغورس اور افلاطون کو بھی ایسی لاتعداد ٹھوکریں لگی ہیں اور چوٹ کے ان فلاسفروں کی نافہم قوت فاہمہ ایسے تاریک غاروں میں گر جاتے ہیں جہاں سے نجات ناممکن ہے۔ ضوابط حیات وضع کرنے اور مبدء و معاد کا علم روشن عطا کرنے کے لئے تو علام الغیوب کی روشن کتاب کی ہی ضرورت ہے جو انسانی نسل کی کوہِ سلامتی کو کھول کھول کر بیان کرے اور شر کو خیر سے اور خطا کو صواب سے جدا کر کے دکھا دے۔ اللہ نے گم گشتہ اور گمراہ انسان کی ہدایت کے لئے جو جہالت کی تاریک وادیوں میں بھٹک رہا تھا ہمیشہ صحیفے اور کتابیں اپنے ان بندوں پر نازل کیں جن کا علم ہر غلطی سے پاک اور جن پر معارف وہبیہ کا فیضان ہر کسب عقلی کی آلائش سے منزہ تھا۔ انہی مقدس کتابوں میں سے ایک روشن اور روشنی بخش کتاب اللہ نے نازل کی جس کا نام قرآن مجید ہے۔ اس کتاب کا نزول بارگاہ قدس سے عالم ملکوت میں ایک مبارک قدر والی رات میں ہوا وہ رات تاریک رات تھی، مادیت کی رات جس پر آفتاب یا زمین کے چکر کا کوئی اثر نہ تھا۔ آفتاب و ماہتاب کا غروب و طلوع اس رات کے پیدا ہونے کا سبب نہ تھے۔ ایسی رات تو زمین پر رہنے والوں کی رات ہوتی ہے ملکوتی دنیا میں ایسی رات نہیں ہوتی۔ وہ رات تو ملکوتی رات تھی۔ گو ساکنان ارضی کے لحاظ سے ہم اس کو آفتابی یا ماہتابی رات کہہ سکتے ہیں، مگر حقیقت میں وہ رات مادیت کی تھی اور مادیت بھی فلسفی اصلاح والوں کی نہیں بلکہ ملکوتی مادیت جس پر گردش لیل و نہار اثر انداز نہیں۔

غرض ایک قدر والی رات میں ایک پُر حکمت کتاب نازل ہوئی جس کے اندر اندازۂ الٰہی کے مطابق انسان کے فکری و عملی تمام نجات بخش و ہلاکت ریز ضوابط کو جدا جدا امتیازی شکل میں بیان کر دیا گیا تھا۔ انسانی بہبود و نامرادی سے تعلق رکھنے والا کوئی علمی و عملی ضابطہ ایسا نہ تھا جو چھانٹ کر الگ نہ بیان کر دیا گیا ہو اور کوئی پُر حکمت کلیہ ایسا نہ تھا جس کو بچا کر رکھا گیا ہو اور یہ سب کچھ اللہ کی رحمت و ربوبیت کے نتیجہ میں ہوا ورنہ سرکش نافرمان باغی انسان کو کب حق پہنچتا تھا کہ اس کی ہدایت و بہبود کے لئے اللہ اپنی کتاب نازل فرمائے، مگر وہ چونکہ انسانی ضرورتوں کی آواز کو سنتا اور بشری مصالح و مفاسد کو جانتا ہے۔ وہی بلند و پست اور خلا و ملا کا خالق مالک مدبر اور حاکم ہے اسی کا حکم سارے جہان میں رواں ہے اور اسی کے قبضہ میں افراد و اقوام اور بلاد و قری کی موت و حیات ہے اور وہی موجودہ اور گزشتہ سارے انسانوں کا رب ہے، اس لئے اس نے اپنی رحمت سے کتاب مبارک نازل کی تاکہ لوگ خبردار اور ہوشیار ہو جائیں اور اس کی دی ہوئی ہدایت کی مخالفت سے ڈریں۔

تحلیل اجزاء حٰمٓ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ قسم ہے کتاب مبین کی مبین روشن اور کھول کر بیان کرنے والی۔ قرآن مجید میں دونوں اوصاف ہیں۔ خود سراسر نور ہے، اس لئے اس کو نور بھی کہا گیا اور انسانی زندگی کو درست کرنے والی دنیوی و دینی ضوابط بھی بیان کرنے والا ہے۔ اس کی تعلیم میں فلاح دارین مضمر ہے۔ ذات، صفات، مبدء و معاد اور عالم مجردات و نبوات کے ان مباحث کو اس نے نہایت صاف بیان کیا ہے جو بڑے بڑے فلاسفروں کی عقل کی نارسائی سے ماوراء تھے، اس میں اخلاقیات مدنیات و سیاسیات غرض تمام شخصی اور اجتماعی کلیات و قوانین کی تعلیم کامل بغیر کسی تزلزل کے اس طرح دی گئی ہے کہ ہدایت کا ضلالت سے اور اچھائی کا برائی سے اور تعمیر کا تخریب سے کامل امتیاز ہو جاتا ہے۔

کتاب بمعنی مکتوب ہے یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی یا آئندہ اوراق میں لکھی جانے والی۔ یا کتاب کا معنی ہے مثبت اور مفروض یعنی قوانین و ضوابط کا وہ مجموعہ جس کو ماننا اور اس پر عمل کرنا اللہ کی طرف سے فرض کر دیا گیا ہے۔

toobaafoundation.com

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةٍ مُّبَٰرَكَةٍ ہم نے ہی کتاب نازل کی یعنی عالمِ لاہوت سے عالمِ ملکوت میں اتاری یا لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر اتارا یا پردۂ وجوب و قدم سے دائرۂ امکان کی طرف بھیجا۔ اور اپنے بندہ کے دل پر کسی خاص فرشتے کے ذریعہ بلا واسطہ مجموعۂ معانی مرتب عربی عبارت کے اندر القا کیا۔ نہ اس میں جن و انس اور فرشتے کی ذہنی اختراع اور ساخت پرداخت کو دخل ہے نہ قوتِ واہمہ اور شیطانی آمیزش کی وہاں تک رسائی ہے۔ برکت والی رات سے مراد عکرمہ اور ایک جماعت علماء کے نزدیک شعبان کی پندرہویں شب ہے۔ نووی نے صحیح مسلم کی شرح میں بابِ صوم التطوع کے اندر اس تفسیر کو غلط قرار دیا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے بھی اس قول کی تغلیط کی ہے اور صراحت کی ہے کہ جو شخص شبِ قدر نصف شعبان کی رات کو قرار دیتا ہے وہ غلط کہتا ہے۔ بہ نصِ قرآن لیلۃ القدر رمضان ہی میں ہے یعنی شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن میں ماہِ رمضان میں نزولِ قرآن کی صراحت کی گئی ہے اور إنا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ میں لیلۂ مبارکہ میں نزول قرار دیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لیلۂ مبارکہ یعنی شبِ قدر جس میں قرآن نازل ہوا رمضان ہی ہے۔ شیخ ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک کے کل امور کے فیصلے نصف شعبان کی رات کو کر دیئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جس شخص کا نام مُردوں کی فہرست میں داخل ہو چکا ہے اس کا نکاح بھی ہوتا ہے اور اس کی اولاد بھی ہوتی ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے جو نصوص کے مقابل لائے جانے کے قابل نہیں۔ کذا فی المواہب۔

حسن، مجاہد اور قتادہ نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ سال بھر کے تمام امور رزق، پیدائش، موت وغیرہ کا فیصلہ شبِ قدر میں کر دیا جاتا ہے، لیکن شبِ قدر کو نصف شعبان والی رات ان بزرگوں نے نہیں قرار دیا۔ شبِ قدر کی تعیین کے متعلق مختلف اقوال و روایات ہم سورت قدر میں ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

اکثر اہلِ تفسیر کے نزدیک لیلۂ مبارکہ سے شبِ قدر ہی ہے اور شبِ قدر رمضان میں ہی ہوتی ہے یا کم از کم جس شبِ قدر میں قرآن مجید نازل ہوا وہ رمضان میں ہی تھی اور غالباً وہ ۲۷ ستائیسویں تاریخ تھی۔ تمام قرآن مجید لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر شبِ قدر میں نازل ہوا اور ۲۳ تیئیس سال کی مدت میں تھوڑا تھوڑا آسمانِ دنیا سے اترتا رہا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ سورۂ اقرأ شوال میں نازل ہوئی اور بالاتفاق علماء سورۂ اقرأ کی اول چند آیات کا نزول سب سے اول ہوا۔ اس روایت کی صحت کی تقدیر پر یہ تاویل کی جائے گی کہ آغازِ نزول تو شبِ رمضان ہی میں ہوا لیکن حضور نے لوگوں پر اس کا اظہار ماہِ شوال کے شروع میں کیا۔ شیخ ابن جریر نے اسی کی صراحت کی ہے۔

نزول کے وقت کو شبِ مبارک کے لفظ سے تعبیر کرنا ساکنانِ مکہ کے لحاظ سے ہے۔ بھیجنے والے کے نزدیک اور جہاں سے قرآن بھیجا گیا اُس مقام پر تو ہماری نہ یہ رات ہے نہ دن۔ نہ آیت میں وقتِ ارسال یا آنِ روانگی کی طرف کوئی اشارہ کیا بلکہ نزول کا وقت بتایا ہے اور حقیقتاً مکہ میں رات ہی کا وقت تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اسی زمین پر وہ کسی جگہ دن کا وقت ہو۔

إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ یعنی قرآن بھیجنے اور ضوابطِ حیات کا مجموعہ نازل کرنے سے ہماری کوئی غرض وابستہ نہیں بلکہ لوگوں کو ہوشیار کرنا اور اس بات سے آگاہ کرنا مقصود ہے کہ جو شخص اس کی خلاف ورزی کرے گا اور اس کو نہ مانے گا وہ دنیا میں بھی اور آخرت میں مبتلائے عذاب ہوگا۔

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ أَمْرًا مِّنْ عِندِنَآ امرِ حکیم یعنی ایسا امر جو محکم ہوتا ہے جس میں تغیر تبدل نہیں ہو سکتا یا ہر حکمت اور مصلحت آگیں امر یعنی جس میں نظامِ کائنات کی درستی ہوتی ہے اگر وہ پُرحکمت امر نہ ہو تو نظامِ عالم میں تباہی یا خرابی پیدا ہو جائے۔

فیہا کی ضمیر لیلۃ مبارکۃ کی طرف راجع ہے اور یفرق کا ترجمہ عموماً اہلِ تفسیر نے تقسیم کیا جانا، ہر کام کا بانٹا جانا، جدا جدا کیا جانا ہی کیا ہے یعنی اس مبارک رات میں سال بھر کے اندر حادث ہونے والے تمام امور کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ پیدائش، موت، رزق، اولاد اور دوسرے تمام امور طے کر دیئے جاتے ہیں۔ حقیقت میں طے تو ازل ہی میں کر دیے گئے ہیں، مگر وہ

toobaafoundation.com

فیصلہ اور قضاء مبرم تو صرف اللہ کے علم ہی میں ہے اور لوحِ محفوظ میں ثبت ہے۔ شبِ قدر میں آئندہ سال ہونے والے واقعات کے متعلق فرشتوں کو ہدایت دی جاتی ہے اور ہر ایک کی ڈیوٹی مقرر کر دی جاتی ہے کہ یہ کام فلاں ساعت فلاں منٹ میں فلاں مقام پر کرنا ہے، لیکن اس فقیر کی نظر میں سیاق کلام کو دیکھتے ہوئے یفرق سے ایک واقعہ کی حکایت کرنا مقصود ہے یعنی نزول قرآن کی طرف اشارہ ہے۔ قرآن مجید کے اندر ہر خیر و شر اور صحیح غلط کو الگ الگ کر کے بیان کر دیا گیا ہے اور قرآن کے اندر بیان کیا ہوا ہر امر پُر حکمت بھی ہے اور قطعی بھی جس کی افادیت پر نہ مرورِ زمانہ اثر انداز ہوتا ہے نہ تغیر مکانی اس صورت میں امر حکیم سے مراد ہوں گے وہ تمام امور اور ضوابط اور تعلیمات و ہدایات جو قرآن کے اندر موجود ہیں اور ترجمہ اس طرح ہو گا کہ مبارک رات میں ہم نے قرآن نازل کیا اُس رات میں انسانوں کے متعلق تمام ضوابط و قوانین طے کئے جا رہے تھے اور نافع مضر الگ چھپے ہوئے اور حلال حرام میں تفریق کی جا رہی تھی گویا قرآن کا نزول ہی اوامر و نواہی اور خیر و شر کی تفصیل و تفریق تھی واللہ اعلم۔ اسی ترجمہ کی روشنی میں ان آیات سے متعلق ابتدائی تمہید اس فقیر نے قائم کی ہے۔

إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ بلاشبہ ہم ہی بھیجنے والے ہیں۔ انسان کے دل میں القاء دو طرح سے ہوتا ہے۔ القاء رحمانی اور القاء شیطانی اوّل القاء ملکوتی اور خالص وہبی ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے قلب پر بغیر عمل ذہنی اور فکر ترتیبی کے ہوتا ہے اور صرف انبیاء و اولیاء کو ہوتا ہے۔ دوسرا القاء عمل ذہنی اور دخل واہمہ یا وسوسہ شیطانی کا نتیجہ ہوتا ہے، اس لئے آیت میں فرمایا کہ بلاشبہ قرآن کو بھیجنے والے ہم ہی ہیں۔

رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ یعنی قرآن مجید نازل فرمانا اللہ کی رحمت کے زیر اثر ہے۔ اللہ نے دیکھنے سننے سونگھنے چھونے چکھنے کے لئے بیرونی آلات عطا فرما دیئے ہیں۔ جزئیات کا علم حاصل کرنے کے لئے دماغ میں مختلف طاقتیں بھی پیدا کر دی ہیں۔ ترتیب و ترکیب جزئیات کے بعد نتیجہ اخذ کرنے کے لئے قوتِ فکر بھی عطا کر دی ہے۔ غرض عقل اور اس کی خادم قوتیں اچھے بُرے کو پہچاننے اور جاننے کے لئے مرحمت کر دی ہیں۔ ایسی حالت میں کسی شخص کا خدا پر حق نہیں رہتا کہ وہ پیغمبروں کو بھیجتا اور اپنے احکام ان پر نازل فرماتا۔ اب جو قرآن مجید اُس نے نازل فرمایا وہ محض اس کی رحمت کا تقاضا تھا۔

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ کتاب نازل کرنے اور احکام بھیجنے کا اُسی کو حق اس لئے ہے کہ وہی (انسان کی فردی اور جماعتی ضرورتوں کی خاموش آواز کو) سننے والا اور (بشری مفاسد و مصالح کو کامل طور پر) جاننے والا ہے۔ مخلوق میں کوئی ہستی ضرورتِ بشری کی خاموش آواز کو سننے والی اور ماضی و مستقبل کے تمام مصالح و مفاسد کو جاننے والی نہیں ہے۔

رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا۔ وہ تمام کائنات پست و بلند کا خالق مالک اور ناظم مقتدر ہے۔ اسی کا حکم سارے جہان میں جاری ہے۔ پس ہر چیز کو تکوینی طور پر درجۂ کمال تک پہنچانا جب اسی کا کام ہے تو تشریعی طور پر انسان کی فلاح کے لئے قوانین بنانے کا بھی اسی کو حق ہے۔

إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ (اے اہلِ مکہ یا اے انسانو) اگر تم یقین رکھنے والے ہو تو اس کا یقین رکھو (اور یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص فطری طور پر قوتِ یقین تو رکھتا ہے لہٰذا اللہ کے کلام پر ایمان لانا ہر ایک کا فرض ہے)۔

لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ۔ اُس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں کیونکہ

يُحْيِي وَيُمِيتُ۔ وہی (افراد و اقوام کو) زندہ کرتا اور موت دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ جس کے قبضہ میں موت و حیات ہے اُسی کو معبودیت کا استحقاق ہے یعنی جس نے زندگی عنایت کی اور جب چاہے زندگی لے لے اور لے لیتا ہے تو پھر انسان کو اپنی زندگی صرف اسی کی عبادت میں لگانا چاہیئے۔ زندگی دی ہوئی خدا کی اور لگائی جائے کسی دوسرے کی عبودیت و عبادت میں۔ یہ باطل ہے رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ۔ وہی تمہارا اور تمہارے اسلاف کا رب اور خالق ہے مالک اور حاکم ہے (اور ظاہر

toobaafoundation.com

ہے کہ جو حیات بخش مالک جان وجسم اور سا مر ومتصرف ہے اسی کو معبود ہونے کا حق ہے)

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۔ مگر مشرکوں کے پاس شرک وکفر کی کوئی دلیل نہیں بلکہ محض شک میں پڑے لہو ولعب میں مبتلا ہیں یعنی عقیدہ میں غیر یقینیت ہے اور اطوار وگفتار حقیقت سے خالی ہے۔

مقصودِ بیان اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ کے لفظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ قرآن عبارت اور معنی کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ مجموعہ ہی اللہ نے اتارا ہے۔ کیونکہ ہٗ کی ضمیر کتاب کی طرف لوٹ رہی ہے اور ظاہر ہے کہ کتاب صرف معانی کا نام نہیں ہوتا الفاظ کو بھی کتاب کے کتاب ہونے میں بڑا دخل ہوتا ہے۔ پس گمراہ ہیں وہ لوگ جو معانی کو اللہ کی طرف سے عطا کردہ اور الفاظ و عبارت کو رسول اللہ ﷺ کی ساختہ قرار دیتے ہیں۔

فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ سے یہ معلوم ہوا کہ کسی متبرک واقعہ کی وجہ سے تو کسی مکان وزمان میں خصوصی برکت پیدا ہو جاتی ہی ہے۔ اس کے علاوہ بعض اوقات کو فی نفسہ بھی اللہ نے دوسرے اوقات پر افضلیت وبرکت عطا فرمائی ہے۔ اس سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ماہ رمضان اور عشرہ محرم اور ایام حج اور بعض دوسرے ایام کا متبرک ہونا اور ان کو متبرک ماننا خلافِ شرع نہیں ہے۔ اَمْرٍ حَكِيْمٍ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ کا ہر امر پُر حکمت اور مبنی بر مصلحت اور نظامِ کائنات کو چلانے اور قائم رکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ سے معلوم ہو رہا ہے کہ پورا قرآن خدا کا بھیجا ہوا ہے وہی اس کو بھیجنے والا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں انسان یا فرشتہ کی طرف سے کی ہوئی کوئی زیادتی نہیں ہے۔ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ میں صراحت ہے کہ قرآن رحمتِ پروردگار کا نتیجہ ہے یعنی اللہ پر کسی کا حق نہیں تھا کہ اُس کی ہدایت کے لئے اللہ اپنی کتاب نازل فرماتا۔ باقی آیات میں ربوبیتِ عامہ اور ربوبیتِ انسانیہ اور مالک موت وحیات ہونے کا اظہار کیا گیا اور اس سب کی غرض توحیدِ الوہیت کا اثبات ہے۔ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ سے کافروں کے علم وعمل کرنا مقصود ہے۔ جس سے درپردہ یہ تعلیم بھی مستفاد ہوتی ہے کہ علم نام ایمان ویقین کا ہے اسی کو حاصل کرنا ضروری ہے اور اعمال زندگی لہو ولعب نہیں اور حقیقت سے خالی نہ ہونا چاہیئے وغیرہ

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۙ يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

سو آپ (ان کیلئے) اُس روز کا انتظار کیجیے کہ آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہو جو اُن سب لوگوں پر عام ہو جائے یہ بھی ایک دردناک سزا ہے اے ہمارے

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ○ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ

رب ہم سے اس مصیبت کو دور کر دیجیے ہم ضرور ایمان لے آئیں گے ان کو (اس سے) کب نصیحت ہوتی ہے حالانکہ (اس کے قبل) اُن کے پاس ظاہر شان کا پیغمبر

رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ○ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ○ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ

آیا پھر بھی لوگ اس سے اور یہی کہتے رہے کہ (کسی دوسرے بشر کا) سکھایا ہوا ہے دیوانہ ہے ہم چندے اس عذاب کو ہٹا دیں گے تم پھر اپنی اسی حالت

قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ○ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ○

پر آجاؤ گے۔ جس روز ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے (اُس روز) ہم (پورا) بدلہ لے لیں گے۔

تفسیر انکارِ حق اور عملی سرکشی اور علمی وعملی بغاوت کی وجہ سے جب اللہ کی طرف سے بطور تنبیہ کوئی مصیبت آتی ہے اور اُس سے

toobaafoundation.com

نجات ممکن نہیں ہوتی تو بڑے سے بڑے مشرک مجبوراً اللہ ہی کی طرف لوٹتے اور تمام نفسانی معبودوں سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ لیکن جب اللہ اس مصیبت کو دفع کر دیتا ہے تو نافرمان پھر شرک و معصیت کی طرف لوٹ پڑتا ہے اور رسولِ برحق کی بھی پرواہ نہیں کرتا بلکہ وہ رسول جس کی نافرمانی کی وجہ سے سابق مصیبت میں پھنسا تھا اُس کو بجائے رسولِ خدا کہنے اور پیغمبرِ صادق ماننے کے سرپھرا، دیوانہ اور دوسروں کا سکھایا پڑھایا سازشی قرار دینے لگتا ہے اور نہیں جانتا کہ جو مصیبت ٹل گئی وہ ہلاک کرنے کے لئے آئی ہی نہ تھی اُس کا مقصود صرف تنبیہ کرنی اور اتباعِ حق پر آمادہ کرنا تھا۔ آئندہ واقعی ہلاکت آفریں مصیبت آئے گی جس سے مفر ناممکن ہوگا اور جو حقیقت میں بدبختی اور بداندیشی کا انتقام ہوگا۔ مکّہ کے کافروں کو بیدار کرنے کے لئے جب ہفت سالہ قحط میں اللہ نے مبتلا کر دیا تو لگے رسول اللہ کے سامنے عجز و زاری کرنے اور رشتہ داری کا واسطہ دلانے اور مصیبت کے دفع ہونے کے بعد ایمان لانے کا وعدہ کرنے، لیکن پیٹ میں روٹی پڑی اور فاقوں کی وجہ سے آنکھوں کے سامنے جو دھواں سا آنے لگا تھا جب دفع ہوگیا تو مُکر گئے اور سابق سرکشی پر اتر آئے اور ہادئ برحق کو کسی عجمی غلام یا کسی جن کا سکھایا پڑھایا بلکہ دیوانہ سرپھرا کہنے لگے۔ آخر بدر کی لڑائی میں ایسی مصیبت پڑی کہ ساری نخوت اور رعونت رہ گئی۔ کافروں کے بڑے بڑے مارے بھی گئے اور گرفتار بھی ہوئے۔ یہ تھا اللہ کا قلبی انتقام اور ہلاکت ریز سزا۔

تحلیلِ اجزاء فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ يَغْشَى النَّاسَ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ اوپر کی آیت میں تھا کہ یہ لوگ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں یعنی ان کو اللہ کی توحید، پیغمبر کی حقانیت اور قرآن کی صداقت کا یقین ہی نہیں آتا اور زندگی کو انہوں نے بازیچۂ اطفال سمجھ رکھا ہے کہ اس کے اعمال و اقعہ کی کوئی بازپرس ہی ان کے نزدیک نہیں ہوگی۔ اب فرماتا ہے جب یہ بات ہے تو آپ ان پر عذابِ الیم آنے کا انتظار کیجئے۔ وہ زمانہ آنے والا ہے کہ آسمان سے ایک دھواں نمودار ہوگا اور ان لوگوں پر چھا جائے گا اس سے نجات پانے کے لئے لوگ درخواست کریں گے اور کہیں گے:

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ اے ہمارے مالک اس عذاب کو ہم سے دور کر دے ہم ایمان لاتے ہیں، لیکن أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ ان کو نصیحت کہاں ہو سکتی ہے یہ کہاں سمجھتے ہیں۔ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ۝ .... حالانکہ ان کے پاس ہمارا رسول آ گیا جو (فرماں برداری اور نافرمانی کے نتائج) کھول کھول کر بیان کرتا ہے، مگر یہ نہیں مانتے اس کی طرف رُخ بھی نہیں کرتے اور کہتے ہیں تجھے کسی نے سکھا دیا ہے دوسروں کے سکھائے میں آ گیا ہے تیرا تو دماغ چل گیا ہے (یا کسی جن کے اثر سے ماؤف ہو گیا ہے)

إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا ۚ إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ۔ اچھا ہم کچھ مدت کے لئے عذاب ہٹا دیں گے، مگر تم پھر وہی سابق سرکشی کرو گے۔ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ آخر ایک روز ہم سخت پکڑ کریں گے اس روز نہیں چھوڑیں گے۔ تمہاری ان سرکشیوں کی ضرور سزا دیں گے۔

ان آیات میں ایک واقعہ کے متعلق پیشین گوئی ہے۔ وہ حادثہ کون سا ہے اس کی تعیین میں صحابہ ہی کے اقوال مختلف آئے ہیں۔ عام اہلِ تفسیر نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ کی بددعا سے مکہ میں ہفت سالہ قحط پڑا۔ لوگ ہڈیاں اور مردار کا چمڑہ تک کھا گئے۔ آدمی آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتا تھا تو ضعفِ نگاہ کی وجہ سے اس کو آسمان پر دھواں سا نظر آتا تھا۔ جب تکلیف ناقابلِ برداشت ہوگئی تو ابوسفیان نے خدمتِ گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا آپ رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور آپ کی قوم بھوک کی وجہ سے مر رہی ہے۔ اللہ سے دعا کیجئے کہ بلا دفع ہو۔ آپ نے دعا کی اور وہ بلا ٹل گئی۔ حضرت ابن عباسؓ کا قوی قول یہی ہے مقاتل، مجاہد، فراء اور زجاج نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے بھی یہی فرمایا تھا بلکہ آپ نے تو یہاں تک فرمایا تھا کہ جو شخص اس دخان کے علاوہ جو انتہائی بھوک کی وجہ سے آنکھوں کے سامنے اندھیرے کی شکل میں محسوس ہوتا تھا۔ دخان سے مراد کوئی اور

toobaafoundation.com

دخان لینا ہے وہ غلطی کرتا ہے۔ اس صورت میں البطشۃ الکبری سے مراد بدر کی جنگ ہوگی۔ گویا مراد یہ ہے کہ اوّل قحط کا عذاب آئے گا پھر وہ ٹل جائے گا تو بدر میں تباہی ہوگی اور بدر کا عذاب نہیں ٹلے گا۔ اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو یہ اُس وقت کا واقعہ ہوگا جب حضورؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تھے اور ابوسفیان نے مدینہ پہنچ کر دعا کی درخواست کی تھی اور یہ اُسی وقت تسلیم کرنا ممکن ہے جب آیت اِنَّا کَاشِفُوا العَذَابِ الخ کو مدنی قرار دیا جائے۔ جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے اور فارتقب کا لفظ یہ بتا رہا ہے کہ ابوسفیان کے آنے بلکہ قحط پڑنے سے بھی پہلے اس آیت کا نزول ہوا تب ہی تو انتظار کا حکم دیا۔ ایسی حالت میں یہ آیت مدنی کیسے ہوسکتی ہے۔ پوری سورت کی طرح اس کا بھی مکی ہونا ضروری ہے۔ حاصل یہ کہ اگر دخان سے مراد ہفت سالہ کال ہے اور بر قول امام رازی (فی الکبیر) کسی ہولناک واقعہ کو دخان سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ تو اس تفسیری مراد اور لفظ فارتقب میں تعارض ہوگا جس کو دور کرنے کی صرف یہ صورت ہے کہ ابوسفیان کی حاضری کو مکہ کی سکونت ہی کے زمانے کا واقعہ قرار دیا جائے اور واقعۂ بدر سے کم سے کم سات سال پہلے آغاز قحط قرار دیا جائے یعنی بعثت سے چند سال بعد ہی یہ پیشین گوئی کی گئی کہ سخت کال پڑے گا اور وہ کال پڑا پھر حضورؐ کی دعا سے کال دفع ہوا اور پھر جنگ بدر ہوئی جس میں کافروں کے سردار مارے گئے اور گرفتار ہوئے۔ آیات اور واقعات میں یہ خواہ مخواہ کی توڑ مروڑ کرنی پڑے گی پھر بھی آیت کو مدنی نہیں کہا جا سکتا بلکہ مکی ہونا لازم ہے پیشین گوئی کا یہی تقاضا ہے۔ دوسرا قول جو حضرت علی حضرت عبداللہ بن عمر حضرت ابوہریرہ حضرت زید بن علی اور حسن بصری کا ہے اور حضرت ابن عباس کا بھی دوسری روایت میں قول آیا ہے کہ دخان سے مراد ہے وہ دھواں جو آخر زمانہ میں نمودار ہوگا اور قرب قیامت کا نشان ہوگا۔ آسمان سے زمین تک سارے جہان پر چھا جائے گا۔ مومن پر تو اس دھوئیں کا اثر بس ایک زکام کی طرح ہوگا (جیسے ناک کے اندر کچھ کھجلی ہو جاتی ہے) اور کافر اس کے اثر سے نیم مدہوشی کی حالت میں ہو جائے گا دھواں اُس کے پیٹ میں بھر کر ناک کان اور منہ سے خارج ہوتا رہے گا۔ کل زمین اس گھر کی طرح ہو جائے گی جس کے اندر آگ دھونکی گئی ہو اور سارے گھر میں دھواں بھر گیا ہو۔ یہ کیفیت چالیس روز تک رہے گی۔ اس قول پر آیت کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ کلام میں کوئی تعارض نہیں اور آیت کے مکی ہونے سے انکار کی بھی کوئی وجہ نہیں البتہ البطشۃ الکبری سے روز قیامت مراد لینا ہوگا۔ بدر کی جنگ مراد نہ ہوگی۔

تیسرا قول عبدالرحمٰن بن اعرج کا ہے۔ فتح کے دن مسلمانوں کا لشکر جب مکہ میں داخل ہوا تو ان کے قدموں سے اتنا غبار اٹھا کہ فضا میں چھا گیا۔ آسمان نظر نہ آتا تھا اسی کو دخان فرمایا۔ یہ قول پوری آیت کے سیاق سباق کے خلاف اور بالکل غلط ہے واللہ اعلم۔

مقصود بیان

پوری آیات میں دو پیشین گوئیاں ہیں ایک عذاب دخان کی جو ایمان لانے یا وعدۂ ایمان پر دفع ہو جائے گا۔ دوسرا البطش اکبر جس کے بعد رہائی ممکن نہ ہوگی۔ اس بیان سے یہ امر مستنبط ہوا کہ سرکشی اور نافرمانی کی سزا ضرور ملتی ہے۔ غیبی ہولناک حوادث جن سے مخلوق پر کچھ نہ کچھ تباہی آتی ہے۔ سرکشوں کو تنبیہ کرنے اور نافرمانوں کو ہوشیار کرنے کے لئے آتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح لوگ توبہ کر لیں اور راہ راست پر آجائیں۔ واقعات کی ہولناکی بڑے سے بڑے سرکشوں کو خوف زدہ کر دیتی ہے اور وقتی طور پر وہ بھی اپنے لاتعداد معبودوں اور فرضی مددگاروں کو چھوڑ کر معبود حقیقی کو پکارنے لگتے ہیں۔ اور اللہ با وجود دیکہ اُن کی بے ایمانی اور طینت کی بدی سے واقف ہوتا ہے۔ پھر بھی رحم کرتا اور تنبیہ عذاب کو دفع کر دیتا ہے۔ لیکن مصیبت دور ہوتے ہی جب بدکار اپنی سابق نافرمانیوں پر آجاتے ہیں اور کوئی تنبیہی سزا مفید نہیں ہوتی تو اللہ کا ارادہ انتقام حرکت میں آجاتا ہے اور ایسا عذاب آتا ہے کہ اُس سے نجات ناممکن ہوتی ہے۔ اس سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے عموماً سارے عالم کے مسلمانوں کو اور خصوصاً ہندوستان کے مدعیان اسلام کو اور ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ مکومتوں کی چیرہ دستیاں اہنائے وطن کی ستم رانیاں، سیلابوں کی تباہ کاریاں، خشک سالیوں کی بربادیاں اور پیہم اعراض وافلاس کی ایذا رسانیاں اللہ کی نافرمانی کے نتائج ہیں۔ اور ان کا علاج سوائے سچی توبہ اور پابندی شریعت کے اور کچھ نہیں۔ ورنہ ایک وقت ایسا ضرور آئے گا کہ تختہ تاراج ہو جائے گا اور صفحہ ہستی سے نام

toobaafoundation.com

بھی مٹا دیا جائے گا وغیرہ۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ۝ أَنْ أَدُّوا إِلَيَّ

اور ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو آزمایا تھا اور (وہ آزمائش یہ تھی) کہ اُن کے پاس ایک معزز پیغمبر آئے تھے کہ اللہ کے بندوں (یعنی بنی

عِبَادَ اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ وَأَنْ لَا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ ۖ إِنِّي آتِيكُمْ بِسُلْطَانٍ

اسرائیل) کو میرے حوالے کر دو میں تمہاری طرف (خدا کا) فرستادہ (ہو کر آیا) ہوں دیانتدار ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ تم خدا سے سرکشی مت کرو میں تمہارے سامنے ایک واضح

مُبِينٍ ۝ وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُونِ ۝ وَإِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا لِي فَاعْتَزِلُونِ

دلیل (اپنی نبوت کی) پیش کرتا ہوں اور میں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں اس سے کہ تم لوگ مجھ کو پتھر (یا غیر پتھر) سے قتل کرو اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو تم

فَدَعَا رَبَّهُ أَنَّ هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ مُجْرِمُونَ ۝ فَأَسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُمْ مُتَّبَعُونَ ۝ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا

مجھ سے الگ ہی رہو تب موسیٰ نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ بڑے سخت مجرم لوگ ہیں تو اب میرے بندوں کو تم رات ہی رات میں لیکر چلے جاؤ تم لوگوں کا تعاقب ہوگا اور تم اس

إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُغْرَقُونَ ۝ كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ۝ وَنَعْمَةٍ

دریا کو سکون کی حالت میں چھوڑ دینا ان کا سارا لشکر ڈبو دیا جائیگا وہ لوگ کتنے ہی باغ اور چشمے (یعنی نہریں) اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات اور آرام کے سامان

كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ ۝ كَذَٰلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ ۝ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ

جس میں وہ خوش رہا کرتے تھے چھوڑ گئے (یہ قصہ) اسی طرح ہوا اور ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا مالک بنا دیا تو ان پر آسمان و زمین کو رونا آیا اور

وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ ۝ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝ مِنْ فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُ كَانَ

نہ اُن کو مہلت دی گئی اور ہم نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت کے عذاب یعنی فرعون کے ظلم و ستم سے نجات دی واقعی وہ بڑا سرکش (اور) حد سے

عَالِيًا مِنَ الْمُسْرِفِينَ ۝ وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ وَآتَيْنَاهُمْ مِنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُبِينٌ ۝

نکل جانے والوں میں سے تھا اور (اس کے علاوہ) ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے علم کی رو سے (بعض امور میں تمام) دنیا جہان والوں پر فوقیت دی اور ہم نے انکو ایسی نشانیاں دیں جنمیں صریح انعام تھا

تفسیر اللہ تعالیٰ کا ضابطہ رہا ہے کہ جس کسی ملک میں کفر و ظلم کی طاقتیں حد سے آگے بڑھ جاتی ہیں۔ کفر ایمان کے اور ظلم قانون عدل کے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے اور ان ظالموں اور حق فراموشوں سے اس زمین کی تطہیر ضروری ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنا پیغمبر ان کے پاس بھیجتا ہے۔ معزز پیغمبر جا کر ان کو ہدایت کرتا ہے۔ جب لوگ کسی طرح ہدایت کو قبول نہیں کرتے تو پیغمبر کہتا ہے کم از کم اگر نہیں مانتے تو نہ مانو۔ مگر ایمان لانے والوں کو تو ایذا مت دو۔ ان کو میرے پاس آنے جانے دو اور میری حمایت سے مت روکو۔ کم سے کم ان کو اس ملک سے ہی ہجرت کر جانے دو۔ کفر کے مغرور علمبردار جب اس درخواست کو بھی ٹھکرا دیتے اور

toobaafoundation.com

پیغمبر کو قتل کر دینے کے درپے ہو جاتے ہیں تو پیغمبر اُن سے کہتا ہے کہ تم میرے قتل کے درپے کیوں ہو۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ میرا راستہ الگ تمہارا الگ۔ مجھ سے الگ ہی رہو۔ میرے کام میں روڑے نہ اٹکاؤ۔ سرکش ظالم جب یہ بات بھی نہیں مانتے تو پیغمبر اُن کے لئے بددعا کرتا ہے جس پر اللہ حکم دے دیتا ہے کہ تم اہلِ حق کو لے کر اس ناپاک ملک سے باہر چلے جاؤ۔ ہم اس کو غارت کر دیں گے۔ پیغمبر حکم کی تعمیل میں وطن اور گھر بار چھوڑ کر اہلِ ایمان کو ساتھ لے کر نکل کھڑا ہوتا ہے۔ کافر پیچھا کرتے ہیں۔ تعاقب میں دوڑتے ہیں آخر ناکام ہوتے ہیں۔ اُس وقت اللہ ڈیک۔ دم اُن کو تباہ کر دیتا ہے۔ زمین ان کے ناپاک وجود سے پاک ہو جاتی ہے اور ان کے سرسبز باغات، لہلہاتی کھیتیاں، اُونچی عمارتیں، شاندار محلات، رواں دریا اور ساز و سامان زر و زر نیز رہائش مقامات اہلِ حق کو دے دیئے جاتے ہیں مگر یہ عطیۂ گرامی بھی بطور آزمائش کے ہوتا ہے۔ پہلے دُکھ سے آزمائش تھی اب سُکھ دے کر امتحان لیا جاتا ہے۔ بالکل یہی حالت فرعون و موسیٰ کی ہوئی، قبطیوں اور اسرائیلیوں کا یہی معاملہ ہوا۔ حضرت موسیٰ نے نصیحت کی، فرعون انتہائی سرکش تھا اس نے نہ مانا۔ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو محفوظ رہنے کی درخواست کی فرعون نے اس درخواست کو بھی ٹھکرا دیا اور آپ کے قتل کے درپے ہو گیا، آپ نے پھر فرمایا میرے قتل کے پیچھے نہ پڑو۔ اگر ایمان نہیں لاتے تو نہ لاؤ۔ مجھ سے الگ رہو۔ تمہارا راستہ الگ میرا الگ۔ فرعون اور فرعونیوں نے یہ بات بھی نہ مانی۔ آخر حضرت نے بددعا کی حکم ہوا اس سرزمین سے چلے جاؤ وطن کو چھوڑ دو۔ میرے حق پرست بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ۔ یہ لوگ تمہارا پیچھا کریں گے۔ تم کو دریا خشک ملے گا تم نکل جانا پیچھے سے یہ کافر پہنچیں گے دریا خشک پائیں گے۔ اندر گھس پڑیں گے فوراً سب کو غرق کر دیا جائے گا۔ یہ حکم دیا گیا ہے حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر نکل گئے۔ دریا خشک ملا گذر گئے۔ پیچھے فرعون قبطیوں سمیت آیا۔ دریا خشک دیکھ کر گھس پڑا۔ پانی کی ایک لہر آئی سب ڈوب گئے۔ ساری سرسبز کھیتیاں شاداب باغ، اُچھلتے چشمے، رواں دریا، سر بفلک کوٹھیاں، اونچے محلات اور ہر عمدہ آسائش بخش مقام چھوڑ گئے۔ اللہ نے اسی طرح کل نعمتوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا، فرعونیوں کا بیج مارا گیا جو قبطی بچے وہ ذلت کی حالت میں رہے اور بنی اسرائیل کو بھی اللہ نے جو دولت، عزت، راحت اور حکومت شام میں عطا فرمائی وہ بھی آزمائشی تھی کہ کون شکر کرتا اور کون فرماں برداری کرتا ہے، کون ناشکر اور نافرمان بن جاتا ہے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات بھی حضرت موسیٰ ؑ کے احوال کی طرح ہوئے۔ اسی لئے اس جگہ یہ قصہ نقل کیا ہے فرق صرف زمان مکان قوم اور طریق عذاب کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی شروع میں مکہ والوں کو توحید کا پیغام سنایا۔ جب نہ مانے تو فرمایا کہ ماننے والوں کو تو نہ ستاؤ۔ اہلِ حق کو میرے پاس آنے سے نہ روکو۔ قریش نے یہ بات بھی نہ مانی۔ حضور ؐ نے ارشاد فرمایا تو اپنے راستہ پر تم چلتے رہو۔ میرے کام میں رکاوٹ نہ ڈالو۔ قریش نے یہ بات بھی تسلیم نہ کی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ آخر مسلمانوں کو ہجرت کا حکم ہو گیا۔ کچھ لوگ چھپ کر حبش کو چلے گئے۔ اور کچھ مدینہ کو اور حضور ؐ کو بھی بہ نفس نفیس ترکِ وطن کا حکم دے دیا گیا۔ حسب الحکم آپ نے بھی ایک رات کو گھر بار اور وطن چھوڑ دیا۔ کافروں نے پیچھا کیا، لیکن ناکام رہے حضور مدینے میں پہنچ گئے وہاں بھی کافروں نے چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔ سازشوں کے جال بچھا دیئے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے بدر میں اُن کی کمر توڑ دی اور فتح مکہ کے بعد اُن کی ہستی کو مٹا دیا اور چند ہی روز میں جزیرۂ عرب سے ان کی تطہیر ہو گئی اور بطور آزمائش پورا اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گیا اور جس طرح بنی اسرائیل دوبارہ مصر میں آ کر نہیں بسے اسی طرح مہاجر مسلمانوں نے بھی مکہ کی سکونت دوبارہ اختیار نہیں کی۔ اہلِ مکہ کو سبق دینے اور عبرت دلانے اور ڈرانے کے لئے اس جگہ حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ بیان فرمایا ہے۔

تحلیل اجزاء

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ۔ حق و باطل کا مقابلہ اور حق کی فتح تو ہمیشہ ہوتی رہی ہے۔ حضرت ابراہیم ؑ حضرت ہود ؑ، حضرت صالح ؑ، حضرت لوط ؑ اور بکثرت پیغمبروں کے واقعات اس کے شاہد ہیں، لیکن سب سے آخر واقعہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مشرکین کے حال سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے وہ حضرت موسیٰ اور فرعون کا ہے۔

toobaafoundation.com

اس لئے اس جگہ اس کو بیان فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ اہل مکہ یا اس زمانہ کے مشرکوں سے پہلے ہم نے (فرعون اور) فرعونیوں کی بھی آزمائش کی تھی، ان کو بھی طاقت، حکومت، اور دولت دی تھی۔

وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ۔ اور ان کے پاس بھی ایک باعزت پیغمبر بھیجا تھا یعنی قوم فرعون کی نظر میں اگرچہ اس کی عزت نہ تھی مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی بڑی عزت تھی۔

اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ اور یہ کہنے کے لئے بھیجا تھا کہ اللہ کے بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کا معاملہ میرے سپرد کر دو یعنی ان پر ظلم نہ کرو۔ میں بغیر کسی ذاتی یا قومی جذبہ داری کے انتہائی امانت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا پیام پہنچانے والا ہوں۔ اس مطلب پر عباد اللہ سے مراد بنی اسرائیل ہوں گے اور یہ لفظ اَدُّوْٓا کا مفعول ہوگا یا اَدُّوْٓا کا مفعول محذوف ہے اور عِبَادَ اللّٰهِ منادیٰ ہے اور حرف ندا محذوف ہے یعنی اے اللہ کے بندو! ایمان اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حق ادا کرو۔ اس مطلب پر عباد اللہ سے مراد فرعون کی قوم والے ہوں گے۔

وَاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ اور مجھ پر جیرہ دستی نہ کرو، مجھ پر اپنی برائی نہ جتاؤ (میں تم سے کمزور نہیں ہوں اور بے ثبوت رسالت کا دعویٰ نہیں کر رہا ہوں میں) تمہارے پاس واضح دلیل لے کر آیا ہوں۔ یہ سن کر فرعونیوں نے حضرت موسیٰ کو قتل کر دینے کی دھمکی دی تو آپ نے فرمایا۔

وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ۔ میں اپنے اور تمہارے دونوں کے مالک کی تمہارے رجم (کی دھمکیوں) سے پناہ چاہتا ہوں یعنی میرا پناہ دہندہ وہ ہے جو میرا اور تمہارا مالک ہے مجھے تمہاری دھمکیوں کا کوئی خوف نہیں۔

وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ۔ اور اگر تم میری ہدایت و رسالت پر یقین نہیں رکھتے تو مجھ سے الگ رہو یعنی مجھ سے کچھ سروکار نہ رکھو۔ میرے راستہ میں رکاوٹ ڈالو نہ تمہاری راہ میں مجھے کچھ دخل ہے۔ تم الگ میں الگ دونوں کے مقصد الگ الگ۔

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ کا فرعون نے جب حضرت کا آخری پیام مصالحت بھی نہ مانا اور قتل کرنے کے درپے ہو گئے تو آپ نے اپنے مالک سے دعا کی کہ یہ سب مجرم قوم ہے یعنی ہدایت پر نہیں آئے گی تو ہی ان سے حفاظت کا کوئی راستہ بتا حکم ہوا۔

فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا تم میرے بندوں کو (یعنی بنی اسرائیل کو) رات کو (مصر سے باہر) لے جاؤ۔ یعنی یہاں سے تم سب ہجرت کر جاؤ۔ اور رات کو نکلنا تاکہ فرعون کو اگر اطلاع بھی ہو تو صبح کو ہو۔

اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ۔ بلاشبہ تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ یعنی تم لوگوں کو پکڑنے فرعون کے آدمی تمہارے پیچھے دوڑیں گے تو جتنی زیادہ دیر میں اطلاع ہو اتنا ہی اچھا ہے۔ حضرت موسیٰ نے حکم کی تعمیل کی۔ قلزم کی جانب بنی اسرائیل کو لے چلے۔ قلزم کے کنارے پر پہنچے اور سمندر کو موجزن پایا تو حسب وحی خداوندی پانی میں لاٹھی ماری۔ فوراً پانی رک گیا۔ چلتا دریا رک گیا اور جدا جدا بارہ راستے خشک بن گئے۔ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کو لے کر پار ہو گئے۔ پیچھے فرعون اپنے لشکر کو لے کر پہنچا اور سمندر کو خشک پا کر سمجھا یہ جزر کا وقت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پار ہونے کے بعد اندیشہ ہوا کہ اگر راستے یونہی خشک رہے تو فرعون کا لشکر بھی پار آ جائے گا۔ یہ سوچ کر (بر روایت قتادہ) آپ نے پانی میں لاٹھی مارنی چاہی تاکہ قلزم اپنی حالت پر آ جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا۔

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا۔ اور سمندر کو یونہی ساکن اور کشادہ راہ چھوڑ دو یعنی لاٹھی مار کر ہموار نہ کرو تاکہ فرعون اپنے لشکر سمیت اندر گھس پڑے۔

اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ۔ بلاشبہ یہ ڈبوئے جانے والا لشکر ہے یعنی اس کا ڈوبنا مقدر ہو چکا ہے۔ اس کو ڈوبنا ہی ہے۔ موسیٰؑ نے حکم کی تعمیل کی۔ سمندر کو خشک چھوڑ دیا۔ فرعون اور فرعونی سب سمندر میں گھس پڑے اور پانی نے آکر سب کو ڈبو دیا۔

toobaafoundation.com

اللہ فرماتا ہے ۔
كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ انہوں نے (بلاد مصر میں) بکثرت باغ اور رواں چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ قیام گاہیں اور سامان راحت و آسائش جس میں وہ مزے اڑاتے اور عیش کرتے تھے چھوڑا یہ واقعہ یونہی ہونا تھا ہو گیا یعنی اس میں کوئی غلطی نہیں ہے ۔
وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۔ اور انہی جیسی نعمتیں مکانات باغات محلات اور سامان آسائش (شام میں) ہم نے دوسری قوم یعنی بنی اسرائیل کو دے دیں ۔ یا یہ مطلب ہے کہ قبطیوں اور فرعونیوں کی چھوڑی ہوئی چیزیں ہم نے ایک اور قوم کو دے دیں ۔ جس کا اقتدار ملک مصر پر ہوا ۔ اول صورت میں ھا کی ضمیر مذکورہ بالا نعمتوں کی اجناس پر راجع ہے ۔ شدتِ مشابہت کی وجہ سے ایک کو بعینہٖ دوسری چیز کہہ لیا جاتا ہے ۔ جیسے هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا یعنی جنتیوں کو جب دوبارہ پہلی شکل کے پھل دیے جائیں گے تو وہ کہیں گے یہ تو وہی ہیں جو ہم کو پہلے دیے گئے تھے یعنی ان کی ان سے اتنی مشابہت ہے کہ گویا یہ وہی ہیں ۔۔ ملک شام میں بنی اسرائیل کو اللہ نے جو نعمتیں عطا کی تھیں وہ مصر کی قبطیوں کی نعمتوں سے اتنی مشابہ تھیں کہ گویا وہی تھیں ۔ دوسری صورت میں کوئی اشکال نہیں ہے ۔ ہم نے اول صورت میں اس لئے مذکورہ بالا تاویل کی کہ اگر قَوْمًا اٰخَرِيْنَ سے بنی اسرائیل مراد لئے جائیں اور ھا کی ضمیر قبطیوں کی متروکہ چیزوں کی طرف راجع کی جائے جیسا کہ بعض مفسرین نے کیا ہے تو یہ کہنا اور ماننا پڑے گا کہ بنی اسرائیل لوٹ کر ملک مصر میں گئے اور قبطیوں کی متروکہ اشیاء پر قابض ہوئے حالانکہ باجماع مورخین بنی اسرائیل مصر سے نکل کر عراق کے میدان تیہ میں چالیس برس تک پھنسے رہے ۔ حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ کی وفات تیہ میں ہی ہوئی ۔ جب حضرت یوشع پیغمبر ہوئے تو تیہ سے رہائی ملی اور شام کی حکومت عنایت کی گئی ۔ مصر میں تو لوٹ کر گئے ہی نہیں ۔
فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۔ قوم فرعون کے برباد و ہلاک ہونے پر نہ آسمان رویا اور نہ زمین اور نہ ان کو ایمان کی یا عذاب سے بچنے کی مہلت ہی نہیں دی گئی ۔ مومن کے مرنے پر اس کی جائے نماز ، زمین پر اعمال خیر پہنچنے کا مقام آسمان پر روتا ہے ، مگر مشرک کے برباد ہونے پر کوئی نہیں روتا ۔ یا یوں کہا جائے کہ آسمان و زمین کا کسی پر رونا ایک محاورہ ہے کسی نیک آدمی کے مرنے پر آسمان و زمین روتا ہے یعنی سارے جہان کو اس کا غم ہوتا ہے اور بدوں کے مرنے سے کسی کو رنج نہیں ہوتا ۔۔
وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۔ فرعون بنی اسرائیل کو ذلت آگیں عذاب دیتا تھا ۔ لڑکے پیدا ہوتے تو ان کو قتل کرا دیتا تھا اور لڑکیاں پیدا ہوتیں تو قبطیوں کی خدمت کے لئے ان کو زندہ رہنے دیتا ۔ حاملہ عورتوں سے سخت ترین مشقت کے کام لیتا اور مردوں سے بلا مزدوری کام کراتا ، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ فرعون مغرور سرکش اور حد سے آگے بڑھ جانے والوں میں سے ہے ۔ ہم نے اس کے عذاب سے بنی اسرائیل کو نجات دے دی ۔
وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰي عِلْمٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۔ اور اس زمانے کے سب لوگوں پر (اور ان کے حالات کو) جان کر ہم نے بنی اسرائیل کو ترجیح دی (اور نبوت کیلئے ان کی قوم کا انتخاب کیا) یعنی ہم نے بنی اسرائیل کی کوئی بات تو جانی تھی کہ سارے جہان میں نبوت کے لئے ان کو چنا ۔
وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰۗـؤٌا مُّبِيْنٌ ۔ اور ہم نے ان کو (دکھ سکھ اور ذلت و عزت کی) وہ نشانیاں دی تھیں جن کے اندر کھلی ہوئی جانچ تھی (مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ۔ فرعون کے ہاتھوں بنی اسرائیل کی ذلت پھر حضرت موسیٰ کی وجہ سے نجات ۔ فرعون کی غرقابی اور بنی اسرائیل کے گذرنے کے لئے دریا کا خشک ہو جانا پھر میدانِ تیہ میں چالیس برس تک ان کی سرگردانی پھر عمالقہ جیسی طاقتور قوم پر ان کی فتح اور شام کی حکومت ملنا اور پے در پے بنی اسرائیل میں اسرائیلی پیغمبروں کا مبعوث ہونا وغیرہ)
مقصودِ بیان پوری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے پیغمبر کسی سے لڑنے اور دنیوی اقتدار حاصل کرنے کے لئے نہیں آتے جہاں تک ممکن ہوتا ہے نرمی سے نصیحت کرتے ہیں ۔ آخر میں اس بات پر بھی قناعت کرتے ہیں کہ اہل حق

toobaafoundation.com

کو ان کے پاس آنے سے معذور کیا جائے اور ان سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گویا ابتدائی حقوق انسانی کو دلانے اور قائم رکھنے کی خواہش کرتے ہیں۔ افکار و عقائد اور ان اعمال شخصی اور قومی آزادی کے خواہش مند ہوتے ہیں جن سے دوسروں کو جانی مالی نقصان اور کسی کا ضرر نہ ہوتا ہو، لیکن اقتدار پرست باطل اندیش طاقتیں کسی طرح باز نہیں آتیں تو جمال تبلیغ کی جگہ جلال پیغمبری نمودار ہو جاتا ہے اور پیغمبروں کو ذلیل و کمزور سمجھنے والی پر جبروت مغرور طاقتیں اہل حق سے ٹکرا کر خود پاش پاش ہو جاتی ہیں اور دنیوی حکومت بھی اہل حق کے قبضہ میں آجاتی ہے، مگر لطور آزمائش آتی ہے جیسے طرح مصائب۔ و آلام کا اہل حق پر نزول بطور امتحان ہوتا ہے اسی طرح دنیا کی دولت، عزت، حکومت اور ہر نعمت بھی ان کو جانچنے کیلئے دی جاتی ہے

ان آیات میں کافروں کو دھمکی اور تباہی کی پیشین گوئی اور مسلمانوں کو تسلی اور آئندہ غلبہ پانے اور اقتدار حاصل ہونے کی در پردہ بشارت ہے وغیرہ۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ۝ اِنْ هِىَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ۝ فَاْتُوْا

یہ لوگ کہتے ہیں کہ آخیر حالت بس یہی ہمارا دنیا کا مرنا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہ ہوں گے سوائے مسلمانو اگر

بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ

تم سچے ہو تو ہمارے باپ داداؤں کو (زندہ کرا کے) لا موجود کرو یہ لوگ (قوت و شوکت میں) زیادہ بڑھے ہوئے ہیں یا تبع (شاہ یمن) کی قوم اور جو قومیں ان سے

اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ مَا خَلَقْنٰهُمَآ

پہلے ہو گزری ہیں ہم نے انکو (بھی) ہلاک کر ڈالا وہ نافرمان تھے اور ہم نے آسمانوں و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اسکو اس طرح نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہیں

اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ يَوْمَ لَا

(بلکہ) ہم نے ان دونوں کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے بے شک فیصلہ کا دن (یعنی قیامت کا دن) ان سب کا وقت مقرر ہے جس دن

يُغْنِىْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ ع

کوئی علاقہ والا کسی علاقہ والے کے ذرا کام نہ آوے گا اور نہ ان کی کچھ حمایت کی جاوے گی ہاں مگر جس پر اللہ رحم فرمائے وہ (اللہ) زبردست ہے مہربان ہے

تفسیر عموماً مشرک اور کافر جو توحید الوہیت و ربوبیت سے منکر اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور پیغمبروں کا انکار کرتے ہیں اُس کی بنیاد اور اصلی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کو آئندہ دوسری زندگی کا اقرار نہیں ہوتا۔ وہ اس زندگی کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے اور پہلی زندگی کے اعمال کی جزا سزا پانے کے قائل ہی نہیں ہوتے اور جب آئندہ دوسری زندگی ہی نہیں نہ سزا کا اندیشہ نہ جزا کی امید تو پھر جہاں تک ممکن اور جتنا بھی ممکن ہو اسی زندگی کا مفاد حاصل کرنے کی کوشش کر لینی چاہیئے خواہ کسی کی حق تلفی ہو یا ظلم۔ شخصی اور ذاتی فائدہ حاصل ہونا ضروری ہے۔ پھر شخصی فائدہ سے آگے بڑھ کر اہل قرابت، خاندان، قوم، زبان، اہل وطن، اہل ملک، اور پھر مشرق مغرب اور شمال جنوب کی حدود تک اسی فائدہ طلبی کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جاتا ہے اور ان سب کا تعلق بھی بالواسطہ مفاد شخصی سے ہوتا یا سمجھا جاتا ہے۔ گویا منکرین جزا سزا کی نظر میں یہ سارا سلسلہ بازیچۂ اطفال اور جولان گاہ لہو و لعب ہے جس کی کوئی غرض ہی نہیں، یہاں آئے آسمان کے جگمگاتے

toobaafoundation.com

ستاروں اور زمین کے لہلہاتے گلزاروں کی سیر کی سورج کی خیرہ کن چمک اور چاند کی سکون بخش روشنی سے فائدہ اندوز ہوئے۔ کھایا پیا، مزے اڑائے، آرام اٹھائے اور چل دیئے۔ یہ کوئی بچکانہ زندگی ہوئی۔ دوسری زندگی کے انکار کی کافروں کے پاس سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ دیکھو ہزاروں لاکھوں برس سے یونہی ہوتا چلا آیا ہے۔ آدمی پیدا ہوتا ہے مرتا ہے لوٹ کر نہیں آتا۔ ہمارے تمام باپ دادا یونہی آئے یونہی چلے گئے۔ اگر تم کو دوبارہ زندہ ہونے کا دعویٰ ہے تو ہمارے باپ دادا کو ہی ذرا دوبارہ چلا دو۔ ان جاہلوں اور بیوقوفوں کو معلوم نہیں کہ روز روز دوسری زندگی نہیں ہوتی کہ برسوں پہلے آئے پھر مر گئے اور اب پھر ان کو دوبارہ زندہ کر کے دکھایا جائے۔ دوسری زندگی اعمال کی سزا جزا کے لئے ہوگی۔ اب ہر ایک کے لئے جدا جدا سزا دینے کا دن تو ہو نہیں سکتا۔ جب تک کل انسانوں کے ایام عمل ختم نہ ہو جائیں اور مجموعی طور پر یہ دار العمل اور یہ عمل کا نگاہ بند نہ کر دی جائے اُس وقت تک دار الجزا کا آنا ناممکن ہے۔ فیصلۂ اعمال اور نتائج کاسب کے لئے ایک دن مقرر ہے۔ یہاں بظاہر تعاون امداد سفارش اور ادا، معاوضہ کا قانون جاری ہے۔ قرابت دار اپنے قرابت دار کی اور دوست اپنے دوست کی مدد کر دیتا ہے کیونکہ یہ پورے طور پر دار الجزا نہیں ہے۔ یہاں اعمال زندگی کا پورا بدلہ نہیں دیا جاتا، لیکن مکمل جزا سزا کے دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ ہاں جس پر اللہ تعالیٰ ہی رحم فرما دے تو اس کے جرائم معاف ہو سکتے ہیں اور اس کی شفاعت بھی ممکن ہے۔

تحلیلِ اجزاء

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ اِنْ هِىَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ۔ اس سے پہلے حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ مسلمانوں کو تسلی و بشارت دینے کے لئے اور کافروں کو نتائج بد سے آگاہ کرنے کے لئے بیان کیا گیا تھا۔ اب کافروں کی اُس کٹ حجتی کو بیان فرماتا ہے جو بطور معارضہ وہ مسلمانوں کے سامنے کرتے تھے اور کہتے تھے (فرعون و موسیٰ کا جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ راحت و رنج اور زیست و موت تمام ہیں فرعون بادشاہ تھا مر گیا اُس کی قوم حکمران تھی چلی گئی۔ کسی بہانے سب کو موت آ گئی۔ موسیٰ بھی مر گئے اور وہ اسرائیلی بھی چل دیئے جو شام کے حکمران بنے تھے۔ اب نہ فرعون اور قوم فرعون کو دوبارہ جیتا ہے نہ موسیٰ اور بنی اسرائیل کو) بس اتنی بات ہے کہ اس زندگی کے بعد سب کو مرنا ہے۔ اس کے بعد کسی کو دوبارہ زندہ ہونا نہیں تو فکر کس بات کی ہم بھی مر گئے ہم بھی مریں گے) بعض اہل تفسیر کے نزدیک مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى سے مراد ہے پیدا ہونے سے پہلے وہ وقت جب انسان نطفہ تھا اور مجسم ہو کر دنیا میں نہیں آیا تھا۔ اس صورت میں آیت کا مطلب اس طرح ہوگا کہ ایسی موت جس کے بعد زندگی آتی ہے وہ موت تو گذر گئی۔ اب جو موت آئے گی وہ ایسی نہ ہوگی کہ اس کے بعد پھر دوبارہ زندہ کیا جائے۔ یہ مطلب پیچ در پیچ تاویل کا محتاج ہے، اس لئے ہم نے سادہ مطلب کو جو عام مفسرین کا قول ہے ترجیح دی ہے۔

فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ یہ جملہ کافروں کے قول کا تتمہ ہے۔ کافروں نے کہا کہ اگر تم کہتے ہو کہ آدمی مر کر دوبارہ زندہ ہوگا اور تم اس دعوے میں سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کرا کے بلواؤ (اور چونکہ لاکھوں برس گذر گئے اور کوئی بھی مر کر واپس نہیں آیا، اس لئے دوبارہ زندگی ممکن ہی نہیں ہے)

اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ۔ تبع سے مراد تبع اوّل ہے جو قبائل حمیر کا بادشاہ تھا اور یمن پر اس کی حکومت تھی۔ یہ شخص مرد صالح اور موحد تھا۔ بیہقی، حاکم، ابن المبارک، امام احمد طبرانی اور ابن ماجہ کی روایات میں یہی آیا ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کیا تبع پیغمبر تھا؟ فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ پیغمبر تھا یا صرف مرد صالح (اوکما قال) تبع کے جانشین بھی تبع کے لقب سے مشہور ہوئے۔ تبع حقیقت میں شہنشاہ کے معنی مستعمل تھا یعنی وہ بادشاہ کہ دوسرے چھوٹے بادشاہ اور راجے اس کے تابع ہوں تبع کہلاتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ذوالقرنین تبع اوّل کے بیٹے کا نام تھا۔ شاہانِ حمیر کے نام عموماً ذو سے شروع ہوتے تھے جیسے ذویزن، ذوجدن، ذوالقرنین اور سب سے آخر میں ذونواس۔ یہ لوگ یہودی المذہب تھے۔ ممکن ہے تبع اوّل بھی کوئی اسرائیلی پیغمبر ہو، مگر قوم کافر تھی۔ تبع نے ہر چند توحید کی تعلیم دی، مگر قوم انکار و سرکشی سے باز نہ آئی۔ دنیوی شان و شوکت عزت وجاہ اور حکومت و اقتدار پر اُن کا قبضہ تھا۔ سرسبز کھیتیاں، شاداب باغ، سیکڑوں میل لمبی سڑکیں

toobaafoundation.com

پر دو رویہ پھلدار درخت رواں چشمے غرض ہر دنیوی نعمت کے مالک تھے۔ اعلیٰ تمدن تھا۔ رفاہیت کی ساری زندگیاں تھیں۔ اُن چیزوں نے ان کو مغرور اور خدا سے باغی بنا دیا تھا۔ آخر قدرتی سزا کا وقت آگیا۔ وہ پراجیکٹ جو ملک کو سیراب کرنے کے لئے انہوں نے پہاڑوں کے درمیان قائم کیا تھا، راتوں رات پھٹ پڑا۔ کچھ لوگ اِدھر اُدھر ہمسایہ ممالک میں بھاگ گئے اور بیشتر غرق ہو گئے۔ ان کے قصہ کی طرف اشارہ کر کے اللہ نے فرمایا (یہ اہلِ مکہ جو اتنے مغرور ہیں اور اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت کے مقابلے میں معارضے کر رہے ہیں) کیا یہ زیادہ طاقت ور، بلند مرتبہ، باعزت اور صاحب اقتدار غرض تمام حالات و انعامات میں بہتر اور برتر ہیں یا قوم تبع ان سے بالا و اعلیٰ تھی (ظاہر ہے کہ تبع کی قوم ہی ہر دنیوی حیثیت میں اُن سے اونچی تھی) اور تبع کی قوم سے پہلے (ثمود و عاد اولیٰ وغیرہ) جو قومیں گذر گئیں وہ بھی ان سے بڑھ چڑھ کر تھیں، مگر (نافرمانی اور سرکشی کی پاداش میں) اللہ نے ان کو غارت کر دیا۔ (اُن کی حکومت، دولت، مدنیت اور سطوت و حشمت کام نہ آئی) کیونکہ حقیقت میں وہ مجرم تھے، پھر یہ کس گنتی میں ہیں۔ ان کا بھی وہی نتیجہ ہوگا۔ یہ بھی سرکشی کی پاداش میں تباہ کر دیئے جائیں گے)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ یہ کائنات بلند و پست یعنی آسمان و زمین اور خلائی موجودات بازیچہ نہیں کہ یونہی کھیل تماشہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ بلکہ ان کی تخلیق حامل حقانیت و حکمت ہے۔ (کیا سارا سنسار جس کا سنگِ محراب انسان ہے یونہی بے کار بنا دیا گیا ہے۔ اگر اس کی تخلیق بے کار نہیں تو انسان جو اس کا سب سے بڑا موتی ہے کس طرح افکار و اطوار میں بے کار اور آزاد چھوڑ دیا جائے گا اور کس طرح اس کی زندگی سزا جزا سے مستغنی رہے گی)، مگر اکثر لوگ نادان ہیں ان کو سزا جزا کا یقین نہیں۔ (دنیا کی اس زندگی کو ہی یہ آخری زندگی سمجھے ہوئے ہیں)

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ (مجرم کو فرماں بردار سے ثواب کو عذاب سے اچھے اعمال و افکار کو برے اطوار و عقائد اور سزا کو جزا سے) جدا کرنے کا ایک وقت مقرر ہے اور سب کا وقتِ فیصلہ ایک ہی ہے۔

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ اُس مقررہ ساعت اور معین دن میں کوئی قرابتدار کسی قرابتدار کو اور کوئی دوست کسی دوست کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکے گا (نہ مجرم کا عوض اور تاوان دے سکے گا نہ اس کی سزا اپنے اوپر لے کر بٹا سکے گا نہ سفارش کر کے اس کو بچا سکے گا) اور نہ حمایت کر کے زور اور قوت کے ساتھ اس کو محفوظ رکھے گا۔ غرض عذاب سے بچانے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ دنیا کا یہ جتھہ یہ لاؤ لشکر یہ کنبہ یہ رشتہ داریاں اور دوستیاں جو یہاں کام آجاتی ہیں فیصلہ کے دن کام نہیں آئیں گی)

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ مگر جس پر اللہ ہی رحم کرے تو وہ عذاب سے بچ جائے گا (اور قیامت کے دن اللہ کی رحمت صرف مومنوں پر ہوگی کیونکہ اُس نے اسی کا وعدہ کیا ہے اور اللہ کے وعدہ کے خلاف ہونا ناممکن ہے اور کافروں پر رحم نہ ہوگا کیونکہ اللہ نے اس کی صراحت کر دی ہے اور اللہ کی اطلاع میں جھوٹ کی آمیزش محال ہے۔ دنیا میں اللہ کی رحمتِ عام ہر مومن اور کافر مقر اور منکر سب اُس سے بہرہ اندوز ہیں۔ یہ رحمت ایجابی نہیں۔ رحمت وجوبی قیامت کے دن ہوگی جو اہلِ ایمان کے لئے مخصوص ہے۔ پس گنہگار مومن کے لئے انبیاء ملائکہ صالحین شیرخوار اولاد اور جس کو خدا چاہے گا وہ شفاعت کر سکے گا اور شفاعت قبول کی جائے گی یا اللہ خود معاف فرما دے گا یا عذاب دے گا تو دوامی نہ دے گا، مگر کافر کا عذاب دوامی ہوگا کیونکہ دائرۂ رحمت سے خارج ہوگا۔)

اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ بے شک اللہ ہی غالب اور رحمت والا ہے یعنی اُس کا ہی رحم و اقتدار ہمہ گیر ہے۔ ساری کائنات اسی کی رحمت و قدرت کے زیر اثر قائم ہے اور رواں دواں ہے۔ اگر وہ رحم نہ کرے تو کوئی کسی کے کام نہیں آسکتا۔

مقصودِ بیان اِنْ هِيَ اِلَّا الخ سے بظاہر معلوم ہو رہا ہے کہ مشرک صرف ایک موت کے قائل تھے یعنی دوسری موت کے قائل نہ تھے، مگر حقیقت میں اس کلام سے ان کا مقصد یہ تھا کہ بس یہی موت زندگی کو ختم کر دیتی ہے بالکل معدوم کر دیتی ہے اس کے بعد کوئی زندگی نہ ہوگی۔ اسی مطلب کی وضاحت وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ میں کر دی۔

فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَا میں مشرکوں کے انکارِ حشر کی ایک ضعیف دلیل کا بیان ہے کہ اس وقت تک کسی چیز کے واقع نہ ہونے کو دوامی...

toobaafoundation.com

شے کے غیر ممکن ہونے کی دلیل قرار دیتے تھے۔ باپ دادا دوبارہ نہیں آئے اور اس وقت ان کو زندہ کر کے لایا بھی نہیں جا سکتا۔ اس لئے دوبارہ آئندہ حشر بھی محال ہے۔ اس کلام کے سیاق سے یہ بات بھی مترشح ہو رہی ہے کہ کسی چیز کے ماضی اور حال میں نہ ہونے سے عدم مستقبل پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ وجود ماضی وجود مستقبل کا آئینہ ہوتا ہے، لیکن کسی چیز کا عدم وقوع عدم امکان کی دلیل نہیں۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ دنیوی تباہی جرم کی پاداش میں آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ظلم سے کسی کو برباد نہیں کرتا۔ یہ آیت دنیا کے سارے انسانوں خصوصاً مسلموں کے لئے درسِ نصیحت و عبرت رکھتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے ضابطہ کے بموجب تباہی جرم سے وابستہ ہے تو مجرموں کو تباہ ہونے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

آیت وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ میں اس کائنات کے بازیچۂ اطفال نہ ہونے کی صراحت کی گئی ہے یعنی یہ صرف سیرگاہ نہیں، لہو و لعب کا میدان نہیں۔ سبق اندوزی اور حکمت آفرینی کا مقام ہے۔ پس مبارک ہیں وہ لوگ جو اس جہان کے احوال کو حقیقت بینی اور عبرت اندوزی کا آئینہ جانتے ہیں اور نادان ہیں وہ لوگ جو اس کو وقتی تفریح کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ سے معلوم ہو رہا ہے کہ بالکل فیصلہ کا دن، ورسِ تمام اعمالِ زندگی کی سزا جزا اور عذاب ثواب کا وقت اور انسانوں کو جنتی و دوزخی دو گروہوں میں بانٹ دینے کی ساعت معیّن ہے اور سب کا آخری فیصلہ ایک ہی دن ہوگا۔

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ کے لفظ سے فرقہ خوارج و معتزلہ کی تردید ہوتی ہے جو مطلقاً شفاعت کے منکر ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان آپس میں کام ضرور آئیں گے یعنی سفارش کر سکیں گے، مگر انہی کی سفارش کریں گے جن پر اللہ رحم کرنا چاہے گا۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۝ كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۝ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۝

بیشک زقوم کا درخت بڑے مجرم (یعنی کافر) کا کھانا ہوگا جو (کہ یہ صورت رہتے ہیں) تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا (اور) وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسا کہ گرم پانی کھولتا ہے

خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۝ ذُقْ

(اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس کو پکڑو پھر گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ پھر اس کے سر کے اوپر تکلیف دینے والا گرم پانی چھوڑ دو (اور اس سے استہزاءً

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ۝ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ

کہا جائے گا) لے چکھ تو بڑا معزز مکرم ہے یہ وہی چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے بیشک خدا سے ڈرنے والے امن (و چین) کی جگہ

اَمِيْنٍ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝

میں ہوں گے باغوں میں اور نہروں میں (اور) وہ لباس پہنیں گے باریک اور دبیز ریشم کا آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (اور) یہ بات

كَذٰلِكَ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ۝

اسی طرح ہے اور ہم ان کا گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے بیاہ کر دیں گے (اور) وہ وہاں اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگاتے ہوں گے (اور

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝

وہاں بجز اس موت کے جو دنیا میں آچکی تھی اور موت کا ذائقہ بھی نہ چکھیں گے (یعنی مرنے کے نہیں) اور اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ سے بچالے گا (اور

toobaafoundation.com

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ

سب کچھ آپ کے رب کے فضل سے ہوگا بڑی کامیابی یہی ہے سو ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان (عربی) میں آسان کر دیا ہے تاکہ یہ لوگ

يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ۝ ۳ ع ۱۶

نصیحت قبول کریں تو (اگر یہ لوگ نہ مانیں تو) آپ منتظر رہیے یہ لوگ بھی منتظر ہیں

تفسیر آخرت کے عذاب ثواب کی شکلیں اور ذرائع اور ڈیوٹی پر مقرر کارندے اس وقت سب پردۂ غیب میں ہیں اور انسانی فکر کی بلند پروازی سے بھی بہت بلند۔ اس لئے ان کی اصلی اور صحیح حقیقت تصور سے ماوراء ہے۔ کھانے کے لئے تھوہر کا درخت یا کوئی زہریلی بدمزہ کسیلی غذا ہو یا پینے کے لئے لہو زرد آب پیپ، گرم تیل کھولتا ہوا پانی پگھلا ہوا سیال تانبہ سیسہ جلانے کے لئے بھڑکتی آگ، لپکتے لپکتے شعلے قید و بند کے لئے گرز (اور) موٹی آتشیں زنجیریں، گوشت نوچنے اور قیمہ بنانے کے لئے آنکڑے، سر کچلنے کیلئے آگ کے ہتھوڑے اور اسی طرح کے دوسرے انواع عذاب اور اشیاء ایذا رساں۔ یا۔ کھانے کے لئے خوشبودار خوبصورت خوش مزہ پرکیف سرور آگیں فرحت بخش غذائیں پہننے کے لئے ریشم اور کم خواب کے دبیز اور مہین کپڑے، پینے کے لئے دودھ شہد اور کیف آفریں خوش ذائقہ شربت رہنے کے لئے سونے چاندی موتی مونگے کے مکان خدمت و راحت اندوزی کے لئے حور و غلمان، حکومت کے لئے لمبا چوڑا ملک ہر طرح کا چین، موت مرض اور ہر طرح کی مصیبت نہ آنے کا اطمینان وغیرہ۔ یہ تمام چیزیں صرف سمجھانے اور آخرت کے دکھ سکھ کو تصور میں لانے کے لئے ذکر کی جاتی ہیں۔ یہ امر یقینی ہے کہ آخرت کا ثواب ہو یا عذاب صرف تخیلی اور روحانی یکسر جسمانی نہ ہوگا۔ مادی مجسم اور متشکل ہوگا، لیکن اس کی حقیقت کیا ہوگی یہ سمجھنے اور سمجھانے اور بتانے کی چیزیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین عربی زبان میں اسی لئے نازل فرمائی ہے کہ عربوں کو براہِ راست سمجھنے میں سہولت ہو اور سمجھنے کے بعد اس کے مقصد تک پہنچ کر نصیحت اندوز ہو سکیں، کوئی نہ کوئی انسانی زبان تو ہدایت کرنے کے لئے اختیار کرنا ضروری تھا اور سب زبانوں میں ہدایت نامہ کا نزول کچھ بعید از فہم تھا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چونکہ عربی تھے اور آپ کی قوم بھی عربی تھی، اس لئے کتاب کی زبان کو بھی عربی ہی بنایا اور عذاب و ثواب کو سمجھانے کے لئے عربی الفاظ ہی استعمال کئے اور عربوں کے اسلوبِ زندگی اور طرزِ فہم و عمل کو سامنے رکھ کر ہدایات نازل فرمائیں، لیکن بیان اور اسلوبِ بیان کی خصوصیت ہدایت کے عموم سے مانع نہیں، ہدایت کا تعلق معانی اور مضامین سے ہے۔ ضوابطِ حیات کسی زبان میں ترجمہ کر کے سمجھائے جائیں اور افکار و اعمال کی صحت کے قوانین کو سمجھنے کے لئے کوئی زبان استعمال کی جائے بہرحال مقصدیت فوت نہ ہوگی۔ فرق صرف براہِ راست اور بالواسطہ تعلیم کا ہوگا اور یہ فرق زیادہ قابلِ توجہ نہیں۔

تحلیلِ اجزاء اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ كَالْمُهْلِ ۔ اثیم بڑا گناہگار۔ مراد ابوجہل اور اس کے ساتھی اور کفار۔ مُہل تیل کی تلچھٹ، پگھلا ہوا تانبہ، پیپ، لہو۔ خطیب نے لکھا ہے کہ آگ میں تپانے اور پگھلانے سے جو چیز پگھل جائے اس پگھلی ہوئی چیز کو مُہل کہتے ہیں۔ جیسے پگھلا ہوا تانبہ، پیتل، لوہا، سونا، رانگ، سیسہ وغیرہ۔

زقوم تھوہر کا درخت جو دوزخ کی تہ میں ہوگا۔ زقوم کا مزہ کڑوا کسیلا اور ناگوار ہوتا ہے۔ خشک ریگستان میں پیدا ہوتا ہے۔ ناگ پھنی بھی اسی سے ملتی جلتی چیز ہے۔ سخت گناہگار یعنی کافروں کو دوزخ کے اندر کھانے کے لئے دیا جائے گا۔ آیت کا نزول اگرچہ ابوجہل کے سلسلے میں ہوا، مگر ابوجہل کی طرح کے تمام کافر اس حکم میں داخل ہیں۔ پہلا جملہ الاثیم پر ختم ہو گیا۔ کالمہل دوسرا جملہ ہے اور آئندہ یغلی سے تیسرا جملہ ہے۔ یغلی نہ مہل کی صفت ہے نہ حال ہے۔ کیونکہ پگھلے ہوئے تانبے وغیرہ میں جوش نہیں آتا۔ واللہ اعلم۔

toobaafoundation.com

يَغْلِي فِي الْبُطُونِ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ. سخت گرم اُبلتے پانی کی طرح تھوہر کی غذا پیٹ میں پہنچ کر اُبال کھائے گی۔ دوزخ کے فرشتوں کو حکم ہوگا۔

خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ اس کو پکڑو (باندھو) اور زور سے دھکے دیتے ہوئے لے جاکر وسط جہنم میں جا گراؤ۔ پھر گرم پانی کا عذاب اس کے سر کے اُوپر سے برساؤ۔

ذُقْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ. ابوجہل کہتا تھا کہ مکہ کے دونوں پہاڑوں کے درمیان مجھ سے زیادہ عزت دار اور شرافت والا اور کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو بڑا باعزت شریف بنتا تھا، اب اُس (دعوے کا) مزہ چکھ۔ اس کے بعد فرماتا ہے۔

إِنَّ هَٰذَا مَا كُنتُم بِهِ تَمْتَرُونَ. اہل تفسیر نے اس جملہ کو کلام سابق کا تتمہ اور مخاطب دوزخیوں کو ہی قرار دیا ہے۔ اس تفسیر پر یہ مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ دوزخیوں سے فرمائے گا کہ یہ عذاب جو تمہاری نظروں کے سامنے ہے اور جس میں تم مبتلا ہو یہ وہی ہے جس کے واقع ہونے اور آنے میں تم شک کیا کرتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ کلام سابق سے جدا ہو اور مخاطب مشرکین ہوں یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس عذاب کی کیفیت اور تفصیل بیان کی گئی یہ وہی ہوگا جس کے متعلق تم شک میں پڑے ہوئے ہو۔ مجرموں کے عذاب کی تفصیل کے بعد آگے مومنوں کے ثواب کی وضاحت فرماتا ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ. متقی (یعنی مومن) امن کی جگہ میں ہوں گے یعنی سرسبز باغات اور بہتے ہوئے چشموں میں ہوں گے۔ امن یعنی نہ بیماری کا اندیشہ نہ کسی قسم کے رنج والم کا خوف نہ موت کی فکر نہ ذلت کا غم ہر چیز سے امن کی جگہ

يَلْبَسُونَ مِن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِينَ اُن کا لباس باریک ریشمین اور دبیز ریشمین ہوگا۔ اوّل مکان کا بیان تھا یہ لباس کا بیان ہوگیا۔ متقابلین یعنی بیٹھنے کی ہیئت ایسی ہوگی کہ ایک کا منہ دوسرے کے منہ کی طرف ہوگا۔ کسی کے منہ کی طرف کسی کی پشت نہ ہوگی گویا سب کا محل نشست گول دائرہ کی شکل کا ہوگا

كَذَٰلِكَ ایسا ہی ہوگا۔ یہ مستقل جملہ تاکید سابق کے لئے ہے۔

وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ. حور جمع حوراء مفرد عین جمع عیناء مفرد۔ واحدی نے حور کا ترجمہ گوری عورتیں کیا ہے کیونکہ حور کا معنی ہے سفیدی۔ اور عین کا معنی ہے بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں۔ یعنی اہل جنت کا جوڑا با نکاح یا ازدواجی سلسلہ حوروں سے کر دیا جائے گا۔ یہ تقاضائے صنفی کی تکمیل کا بیان ہوگیا۔

يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ. یدعون مانگیں گے، طلب کریں گے۔ آمنین بے غمی کی حالت میں خاطر جمع ہوکر یہ غذا کا بیان ہے۔

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ. جنت کے اندر ان کو موت کا مزہ کبھی نہ چکھنا پڑے گا۔ البتہ جو موت ہوچکی جس سے دنیوی زندگی کا خاتمہ ہوا بس وہی موت ان کے لئے ہوگی۔ زجاج اور فراء نے اس آیت میں استثناء کو منقطع قرار دیا ہے اور بقول کمنی طبری کے نزدیک اِلّا استثنائیہ نہیں بلکہ بعد کے معنی میں ہے۔ یعنی پہلی موت کے بعد پھر ان کو موت نہیں آئے گی۔

اس آیت میں زوال نعمت اور انقطاع جنت کے اندیشہ کی نفی ہے۔ مکان، لباس، غذا، خدمت ازدواجی تقاضا اور انقطاع نعمت کے اندیشہ کی نفی، ان سب چیزوں کا بیان ہوگیا۔ لیکن پھر بھی اتنا ابہام رہا کہ کیا یہ نعمتیں سزا کی مدت ختم ہوجانے اور عذاب دوزخ برداشت کرنے کے بعد ملیں گی یا عذاب دوزخ سے واسطہ ہی نہ پڑے گا۔ اس لئے فرمایا۔

وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ. اللہ تعالیٰ بھڑکتی آگ کے عذاب سے ان کو محفوظ رکھے گا لیکن لپٹ سے اور سرزنش سے اور معمولی سزا سے محفوظ رکھنے کی صراحت نہیں فرمائی، اس لئے یہ امور ابتدائی طور پر بطور تطہیر ہوسکتے ہیں۔

فَضْلًا مِّن رَّبِّكَ یعنی یہ جنت میں داخلہ اور مذکورہ بالا نعمتوں کی عطا کسی ذاتی یا صفاتی استحقاق کی بنا پر نہ ہوگی۔ کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ پر اپنے اعمال کی وجہ سے واجب الاداحق نہیں رکھتا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہوگا اور یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت وفضل سے ہی نیک اعمال

toobaafoundation.com

مومنوں کے لئے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ دنیا کی کوئی کامیابی ہو، قارون کی دولت ہو یا شداد کی جنت، یا نمرود و فرعون کی حکومت چند روزہ ہے اور وہ بھی ہزاروں افکار، امراض و موت کے اندیشہ کے ساتھ، اس لئے اس کو عظمت والی کامل بڑی کامیابی نہیں کہہ سکتے۔ اِن فوزِ عظیم اور دنیا کی ہر کامرانی سے بڑی آخرت کی کامیابی ہے جس کا ذکر اوپر کر دیا گیا ہے۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۔ اس آیت کے مضمون کی تشریح ہم اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا کے ذیل میں کر چکے ہیں۔ اعادہ موجب طوالت ہے۔

فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ۔ (جب یہ لوگ نصیحت نہیں مانتے اور) آپ کے مرنے کے منتظر ہیں تو آپ بھی ان پر عذاب نازل ہونے کا انتظار کیجئے یعنی جب کوئی نصیحت ان پر اثر انداز نہیں ہوتی بلکہ آپ کی مخالفت اور دشمنی پر ٹھان لی ہے اور آپ کے ہلاک ہونے کا انتظار کر رہے ہیں تو ان پر عذاب آنا ضروری ہے، لیکن عذاب کب آئے گا اس کا انتظار لازم ہے۔

مقصود بیان ذقوم کا درخت جو بدمزہ اور ناقابلِ غذا ہے دوزخیوں کو کھلایا جائے گا۔ جنت میں قیام طعام لباس الغرض تمام اغراض ہر خواہش کے پورا ہونے کا انتظام اور اعلیٰ ترین انتظام ہوگا نہ وہاں بیماری نہ ہوگی دکھ نہ مرنے کا ڈر نہ نعمت کے زائل ہونے کا اندیشہ۔

وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنوں پر دوزخ کا عذاب ہی نہ ہوگا۔

فَضْلًا کا لفظ بتا رہا ہے کہ آخرت کی نعمت بطور واجب نہیں ملے گی بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملے گی۔

يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ سے معلوم ہو رہا ہے کہ قرآن مجید کی عربی زبان بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہی عربوں کو سمجھنے کی سہولت کے لئے اپنے پیام کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے۔ وغیرہ

سُوْرَةُ الْجَاثِيَة

اس سورۃ کا نام بقول مفسر خازن کے شریعۃ بھی ہے، اس میں ۳۶ یا ۳۷ آیات اور چار رکوع ہیں۔ یہ سورۃ بھی مکہ میں نازل ہوئی بعض اہلِ روایات کے نزدیک آیت قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ مکی نہیں ہے، مدنی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان ہے رحم والے ہیں

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ

حٰم یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے آسمانوں اور زمین میں اہلِ ایمان کے (ماننے) کے لئے

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَفِىْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ

بہت سے دلائل ہیں اور (اسی طرح) خود تمہارے اور ان حیوانات کے پیدا کرنے میں جن کو زمین میں پھیلا رکھا ہے دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے

toobaafoundation.com

وَالنَّهَارِ وَمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ

ہیں اور اسی طرح ایک کے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں اور اس (مادہ) رزق میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا پھر اس (پانی) سے زمین کو تر و تازہ کیا اس کے

اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِأَيِّ حَدِيْثٍ ۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ

خشک ہو جانے کے پیچھے اور (اسی طرح) ہواؤں کے بدلنے میں دلائل ہیں ان لوگوں کیلئے جو عقل سلیم رکھتے ہیں یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں تو پھر اس کی

يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَيْلٌ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيْمٍ ۝ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَأَنْ

(توحید) کے بعد اور کونسی بات پر یہ لوگ ایمان لاویں گے بڑی خرابی ہوگی ایسے شخص کیلئے جو جھوٹا ہو نافرمان ہو جو اللہ کی آیتوں کو سنتا ہے جبکہ وہ اس کے اوپر پڑھی جاتی ہیں پھر بھی وہ تکبر

لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ ۝ وَإِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۚ أُولٰٓئِكَ

کیا ہوا اپنے کفر پر اس طرح اڑا رہتا ہے جیسے اس نے ان کو سنا ہی نہیں ایسے شخص کو عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے اور جب ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اس کی ہنسی

لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا

اڑاتا ہے ایسے لوگوں کیلئے (آخرت میں) ذلت کا عذاب ہے ان کے آگے جہنم (آ رہا) ہے اور اس وقت نہ تو ان کی وہ چیزیں ذرا کام آویں گی جو (دنیا میں) کما گئے تھے اور نہ جن کو اللہ کے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

سوا کارساز (معبود) بنا رکھا تھا اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا یہ قرآن سرتاسر ہدایت ہے اور جو لوگ اپنے رب کی (ان) آیتوں کو نہیں

ع
لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ أَلِيْمٌ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِأَمْرِهٖ

مانتے ان کے لئے سختی کا عذاب ہوگا اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا کو مسخر بنایا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

اور تاکہ تم اس کی روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو اور اسی طرح جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جتنی چیزیں زمین میں

جَمِيْعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا

ہیں ان سب کو اپنی طرف سے مسخر بنایا بیشک ان باتوں میں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو غور کرتے ہیں آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ ان لوگوں سے درگزر

لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ أَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا

کریں جو خدا کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے تاکہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو (یعنی مسلمانوں کو) ان کے عمل کا صلہ دے جو شخص نیک کام کرتا ہے سو اپنے

toobaafoundation.com

فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝

نفع کے لئے اور جو شخص برا کام کرتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے پھر تم کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے

تفسیر کیا اللہ کا وجود ہے۔ اگر ہے تو اس کے امتیازی اوصاف کیا ہیں اور ان صفات خصوصی کا ثبوت کیا ہے۔ اگر صفات کا بھی ثبوت ہے تو ہماری زندگی اور زندگی کے احوال سے اس کا کیا تعلق کہ وہ ہمارے لئے ہدایت نامے ضروری بھیجے۔ ہمارا اس سے کون سا کام اٹکا ہوا ہے، ہماری کون سی غرض اس سے وابستہ ہے کہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے اس سے تعلق پیدا کریں اور اس کی ذات و صفات کو ماننا ہماری زندگی کی بنیادی غرض ہو جائے اور اس کی ہدایات پر چلنا ہمارے لئے لازمی قرار پائے۔ اگر کوئی اس کا انکار کرے تو کیا خرابی ہے اور اقرار کرنے والوں کا انکار کرنے والوں سے کیا سلوک ہونا چاہئے۔ یہ اور اسی قسم کے دوسرے سوالات منکر عموماً کیا کرتے ہیں۔ ان تمام امور کی توضیح ان آیات میں کی ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اللہ اور سب پر غالب محیط کل اقتدار کا مالک اور کائنات کی حقائق خواص و لوازم آپس کے ارتباط اور وجوہ ارتباط اور شخصی و اجتماعی ضرورتوں سے سب سے زیادہ واقف ہے نہ اس کی قوت و قدرت کی نظیر ہے۔ نہ علم و حکمت کی مثال۔ آسمان و زمین یعنی کائنات بلند و پست کی تخلیق و تقویم۔ ایجاد و بقا، انتظام و تعمیر۔ ان کی نوعی صورتوں اور خاصیتوں کا تنوع۔ رنگ، وزن، مقدار، حجم کا اختلاف پھر سب کا مل کر اس عالم کی مشین کو یکساں چلانا اور مفوضہ خدمت کی سرانجام دہی میں آغاز آفرینش سے اب تک سرمو فرق نہ ہونا کسی کا کسی سے ٹکرانا باوجود طبائع اور لوازم طبائع کے اختلاف کے اپنی اپنی رفتار پر سب کا متحد العمل ہو کر چلنا۔ انسان کی تخلیق اس کی علمی و عملی طاقتوں کا توازن اس کی ظاہری و باطنی تجربہ کاریاں اس کے جسمانی و عقلی اور مادی و روحانی کمالات اس کا اسفل السافلین یا اعلیٰ علیین میں پہنچنا، زمین پر لاکھوں انواع کے حیوانات کا رینگنا، کودنا، دوڑنا، سانس لینا اور اپنی اپنی بدنی و نوعی تکمیل میں اس طرح لگا رہنا کہ ہزار در ہزار وجوہ اختلاف کے باوجود نظم کائنات کو چلانے میں بالاتفاق مددگار رہیں۔ رات دن کا چکر اور اس چکر میں کبھی ایک پل کے لاکھوں حصے کے برابر فرق نہ آنا۔ آسمان اور بالائی فضا سے بارش کا نازل ہونا اور اس کے ذریعہ سے خشک زمین کو سرسبزی مل جاتا۔ ہواؤں کا چلنا اور ایک نظم کے ساتھ چلنا یہ اسی طرح کی بڑی بڑی نشانیاں اللہ کے غالب مقتدر اور علیم و حکیم ہونے پر دلالت کر رہی ہیں اور اس کی توحید کے ترانے اپنی اپنی نوعی زبان میں گا رہی ہیں۔ سمجھنے والے دل ہوں تو جان لو۔ سننے والے کان ہوں تو کائنات کی آواز سن لو۔ دیکھنے والی آنکھیں ہوں تو آیاتِ الوہیت کو دیکھ لو۔ پوری کائنات اور آیاتِ کائنات کی ترجمان زبانِ قرآن ہے۔ اسی کو پڑھ کر اور سن کر مان لو۔ اس پر بھی ایمان نہ ہوگا تو اس سے بڑھ کر کس کلام کو مانو گے کس پر ایمان لاؤ گے۔ گناہ گار دل اور جھوٹی زبان رکھنے والے کلام قدرت اور نشانِ الوہیت کا مذاق بناتے اور ہنسی اڑاتے ہیں۔ آیاتِ الٰہیہ کو سنتے ہیں اور ان سنی کر دیتے ہیں۔ پیام توحید کو بائے استحقار و استہزاء سے ٹھکراتے ہیں اور ان کثرت لاتعداد فرضی معبودوں کی چوکھٹ پر پیشانیاں رگڑتے پھرتے ہیں۔ ایسے گناہگاروں، منکروں، صداقت و حقانیت کی ہنسی اڑانے والوں اور جھوٹے مغروروں کی سزا عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔ عَذَابٌ عَظِيْمٌ کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ ان کے افکار باطلہ اعمال شنیعہ اور افعال کاذبہ کی سزا ان کو ضرور ملنی ہے۔ اس وقت کوئی فرضی دیوتا اور بنایا ہوا معبود کام نہ آئے گا اور کوئی بات نہ چلے گی۔ کہنے کو کہہ لو کہ اگر کوئی کائنات کا خالق اور با اختیار تنہا حاکم ہے بھی تو ہمارا اس سے کیا تعلق اور وہ ہمارے واسطے کیوں ہدایت نامہ بھیجنے لگا۔ کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اور خارجی موجودات کو فقط پیدا ہی نہیں کیا ہے کہ پیدا کر کے بے تعلق بن کر بیٹھ جائے بلکہ اس نے سب کا انتظام ہر آن اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ سمندر تک کو تمہارے کام پر لگا دیا ہے۔ میلوں گہرا سمندر خشکی کی طرح تمہارے جہازوں اور کشتیوں کو اپنے سینہ پر اٹھائے پھرتا ہے اور باوجود پانی کی رقت اور جہازوں کے ثقل کے جہاز سطح آبی پر رواں دواں رہتے اور تم کو

toobaafoundation.com

ایک ملک سے دوسرے ملک کو اور ایک شہر سے دوسرے شہر کو پہنچاتے ہیں ۔ اس طرح تم کو تجارتی منافع، ور شہر کے رہنے والوں کو دوسرے شہر کی چیزیں مل جاتی ہیں، تم سمندروں کے اندر سے موتی مونگے نکالتے، طرح طرح کے جواہر نفیسہ برآمد کرتے اور کروڑوں من مچھلیوں کا شکار کرتے ہو۔ خشکی پر رہنے والوں کے لئے سمندر کی مچھلیاں غذا بنتی ہیں ۔ سمندروں سے بخارات اٹھتے ہیں بادل بن جاتے ہیں پانی بن کر برستے ہیں ۔ انسانوں کو میٹھا پانی، غلہ، پھل پھول ترکاری اور سبزہ حاصل ہوتا ہے ۔ تمہاری یہ سب خدمت سمندر انجام دے رہا ہے ۔ سمندر ہی پر انحصار نہیں ۔ درخشاں سورج، چمکتا چاند، جگمگاتے ستارے اور تمام معدنیات دھاتیں، جڑی بوٹیاں، آگ، ہوا، مٹی، پانی اور کل عناصر تمہارے ہی کام میں لگے ہوئے ہیں ۔ فکر کو کام میں لاؤ ۔ غور کرو ۔ کفر نہ کرو ۔ شکر ادا کرو ۔ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی اس ربوبیت کے ساتھ ملا کر شرک نہ کرو ۔ اس پر بھی اگر کوئی نہیں مانتا تو نہ مانے اپنا کرنا اپنا بھرنا اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے کئے کرائے کا بدلہ دے گا اچھا یا برا جیسا بھی ہوگا عمل کا پھل مل جائے گا ۔ اہلِ ایمان کو چاہیئے کہ ان منکروں سے خواہ مخواہ کا جھگڑا نہ کریں ۔ اگر یہ زیادتی بھی کریں تو درگذر کریں ۔ کسی سے لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہیں آخر سب کو اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے وہی سب کا حساب چکا دے گا ۔

تحلیلِ اجزاء

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۔ اس سورت میں بھی گزشتہ سورت کی طرح توحید ۔ الوہیت ۔ نبوت اور قرآن کی صداقت پر زور دیا ہے اور معاد ۔ اور نیکیوں بدیوں کی اچھی بری جزا سزا کو بھی بیان کیا ہے ۔ مکی سورتوں میں عموماً فکری صحت پر ہی زور دیا گیا ہے ۔ کیونکہ اعمال کی درستی عقیدہ کی صحت پر ہی موقوف ہے اکثر عبادات اور معاملات کے احکام مدینہ میں نازل ہوئے ۔ عقیدہ کی سنگِ بنیاد یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اقتدارِ عام اور حکمت تام کو مانا جائے پھر یہ بتایا جائے کہ سارا عالم جس میں انسان بھی داخل ہے اپنی ہستی اور بقائے ہستی میں خالق مقتدر حکیم کا محتاج ہے ۔ اور جب وجود و بقاء وجود میں انسان خدا کا محتاج ہے تو زندگی کو صحیح بنانے والی ہر تعلیم میں بھی اسی کا ضرورت مند ہے ۔ تشریعات حیات کی ساخت پرداخت کے لئے عقلِ بشری نہ کافی ہے نہ بے احتیاج ۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نامہ آنا ضروری ہے ۔ اور نزولِ کتاب لامحالہ کسی ایک منتخب انسان پر ہی ہونا چاہیئے، ہر شخص اس کا اہل نہیں ہے کہ عالمِ مجردات اور خطیرۂ قدس سے براہِ راست اس کا تعلق ہو سکے، اس لئے کسی برتر انسان کا نبی ہونا لازم ہے ۔ پھر انسان اپنے اعمالِ زندگی میں خیر و شر اور صحیح و غلط میں امتیاز پیدا کرنے خیر کو اختیار کرنے اور شر سے اجتناب کرنے کا مکلف ہے، اس لئے اس کے اعمال کا اچھا برا بدلہ بھی ہونا چاہیئے ۔ اور سزا جزا اس دنیا کی چونکہ ناکافی اور بعض لمحاتِ حیات کے اعمال کی ناممکن ہے، اس لئے جزا کا زمانہ مستقل طور پر اس جولانگاہِ عمل کے بعد آنا چاہیئے ۔ پس فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب اور حکیم کی طرف سے اس کتاب یعنی قرآن کا نزول ہے ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی قدرتِ تامہ اور حکمت عامہ کی وجہ سے انسانوں کو زندگی کا سیدھا راستہ بتانے کے لئے یہ کتاب نازل فرمائی ۔

اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۔ اہلِ ایمان اور اصحابِ علم کے لئے زمین آسمان کی بناوٹ سجاوٹ وزن حجم بُعد مسافت حجم طبیعت اور خواص و لوازم کی تخلیق اقدار اور رفتار میں بکثرت عظیم الشان نشانیاں ہیں جن سے وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی وحدت ہستی قدرت کی ہمہ گیری حکمت کے احاطۂ کلی اور مالکِ مقتدر ہونے کو جان سکتے ہیں ۔

وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ اور اربابِ یقین کے لئے انسان کی پیدائش اور زمین پر رینگنے چلنے پھرنے اور زندگی کا سانس لینے والے جانوروں کی ساخت و آفرینش میں بھی اللہ تعالیٰ کی عجوبہ انگیزی، ربوبیت اور الوہیت و کبریائی کی بڑی بڑی دلائل موجود ہیں ۔ یعنی شک و ارتیاب اور جہالت و انانیت میں مبتلا رہنے والے لوگوں کے لئے تو کوئی دلیل و بصیرت مفید نہیں ہو سکتی، لیکن جو لوگ سلیم الیقین ہیں ان کے لئے آدمیوں اور جانوروں کی ساخت و حالات کا مطالعہ اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، مالکیت، الوہیت اور وحدت کا یقین پیدا کر دیتا ہے

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ

toobaafoundation.com

---- اور یہاں دانش کے لئے شب و روز کی گردش (جو اپنے اندر ان گنت حوادث مضمر رکھتی ہے) اور اوپر سے پانی کا برسنا جو (ہر چیز کی
زندگی اور ہر جاندار کے رزق کا ذریعہ ہے یعنی جو مردہ زمین کو زندہ کر دینے کا سبب ہے اور ہواؤں کا الٹ پھیر اور ادل بدل کر چلنا
(اور اپنی اپنی تاثیرات سے کائنات عنصری کو متاثر بنانا) اللہ تعالیٰ کی حکمت، صنعت اور ربوبیت والوہیت کی بکثرت آیات کا حامل ہے۔
(اور قیامت کو ثابت کرنے کے لئے اس سلسلہ اسباب کی نتیجہ آفرینی اور کسی حرکت یا سکون کا رائیگاں نہ ہونا کافی ہے۔ نیستی سے ہستی اور ہستی
سے نیستی کی آفرینش و افزائش بتا رہی ہے کہ جب سارے سلسلہ کی کوئی حرکت بے نتیجہ نہیں اور نتیجہ اپنے مقررہ وقت پر نکلتا ہے تو انسان
کے افکار و اعمال کس طرح بے نتیجہ ہو سکتے ہیں ان کی جزا سزا بھی اپنے وقت پر ضرور ملے گی۔)

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی
آیات ہیں جو اے پیغمبر ہم تم کو صحیح صحیح پڑھ کر سنا رہے ہیں (اور تم پر نازل کر رہے ہیں) اگر لوگ ان آیات کا بھی یقین نہیں کرتے تو پھر
اللہ تعالیٰ کے کلام کے بعد کون سا کلام ان کے لئے موجب ایمان اور یقین بخش ہوگا۔

بیان توحید کے بعد اس آیت میں جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کو ظاہر فرمایا اور تلاوت بالحق فرما کر بتا دیا کہ تم جو
کلام گوش ہوش اور سماعت حق نیوش سے سنتے ہو وہ ہمارا ہی نازل کردہ ہے نہ قوت واہمہ کا اس میں دخل ہے نہ کسی انسان یا جن یا فرشتے
کی دماغی اختراع کا۔ تلاوت جبرئیل کو اپنی تلاوت فرمایا کیونکہ حضرت جبرئیل کی حیثیت ذریعہ سے زیادہ نہ تھی

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۙ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ جو بڑا گنہگار جھوٹا
ان آیات الٰہیہ کو سنتا اور پھر بھی ان سنی کر دیتا ہے اور غرور کے ساتھ اپنی ہٹ پر جما رہتا ہے (اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو سچا نہیں جانتا،
جھوٹی باتیں ملاتا ہے کبھی اس کو جادو کبھی دیوانہ کی بڑ اور کبھی کہانت کے بے تکے الفاظ اور کبھی کسی انسان یا جن کا ساختہ پرداختہ کہتا ہے)
۶ اس کے لئے تباہی اور ویل ہے آپ اس کو عذاب الیم کی بشارت دے دیں (اس کے لئے دوزخ کا عذاب ہی بشارت ہے۔)

وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَـيْئَۨا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ جَهَنَّمُ ۚ اگر اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی
کوئی آیت اس کو معلوم ہو جاتی ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے ٹھٹھول بناتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب مقرر ہے
ان کے آگے جہنم آ رہا ہے۔ (جس میں ان کو ڈالا جائے گا۔)

وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـــًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اور جو کچھ انہوں نے کمایا تھا
(مال و دولت عزت و جاہ اولاد وغیرہ) وہ ان کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں وہ بنائے ہوئے معبود کام آئیں گے جن کو
انہوں نے اپنا کارساز و حامی قرار دے رکھا ہے یا یہ مطلب ہے کہ جن لوگوں کو انہوں نے اپنا دوست اور حامی و مددگار بنا رکھا ہے
وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کام نہیں آئیں گے۔ (نہ خادم مخدوم کے، نہ پیشوا اپنے متبعین کے، نہ دوست دوست کے، نہ بھائی بھائی
کے غرض جتھہ قوم لشکر حلیف معاہد دوست کوئی مدد نہ کر سکے گا) ان پر بڑا عذاب ہوگا۔

تین آیات میں عذاب کی تین صفات بیان فرمائیں۔ الیم۔ مہین۔ عظیم۔ دردناک۔ ذلیل کن۔ بہت بڑا۔ چونکہ عذاب جہنم انتہائی
دکھ دینے والا ہوگا، اس لئے بطور مبالغہ الیم فرمایا اور چونکہ گناہوں سے پاک کرنے اور انجام کار عزت عطا کرنے کے لئے وہ عذاب نہ ہوگا
اس لئے اس کو مہین فرمایا اور چونکہ اس میں واقعی کثرت و شدت ہوگی، اس لئے عظیم کی صفت ذکر فرمائی۔ اس آیت کا نزول اگرچہ ابوجہل
کے حق میں ہوا، مگر ہر کافر جو مذکورہ اوصاف شنیعہ کا حامل ہو عذاب کے اس حکم میں داخل ہے حکم محدود نہیں ہے۔

هٰذَا هُدًى ۚ یہ قرآن تو سراسر ہدایت ہے (ماننا نہ ماننا ہر شخص کا اختیار ہے۔ اس کی راہنمائی کو سچا جان کر اس کی بتائی
راہ پہ چلنے والا کامیاب ہوگا)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے کلام کو جھٹلاتے ہیں گے یعنی اللہ تعالیٰ کا کلام ہی نہ مانیں گے

toobaafoundation.com

(یا اللہ تعالیٰ کا کلام جانتے ہوئے اس کو غلط قرار دیں گے) اُن کے لئے سخت دردناک عذاب مقرر ہے۔

رجز کا معنی ہے سخت ترین عذاب۔ اس صورت میں عذاب سے مراد ہو گا عذاب کا ایک حصہ یعنی سخت دردناک عذاب مقرر ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ اس سورت میں سب سے پہلے ایجادِ عالم اور تخلیقِ انسانی کو پیش کر کے توحید کو ثابت کیا اور اسی مسئلہ نبوت و نزولِ کتاب اور معاد کو متفرع کر کے منکرین متکبرین کے عذاب کا ذکر فرمایا۔ اب ربوبیت خصوصی کا ذکر فرما کر انسان اپنے احسان کا اظہار فرماتا ہے تاکہ لوگ اس کے احسان کا شکر ادا کریں اور ہر نعمت کو عطیۂ خداوندی یقین کر کے دوسروں کو رزاق اور قاضی الحاجات نہ قرار دیں۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو انسان کی خدمت پر مامور کر دیا۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے حکم سے جہاز اور کشتیاں سمندر پر رواں دواں ہوتی ہیں۔ پانی کا مرکزِ ثقل نیچے کی طرف ہے اور ہر چیز کو اپنے مرکز کی طرف کھینچتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جہاز بنانے سکھائے اور ہوا کو حکم دیا کہ جہازوں کو ہر طرف سے (اٹھائے) رکھے اور سمندر کو حکم دیا کہ لاکھوں ٹن وزن سے لدے ہوئے جہازوں کو اپنی تہ کی طرف نہ کھینچے۔ یہ سمندر کا طبعی تقاضا نہیں اور طبعی تقاضا کی موجب بھی طبیعت اور لوازم طبیعت پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(۲) جہازوں اور کشتیوں میں سوار ہو کر انسان سفر کرتے ہیں۔ ایک ملک کی پیداوار دوسرے ملک والوں تک پہنچ جاتی ہے جس سے دونوں کو نفع ہوتا ہے۔ کچھ لوگ سمندر کے اندر سے موتی مونگے اور طرح طرح کی چیزیں نکالتے ہیں جو زینت اور ضرورت کے کام آتی ہیں۔ کروڑوں مچھلیاں انسان کی غذا بنتی ہیں اور اس طرح آدمیوں کے بقاء زندگی کا سامان فراہم ہوتا ہے۔

(۳) جب اللہ تعالیٰ اتنا مہربان ہے کہ اُس نے اپنی غیبی کارسازی سے انسان کے زندہ رہنے کا ایسا عظیم الشان انتظام کر رکھا ہے تو ظاہر ہے کہ کسی وقت بھی آدمی اُس کے خوانِ نعمت سے بے نیاز ہو کر زندہ نہیں رہ سکتا اور اس کا تقاضا ہے کہ اُسی کو اپنا معبود و آقا سمجھے اور اُسی کا شکر گزار رہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ اور سمندر ہی پر کچھ منحصر نہیں بلکہ اُس نے ساری علوی اور سفلی کائنات کو انسان کے کام پر لگا دیا ہے۔ آدمی کی علمی رسائی بہت کم ہے اور اس کو معلوم بھی نہیں کہ کیا کیا چیزیں کس کس طرح اُس کی خدمت میں مشغول ہیں۔ آسمان پر چاند سورج ستارے اور سیارے خلاء میں شہاب ثاقب کہربائی لائن اور ساری فضائی کائنات اپنے رنگ، تاثیر، وزن، خصوصیات اور حرکات کو آدمی کی خدمت کے لئے وقف کئے ہوئے ہے۔ زمین کی ساری قوت روئیدگی اور سبزہ کی بالیدگی اور معدنیات و ... کی پوشیدگی اور کل دوائیں پھل غذائیں اور تمام حیوانات نہریں دریا اور آبشاریں انسان ہی کی خدمت پر کمربستہ ہیں، مگر جس طرح آدمی کو ان کائناتی طاقتوں کے اکثر حصے پر قابو نہیں بلکہ علم بھی نہیں کہ کیا کیا قوتیں اس کے کام میں لگی ہوئی ہیں۔ اسی طرح یہ مخلوق بھی اپنے ارادہ اور اختیار سے نہیں بلکہ خلاق قاضی الحاجات اور رب کارساز کے حکم سے انسان کے لئے سرگرمِ عمل ہے۔ اصحابِ فکر اگر ذکر سے کام لیں تو "ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار" ہر حرکت و سکون اور ظہور و خفا میں اُن کو اللہ تعالیٰ کی وحدتِ حکمرانی اور بے پایاں رحمت و کارسازی کی لاکھوں نشانیاں نظر آئیں گی۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ رجاء کا حقیقی معنی ہے امید ... لیکن بطور مجاز اس جگہ خوف کا معنی مراد ہے یعنی جو لوگ اُن حوادث سے نہیں ڈرتے جو اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں پر نازل کرتا ہے یا اُن اوقات سے نہیں ڈرتے جو اللہ تعالیٰ نے کافروں کو تباہ اور مسلمانوں کو کامیاب کرنے کے لئے مقرر فرما دیئے ہیں۔ (بیضاوی)

مکہ میں اہلِ شرک مسلمانوں کو طرح طرح کے دکھ پہنچاتے اور سخت ترین ایذائیں دیتے تھے اور ... انتقام و جنگ کی طاقت نہ تھی، اس لئے حکم دیا کہ ان کافروں سے جو اللہ تعالیٰ کے اوقاتِ انتقام اور وقائعِ غضب سے نہیں ڈرتے (بالفعل) درگزر کریں تاکہ اللہ تعالیٰ خود ان کافروں کو سزا دے۔ مطلب یہ کہ اپنا انتقام خود نہ لیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں اور ظاہر ہے کہ انسان کا انتقام ناقص اور بعض

toobaafoundation.com

وقت ناممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کا انتقام ہر وقت کامل طور پر ممکن ہے، لیکن اُس نے ہر کام کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ ایام اللہ یعنی دشمنوں کو تباہ کرنے کے اوقات یا وہ اسباب ہلاکت جو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے مقرر کر دیے ہیں وہ ضرور آئیں گے)

جہاد کا حکم مدینہ میں نازل ہوا اور یہ آیت مکی ہے، اس لئے اکثر اہل تفسیر نے آیت قتال سے حکم مغفرت کو منسوخ قرار دیا ہے بعض نے کہا جہاد ذاتی انتقام کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کفر کی طاقت توڑی جاتی ہے، اس لئے وہ اپنی جگہ حکم ہے اور اس آیت میں ذاتی انتقام سے درگذر کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ بھی اپنی جگہ غیر منسوخ ہے، مگر یہ قول ضعیف ہے۔ ذاتی انتقام اگر عدل کے ساتھ ہو تو اس کی شرعاً اب بھی اجازت ہے، ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مکی زندگی میں مسلمان کمزور تھے، اس لئے درگذر کا حکم دیا اور اب بھی جہاں مسلمان مکی زندگی کی حالت میں ہوں تو درگذر رہی مناسب ہے، اس لئے مغفرت اور درگذر کا حکم زمان و مکان کے ساتھ مشروط ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ۔ اس آیت کا مضمون سابق آیت کے مضمون سے معنوی ربط رکھتا ہے اور مستقل ضابطہ بھی ہے۔ مطلب کہ جو نیکی کرے گا اپنے لئے کرے گا اور جو بدی کرے گا اپنے لئے کرے گا۔ (یعنی نیکی بدی کرنے والے کو اپنے کیے کی جزا سزا تو ضرور ملے گی، لیکن ہو سکتا ہے کہ بعض نیکیاں اور بدیاں متعدی ہوں اور دوسروں کو اُن کے کرنے نہ کرنے کا عذاب یا ثواب پہنچ جائے۔ متعدی نیکی کرنے والے کو اپنے کرنے کے علاوہ دوسروں کے کرنے کا ثواب اور متعدی بدی کرنے والے کو اپنے کیے کے علاوہ دوسروں کے اس راہ پر چلنے کا عذاب ہو، مگر کرنے والے کے ثواب عذاب میں اس سے کمی نہیں آئے گی) اور سب کو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے (اس لئے یہ احتمال بھی غلط ہے کہ کیا کرایا مٹ جائے گا یا مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ہی نہ ہوگی تو جزا سزا کیسے ملے گی)

مقصودِ بیان

آغاز سورت سے ترجعون تک مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑ رہی ہے (۱) آیات کائنات پر غور کی نظر ڈالنا اور طبیعات و تغیرات کا فہم آنکھیں عبرت اندوز مطالعہ کرنا چاہیئے۔ مسائل طبعیہ سے فوق الطبیعات پر استدلال کرنا ضروری ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی و صفاتی کا انکشاف ہو اس سے معلوم ہوا کہ خالص الٰہیاتی بحث اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی چگونگی کا تجزیہ کرنا درست نہیں بلکہ ذات و صفات کو سمجھنے کے لئے کائناتِ مادیہ کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تحقیقات سائنس اور طبعی ریسرچ دہریت کی طرف نہیں اقرار خدا اور توحید الوہیت کی طرف لے جاتی ہے۔ بشرطیکہ عقل توہم آمیز نہ ہو بلکہ عقل کے ساتھ ایقان اور ایقان کے ساتھ جذبہ ایمان بھی ہو۔

(۲) اگر ضمیر میں گناہ گاری رچ گئی ہو تو گوش ہوش بند ہو جاتے ہیں اور آدمی آیاتِ الٰہیہ کو سن کر بھی ان سنی کر دیتا ہے۔ ہر پیام حق کی تکذیب کرتا ہے اور غرور کے ساتھ اپنے نقشہ زندگی پر جما رہتا ہے۔

(۳) قرآن کریم اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے اور سراسر ہدایت ہے

(۴) بر و بحر اور ساری کائنات پست و بلند کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی (روحانی جسمانی) خدمت پر لگا دیا ہے

(۵) طلب معاش اور تحصیل منافع کے لئے بحری سفر جائز ہے۔

(۶) مال و معاش اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کی طلب و تحصیل ضروری ہے

(۷) اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا تقاضا ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔

(۸) اگر کفار کا غلبہ ہو اور مسلمانوں کو ان کے ہاتھوں دکھ پہنچ رہا ہے اور مقابلے کی طاقت نہ ہو تو انتقام سے درگذر کرنا چاہیئے۔

(۹) جو شخص جیسا کرے گا ویسا بھرے گا وغیرہ۔

toobaafoundation.com

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (آسمانی) اور حکمت (یعنی علم اور احکام) اور نبوت دی تھی اور ہم نے ان کو نفیس نفیس چیزیں کھانے کو دی تھیں

عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ وَآتَيْنَاهُم بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ

اور ہم نے انکو دنیا جہان والوں پر فوقیت دی اور ہم نے ان کو دین کے بارے میں کھلی کھلی دلیلیں دیں سو انہوں نے علم ہی کے آنے کے بعد باہم اختلاف کیا بوجہ

الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

آپس کی ضد اضدی کے آپ کا رب اُن کے آپس میں قیامت کے روز ان امور میں (عملی) فیصلہ کرے گا جن میں یہ باہم اختلاف کیا کرتے تھے

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ إِنَّهُمْ

پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقے پر کر دیا سو آپ اسی طریقہ پر چلے جائیے اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلئے یہ لوگ

لَن يُغْنُوا عَنكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِيُّ

خدا کے مقابلہ میں آپ کے ذرا کام نہیں آ سکتے اور ظالم ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ دوست ہے اہلِ تقویٰ کا یہ قرآن عام لوگوں کے

الْمُتَّقِينَ ۝ هَٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝

لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ ہے اور یقین (یعنی ایمان) لانے والوں کے لئے بڑی رحمت (کا سبب) ہے

تفسیر حضرت ابراہیمؑ کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور اقوامِ عالم میں سے ایک زمانہ تک اسرائیلی نسل کو اپنی دینی اور دنیوی نعمتوں سے سرفراز فرماتا رہا۔ بنی اسرائیل میں سے اپنے سینکڑوں منتخب بندوں کو نبوت بھی عطا فرمائی۔ متعدد صحیفے اور کتابیں بھی ان پر نازل کیں، سب سے بڑی ام الکتاب اور فرقان یعنی توریت حضرت موسیٰؑ پر اتاری جس کو شریعتِ اسرائیلی کی جڑ بنایا اور اپنے احکام کھول کھول کر اس میں بیان کئے۔ دنیوی اقتدار بھی عنایت کیا۔ طالوت حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور بہت پیغمبروں کو نبوت کے ساتھ حاکمیت بھی مرحمت کی اور بہتوں کو بادشاہ بنایا، لیکن بندگانِ حرص و ہوا اور شیفتگانِ آرزو یا جاہ طلبی یا اقتدار پرستی کے زیر اثر آپس ہی میں لڑنے لگے۔ دین کی طلب صادق نے ذاتی عناد کی شکل اختیار کر لی۔ ایک گروہ مختلف ٹکڑوں میں بٹ گیا اور ہر گروہ کا پیشوا اپنی اور اپنے گروہ کی نفسانی خواہشات کے سانچے میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کو ڈھالنے لگا۔ حق گم ہو گیا۔ صداقت کھو گئی۔ دینداری کا نام رہ گیا۔ مغز معدوم ہو گیا۔ حق کا راستہ دکھانے اور روحِ شریعت سے واقف بنانے اور اخلاقی دیانت کا صحیح فیصلہ کرنے کے لئے متعدد پیغمبر آئے۔ مگر شیفتگانِ سیادت و امارت نے سب کو ٹھکرا دیا۔ کسی کی توہین تکذیب کی اور کسی کو قتل کر ڈالا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اسرائیلیوں سے اپنی نعمت ہمیشہ کے لئے چھین لی۔ نہ سیادت رہی نہ حکومت نہ عزت نہ نبوت۔ اسرائیلی دور ختم ہو گیا۔ اور بنی اسرائیل میں سے اللہ تعالیٰ نے ایسا عالی قدر عظیم الشان پیغمبر مبعوث فرمایا جو سید الانبیاء و خاتم اور اُن پر وہ آخری کتاب نازل فرمائی جو تمام سابق کتابوں کی ناسخ تھی (یعنی افکار و عقائد کی درستی اور اصول اعمال کی اصلاح کی

toobaafoundation.com

ضابطے تو اس کے اندر وہی تھے جو اسرائیلی کتابوں کے تھے مگر زمان و مکان کے تغیر کے زیر اثر جزئیات احکام و عبادات میں سب سے الگ تھی اور کتب سابقہ کی تعلیم ماضی کی یہی اصلاحی شکل تھی) اور حکم دیا کہ اس شریعت پر سب کو چلنا چاہیے۔ اس اعلان کی زد دو گروہوں پر پڑ رہی تھی۔ ایک گروہ کفر و شرک کا جس نے فرضی دیوتا اور معبود رکھے تھے جس کے پاس نہ اللہ تعالیٰ کی کتاب تھی نہ دانش و فہم۔ دوسرا گروہ اسرائیلی اہل کتاب کا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اپنی خواہشات کا تابع بنا لیا تھا۔ دونوں گروہوں کے شخصی اور گروہی مفاد کو چونکہ قرآن مجید کی تعلیم سے نقصان پہنچنے کا یقین تھا، اس لئے دونوں متفق الرائے ہو کر مخالف ہو گئے اور ہر ناحق کوش دوسرے حق فراموش کا دوست اور ساتھی بن گیا۔ کسی کی مخالفت کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ کا پیغمبر تھا اور اس کا متقی گروہ تھا جس کا حامی اور ناصر اللہ تعالیٰ تھا۔ دوسری طرف ظلم پسند طاقتوں کی جمعیت تھی جن کے ساتھ ہوا و ہوس اور نفس پرستی کا لشکر تھا۔ قرآن نے صراط مستقیم سارے انسانوں کو بتا دی، مگر زیادہ گروہ اس راستے پر چلنے کیلئے تیار نہ ہوا۔ ہاں کچھ اہل یقین ایسے بھی ہوئے جو قرآن کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہو گئے اور قرآن ان کے لئے دنیوی اور دینی مفاد کا ضامن بن گیا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے شامل حال ہو گئی۔

تحلیلِ اجزاء

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی کتابیں عطا فرمائی تھیں اور حکومت یا حکمت بھی عنایت کی تھی اور ان میں بکثرت پیغمبر بھی مبعوث فرماتے تھے اور پاکیزہ چیزیں یعنی عمدہ نعمتیں بھی مرحمت کی تھیں اور اس زمانے کے سارے انسانوں پر برتری بھی دے کر سرفراز فرمایا تھا۔

کلام کا سیاق بتا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کی صداقت کو مدلل طور پر بیان کر کے کافروں کو خاموش کرنا اور مسلمانوں کو بشارت دینا مقصود ہے کہ نبوت اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ بنی اسرائیل کو بھی اقرار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت کتاب اور حکومت عطا فرمائی تھی، لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ٹھکرایا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی عطا ان سے چھین لی اور اسماعیلیوں میں پیغمبر بھیجا اور کتاب نازل کی

وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اور ہم نے ان کو معجزات و کرامات بھی عطا کی تھیں (کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرمانبردار بندے صاحب کشف و کرامت بھی ہوتے تھے اور لوگوں کو ہدایت کرتے تھے) یا بینات سے مراد ہے دین کے واضح احکام اور ضابطے یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق بشارتیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت کتابیں اور حکومت اور مال و دولت ملنے کے بعد ہوا پرستی ان پر مسلط ہو گئی اور محض عناد فساد کے زیر اثر ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے لگے۔ ہر عالم شریعت گر بن گیا اور گروہ در گروہ ہو گئے اور پھوٹ پڑی جو قیامت تک ان کو ایک محکم فیصلے پر جمع نہ ہونے دے گی اور ان اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی کرے گا

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۔ یعنی حسب ضابطہ مشیت اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے اپنی نعمت چھین لی اور آپ کو نبی بنایا اور دین کا راستہ دکھایا۔ اب آپ اس راستہ پر چلیں (اور جو لوگ آپ کے ساتھ اس راستہ پر چلنا چاہیں وہ بھی چلیں) ان (مشرکوں اور اہل کتاب) نادانوں کے میلان طبع اور خواہشات کی پرواہ نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کی کچھ نہیں چلے گی۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ سارا حق کش گروہ متحد ہے، ایک دوسرے کا حامی ہے، مگر نفس پرستی، شرک اور نافرمانی سے بچنے والوں کا اللہ تعالیٰ حامی و ناصر ہے۔ اس کی حمایت و مدد کے مقابلے میں ان کی اجتماعی طاقت کچھ کام نہ دے گی۔

toobaafoundation.com

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى تمام لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی یہ کتاب مجموعۂ بصیرت و ہدایت ہے۔ سب کو فکری و عملی راہ نجات بتانے والی ہے۔

وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ مگر رحمت انہی لوگوں کے لیے ہے جو اس کی ہدایتوں کو مانتے ہیں اور حقانیت کا یقین رکھتے ہیں (کافروں کی گندگی تو آفتاب کی اس روشنی اور اس رحمت کی بارش سے اور بڑھے گی۔ ان پر اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا)

مقصودِ بیان

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت حکومت اور اپنی کتابیں، صحیفے اور واضح ضابطے اور احکام عنایت کیے مگر انہوں نے نعمت کی قدر نہ کی اور علماء نے محض عناد اور دنیا طلبی کے جذبہ کے زیر اثر آپس میں پھوٹ پیدا کر لی۔ اس واقعہ کو نقل کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے کتاب عنایت کی اور نبوت سے سرفراز کیا۔ اور واضح احکام اور محکم ضابطے بنا دیئے ہیں۔ ان کو چاہیے کہ بنی اسرائیل کے نقش قدم پر نہ چلیں۔ آپس میں پھوٹ پیدا نہ کریں۔ قرآن کو اپنی ضد ہٹ اور عناد کے سانچے میں نہ ڈھالیں ورنہ یہ اختلاف پھر قیامت تک نہیں مٹے گا۔ افسوس کہ مسلمانوں نے اس پُرمغز اشارہ کے مفہوم کو بھلا دیا آخر جو نتیجہ بنی اسرائیل کا نکلا اسی سے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا۔ علماء کے درمیان تکفیر و تفسیق کی مشین چل گئی۔ فرقے فرقے بن گئے۔ ہر ایک نے دوسرے کو کافر و فاسق کہا، حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔ ہر جزیرہ میں ایک امیر المومنین اور خلیفۃ رسول اللہ بننے کا مدعی بن بیٹھا۔ علماء نے امیروں کی خواہشات بلکہ اپنی سیادت طلبی کے سانچے میں قرآن و حدیث کو ڈھالنے کی کوشش کی حالانکہ فَاتَّبِعْهَا فرما کر حکم دیا گیا تھا کہ اس دین کے راستے پر چلنا، مگر علماء و امراء بھٹک گئے۔ خدا پرست ہونے کی جگہ نفس پرست بن گئے ان سے کہا گیا تھا کہ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مگر انہوں نے دوسرے غیر مسلم نادانوں کی پیروی کی، ان کی تہذیب، رسم و رواج بلکہ افکار اور طرز افکار کو اختیار کیا۔

اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وہ تو باہم متحد اور مددگار تھے۔ سب ظالم اور حق شناس تھے۔ مسلمانوں کو ان کے مقابلے پر متحد ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمایت کے بھروسے پر ثابت قدم رہنا چاہیے تھا۔ مگر یہ خود ان کے دوست بن گئے اور اپنوں کے مخالف ہو گئے۔ نتیجہ میں اسرائیلیوں کی طرح تباہ ہو گئے۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى سے ثابت ہو رہا ہے کہ دعوت قرآنی عام ہے اور اس کی تبلیغ عمومی ہے، مگر رحمت صرف مسلمانوں کے لیے ہے۔ بشرطیکہ وہ اہل ایمان ہوں۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

یہ لوگ جو بُرے بُرے کام کرتے ہیں　یہ خیال کرتے ہیں　کہ ہم اُن کو　اُن لوگوں　کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور صالح عمل اختیار کیا

ع ۲ / ۱۰ / ۱۸ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ؑ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

کہ اُن سب کا جینا اور مرنا　یکساں ہو جائے　یہ بُرا حکم　لگاتے ہیں　اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں　اور　زمین کو حکمت

بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ

کے ساتھ پیدا کیا　اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے　اور اُن پر ذرا ظلم نہ کیا جائے گا　سو کیا آپ نے اُس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے

toobaafoundation.com

هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً

اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے اور خدا نے اس کے کان اور دل پر مہر لگادی ہے اور اسکی

فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ

آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے سو ایسے شخص کو بعد خدا کے (گمراہ کر دینے کے) کون ہدایت کرے کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے اور دلیل شکے منکر یوں کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس

وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ○ وَاِذَا

دنیوی حیات کے اور کوئی حیات نہیں ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو صرف زمانہ (کی گردش) سے موت آجاتی ہے اور ان لوگوں کے پاس اس پر کوئی دلیل

تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

نہیں ہے محض اٹکل سے ہانک رہے ہیں اور جس وقت (اس بابت میں) ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کا (اس پر) بجز اس کے اور کوئی جواب نہیں ہوتا کہ

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ ع ۵ 19

کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادوں کو زندہ کرکے سامنے لے آؤ اگر تم سچے ہو آپ یوں کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو زندہ رکھتا ہے پھر تم کو موت دیگا پھر قیامت کے دن جس (کے وقوع) میں ذرا شک

تفسیر سارے جہان کی زندگی کا یہ کارخانہ اللہ تعالیٰ نے عدل پر قائم کیا ہے۔ زمین اور موجوداتِ زمین آسمان اور کائناتِ آسمان فضا اور مخلوقاتِ فضائیہ سب عدل کے ساتھ اپنے اپنے مرتبہ اور مقام پر قائم ہیں۔ آگ کے اندر پانی کی خاصیت نہیں۔ ہوا کے اندر زمین کا ساجمود نہیں۔ سیب کے درخت سے انار نہیں پیدا ہوتا اور گلِ لالہ سے گلاب کی خوشبو نہیں آتی۔ ہر نوع کا پودا اپنی خصوصیات رکھتا ہے اور ہر چرندہ اپنے امتیازات۔ سورج کے اندر چاند کی خنکی اور سرور آگیں نہیں اور چاند کے اندر سورج کی تمازت اور خیرگی آفریں چمک دمک نہیں۔ ہر سیارے کی راہ جدا ہے اور ہر ستارہ کی خصوصیت الگ۔ کوئی بھی دوسرے کی خصوصیات آثار اور کیفیات اور نتائج میرا اپنے اندر پیدا نہیں کرسکتا۔ بس اسی طرح نیکی بدی، ایمان کفر اور خیر و شر جدا جدا اپنی خصوصیات کی حامل ہیں۔ زندگی ہو یا موت، ہر خیر و شر کا ہر دورِ حیات و ممات میں نتیجہ جدا جدا ہے۔ دونوں ایک نتیجہ کی حامل ہوں تو توازن بگڑ جائے، نظمِ عالم تباہ ہو جائے۔ حرکت ارادی ہو یا اضطراری بہرحال اپنے مخصوص نتائج اپنے ساتھ لاتی ہے اس میں طبعی اور ارادی نوعیت کا اختلاف اثر انداز نہیں ہوتا۔ پس ہر شخص کو اپنے عمل و فکر کے نتیجہ کا سامنا کرنا ہے۔ زندگی یا موت میں مومن و کافر ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ جس کے گوشِ ہوش بند ہوں، چشمِ بصیرت پر پردہ پڑا ہوا ور عقلِ سلیم زنگ آلود ہو اور وہ صرف اپنے حیوانی جذبات اور نفسانی خواہشات کا پرستار ہو وہ بیدار دل رکھنے والے بصیرت مند اور نصیحت پذیر اہلِ ایمان کی طرح کس طرح ہو سکتا ہے جس کو ہدایت کی تصویر دیکھنے کی چشمِ بینا اور صدائے حق سننے والے گوشِ شنوا اور حق کو سمجھنے والی عقلِ روشن نہ ملی ہو اس کو ہدایت کی صورت کون دکھائے اور حق کی آواز کون سنائے اور حقیقتِ صداقت کون سمجھائے۔ اس کے پیشِ نظر تو یہی حسی زندگی ہے۔ وہ کہتا ہے جب تک اس چراغ میں تیل رہے گا چراغ روشن رہے گا تیل ختم ہو جائے گا چراغ اپنی طبعی موت مر جائے گا۔ زمانہ کی یہی رفتار ہے آدمی آتا ہے بڑھتا ہے گھٹتا ہے مر جاتا ہے ختم ہو گیا۔ گیا پھر لوٹ کر آتا نہیں۔ سیالِ موج سترنہ

toobaafoundation.com

کی طرف نہیں لوٹتی۔ یہ نادان صرف تشبیہات اور تمثیلات سے کام لے کر برہان عقلی کی ترتیب دینا چاہتا ہے اور گمان کو یقین کے سانچے میں ڈھالتا ہے۔ کہتا ہے لاکھوں اسلاف گذر گئے۔ تمام باپ دادا مر گئے۔ وہ کہاں ہیں اگر دوبارہ آنے والے ہوتے تو آجاتے۔ دوبارہ جی جاتے۔ مردوں کو بلا کر لاؤ اور زندہ کر کے لاکھڑا کر دو تو جانیں۔ یہ ظن نہیں تو کیا ہے غیر موجود کو ناممکن الوجود قرار دینا توہم نہیں تو کیا تعقل ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ دار العمل کمل دار الجزا نہیں کہ مردے دوبارہ آجائیں۔ ہاں ایک دن ضرور آئے گا کہ سب اٹھ کھڑے ہوں گے اور دوبارہ زندہ کر دیئے جائیں گے۔ لاریب فیہ وھو الحق۔

تحلیلِ اجزاء

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ۔ سابق آیت پر مسئلہ نبوت کا مدلل بیان ختم ہو گیا اور نبوت کی ضرورت ثابت ہو گئی اور یہ بھی صراحت کر دی گئی کہ قرآن کریم کی ہدایت اگرچہ عمومی ہے لیکن رحمت صرف اہل یقین کیلئے ہے اس پر بعض نادان کہنے لگے کہ بدکاری اور نیکو کاری چیز ہی کیا ہے نہ کسی کی سزا ہے نہ جزا۔ بس زندگی ہی ہے جو چل رہی ہے۔ آئندہ کوئی زندگی ہی نہیں ہے۔ پیدائش اور موت زمانے کی رفتار کا ایک سلسلہ ہے۔ باپ کے بعد بیٹا آتا ہے، اسلاف جاتے ہیں اخلاف ان کے جانشین ہوتے ہیں۔ اگر آباء و اجداد لاکھوں برس گذرنے کے بعد بھی اب تک دوبارہ زندہ نہ ہوئے تو اخلاف بھی مرنے کے بعد کبھی زندہ نہ ہوں گے۔ ماضی لوٹ کر نہیں آئے گا۔ اس پورے مسئلہ کی مدلل توضیح یہاں آخر رکوع تک فرمائی ہے فرماتا ہے

کیا ان بدکاروں اور گناہ کرنے والوں کا یہ خیال ہے کہ ہم نیکو کار اہل ایمان کے برابر رکھیں گے کہ مومن و کافر اور نیک و بد کی زندگی اور موت برابر ہو جائے گی۔ یعنی ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ نیکوں کی زندگی بھی صاف ستھری ہوتی ہے اور موت بھی اعلیٰ بحالت اطمینان۔ (ابن عباس) کہ مرنے کے وقت رحمت کے فرشتے ان کا استقبال کرنے کو تیار ہوتے ہیں اور بدوں کی زندگی بھی بری (غیر مطمئن و طمع بے چین روح، گندے اعمال، ضرر رساں اقوال و اطوار) اور موت بھی بری کہ عذاب کے فرشتے چوروں کی طرح ان کو گرفتار کرتے اور طرح طرح کے دکھ دیتے ہیں) ان کا یہ فیصلہ برا ہے (خلاف عدل ہے)

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اور اللہ تعالیٰ نے تو تمام آسمان زمین یعنی سارا جہان عدل کے ساتھ بنایا اور قائم رکھا ہے (اگر عدل و توازن نہ ہو تو سارا عالم تباہ ہو جائے) اور اس لئے بھی بنایا ہے کہ (انسان کو اچھے برے کی پہچان ہو اچھائی کو اختیار کرے اور برائی سے بچے اور) ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا کسی کی حق تلفی نہ کی جائے گی۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ نیک و بد اور مومن و کافر برابر ہو جائیں یہ تو خلاف عدل ہے۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ بھلا دیکھو تو جس شخص نے اپنا معبود اپنی خواہش نفس کو بنا لیا۔ یعنی اپنے نفس کا پرستار ہے۔ حیوانی خواہشات کی تکمیل اس کا مقصد زندگی ہے۔ جائز ناجائز اور ظلم و انصاف سے اس کا تعلق نہیں۔

وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو جان کر گمراہ کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ اس کی روح میں ہدایت پانے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ اس کی سرشت ہی حیوانی ہے۔ فطری طور پر اس کی روح ہی زنگ آلود ہے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو اس کو سمجھ دی تھی کہ اچھے برے اور خیر و شر کو پہچان لے، مگر اس نے اپنی فطری صلاحیتوں سے کام نہیں لیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو گمراہ کر دیا۔

وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً اور اس کے کانوں پر اور دل پر مہر لگا دی اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ حق و باطل میں امتیاز کرنے اور صحیح علم حاصل کرنے کے تین ہی ذرائع ہیں اگر دماغ میں سمجھنے کی متوسط استعداد ہے تو آدمی محسوسات کو دیکھ کر خیر و شر کا امتیاز کر سکتا ہے۔ واقعات حاضرہ اپنے اندر درس نصیحت رکھتے ہیں۔ آنکھوں میں بصارت اور بصارت کے پیچھے بصیرت

toobaafoundation.com

ہونی چاہیئے تاکہ دیکھی ہوئی چیزوں کو ترتیب دے کر صحیح نتیجہ اخذ کیا جا سکے۔ اگر دماغی صلاحیت اور قلب کی روشنی بہت ہی اعلیٰ ہے تو بیرونی صورتوں اور آفاقی دلیلوں کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔ عقل سلیم اور فطرت سادہ راہنمائی کے لئے کافی ہوتی ہے۔ اگر عقلی جوہر خود کی راہنمائی کے لئے کافی نہ ہو اور استقرائی آفاقی دلائل کو سمجھنے اور ان سے نتیجہ اخذ کرنے کی بھی استعداد نہ ہو تو پھر اہل حق کا کلام اور خیر خواہ اہل دانش کی نصیحت سن کر اور ذہن میں اس کا اثر لے کر راہِ راست اختیار کی جا سکتی ہے۔ لیکن علم کے اگر یہ تینوں ذرائع معدوم ہوں تو پھر حق و باطل میں امتیاز کرنے اور راہِ راست پانے کا کوئی امکان نہیں۔ اس لئے فرمایا کہ جس نے اپنی حیوانیت کو معبود بنا لیا ہو (انسانیت سے اس کا تعلق نہ رہا ہو) کانوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہو کہ حق بات ہی نہ سُنے اور سنی ان سنی کر دے اور دل پر قفل لگا دیا ہو کہ خود اپنی دانش و فہم سے کام لے کر اچھے بُرے کا امتیاز ہی نہ کر سکتا ہو اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہو کہ تصویرِ حق ہی اس کو نظر نہ آئے۔

فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ تو اب اللہ کے گمراہ کرنے اور گمراہ چھوڑ دینے کے بعد اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے کون راہ راست پر چلا سکتا ہے (نہ اُس کو قرآن اور پیغمبر سے فائدہ نہ خود چشم بینا نہ عقل رسا تو ہدایت یابی کا امکان ہی کیا ہے)

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ یہ لوگ کہتے ہیں کہ بس زندگی تو یہی ہے جو ہمارے سامنے ہے۔ ہم مرتے ہیں پیدا ہوتے ہیں (یہ تو طبعی چکر ہے نیچرل رفتار ہے) زمانہ ہی ہم کو ہلاک کرتا ہے (یعنی زمانہ کی رفتار ہی یوں ہے کہ اسلاف جاتے ہیں اخلاف آتے ہیں۔ آباء و اجداد کی جگہ ان کی اولاد لیتی ہے) ان لوگوں کو زمانے کا علم ہی نہیں فقط تخمینی گھوڑے دوڑاتے ہیں (اٹکل چلاتے ہیں۔ زمانہ کیا ہے باشعور اور خود مختار ہے یا ایک موہومی چیز موجود نہیں ہے یہ ماضی اور حال اور مستقبل کا چکر کیا ہے۔ اس کے اندر کون طاقت حکمراں ہے۔ اس نظام کا ناظم کون ہے۔ ان کو نہیں معلوم کہ زمانے کا ردوبدل کرنے والا اور رات دن کا چکر چلانے والا اللہ تعالیٰ ہے ورنہ زمانہ بجائے خود کوئی چیز نہیں ہے)

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ انکی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں (اور سزا سے ڈرایا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ ایک دن تم کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا تو) کہتے ہیں اگر تم سچے ہو اور سچ کہتے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے لا کھڑا کرو (اور جب اسلاف لاکھوں برس گزرنے کے بعد بھی اب تک دوبارہ پیدا نہیں ہوئے اور نہ تم ان کو زندہ کر کے لا سکتے ہو تو پھر دوبارہ زندگی ملنے کا قول ہی غلط ہے۔ مشاہدہ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ ماضی اور حال مستقبل کا آئینہ ہے۔)

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ آپ ان سے کہہ دیجیے کہ روز روز مردے زندہ نہیں کیئے جاتے نہ اُس دار العمل کو دار الجزاء بنایا جا سکتا ہے زمانہ وانہ کچھ نہیں، نہ وہ پیدا کرتا ہے نہ مارتا ہے بلکہ) اللہ تعالیٰ ہی تم کو پیدا کرتا اور مارتا ہے پھر وہی قیامت کے دن تم کو زندہ کرے گا اور سب کو جمع کر دے گا جس اٹھنے کا ایک دن مقرر ہے جس میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں، مگر اکثر لوگ نادان ہیں (وہ یقین نہیں رکھتے کہ دوسری زندگی بھی کبھی ملے گی اور قیامت بھی ضرور آئے گی اور اعمال کی جزا سزا بھی برداشت کرنی ہوگی)

مقصودِ بیان

نیکوں کو بدوں کے برابر کر دینا خلافِ عدل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے بعد جو امتیاز ہوگا وہ تو ہونا ہی چاہیئے ضرور ہوگا۔ دنیاوی زندگی میں بھی فرق ہے۔ مومن کی زندگی مطمئن ہے کیونکہ اس کی نظر اسباب پر نہیں مسبب پر ہے۔ پردۂ غیب کے اندر تار کھینچنے والا ہاتھ اس کو دکھتا ہے اور کافر کی زندگی روحانی سکون سے بے بہرہ ہے دولت ملک صحت جسمانی آل و عیال کی کثرت دنیوی وجاہت و سیادت اور ملکی حکومت اس کی روحانی پیاس کو نہیں بجھا سکتی۔ لہٰذا مسلمان کتنا ہی نادار اور مصائب کا شکار ہو اس کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا اور دل کو مطمئن رکھنا چاہیئے۔ اطمینانِ قلب کے بعد ہر مصیبت پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہ رکھے گی۔

toobaafoundation.com

بِالْحَقِّ کا لفظ بتا رہا ہے کہ کائنات کی تخلیق عدل و توازن پر مبنی ہے اگر توازن بگڑ جائے تو تباہی آ جائے۔

اَضَلَّهُ اللّٰهُ کا لفظ بتا رہا ہے کہ گمراہ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، یعنی اسباب گمراہی اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کئے ہیں۔ بیرونی اور اندرونی بواعث و دواعی اللہ تعالیٰ ہی نے بنائے ہیں، مگر گمراہی کو اختیار بندہ کرتا ہے اور اپنی خواہش کی پوجا آدمی خود کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فعل تکوینی ہے اور انسان کا عمل کسبی و اختیاری۔

فَمَنْ يَّهْدِيْهِ کا لفظ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہدایت یاب نہ کرے تو پھر کسی کی راہنمائی ہدایت یاب نہیں کر سکتی۔ دل کو پلٹ دینا سوائے اللہ کے کسی کا کام نہیں۔

مَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ میں نادان کافروں کی علمی کوتاہی کا اظہار ہے۔ اس سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے ان مسلمانوں کو جو اپنے ہر دکھ سکھ کی نسبت زمانہ کی طرف کرتے ہیں اور نصیحت حاصل کرنا چاہیئے ان مادہ پرستوں کو جو سلسلۂ اسباب پر اپنی نظر محدود رکھتے اور خیر و شر کے تواردکو اسباب کا نیچرل نتیجہ قرار دیتے ہیں۔

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ میں اللہ تعالیٰ کے فاعل حقیقی ہونے کی صراحت ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ دنیوی زندگی اور موت ہو یا قیامت کے دن کی دوسری زندگی سب کا فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے یہ زمانہ کا چکر نہیں۔

لَا رَيْبَ فِيْهِ سے اس طرف اشارہ ہے کہ اس دنیا میں ہی نیکی بدی کا کامل نتیجہ نہیں ملتا۔ لیعنی تناسخ کا عقیدہ غلط ہے نہ صرف روحانی ملسلہ کافی ہے بلکہ سب کے جی اٹھنے کا ایک مقرر دن ضرور آئے گا اور اصل جزا سزا اس دن ملے گی۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

اور اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز اہل باطل خسارہ میں پڑیں گے اور

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ

(اس روز) آپ ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ (مارے خوف کے) زانو کے بل گر پڑیں گے ہر فرقہ اپنے نامۂ اعمال (کے حساب) کی طرف بلایا جائے گا آج تم کو تمہارے

تَعْمَلُوْنَ ۝ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

کئے کا بدلہ ملے گا (اور کہا جائے گا کہ) یہ (نامۂ اعمال) ہمارا دفتر ہے جو تمہارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے اور ہم (دنیا میں) تمہارے اعمال کو

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝

فرشتوں سے لکھوا تے جاتے تھے سو جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے اچھے کام کئے تھے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور یہ صریح کامیابی ہے

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۫ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا

اور جو لوگ کافر تھے (ان سے کہا جائے گا) کیا میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں سو تم نے (ان کو قبول کرنے سے) تکبر کیا تھا اور تم (اس وجہ

مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا

سے) بڑے مجرم تھے اور جب (تم سے) کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے

toobaafoundation.com

نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ ○ وَبَدَا لَهُمْ

قیامت کیا چیز ہے محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے اور ہم کو یقین نہیں اور (اس وقت) اُن کو اپنے

سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ○ وَقِیْلَ الْیَوْمَ نَنْسٰىكُمْ

تمام بُرے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور جس (عذاب) کے ساتھ وہ استہزا کیا کرتے تھے وہ ان کو آ گھیرے گا اور (اُن سے) کہا جائے گا کہ آج

كَمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ○ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ

ہم تم کو بھلائے دیتے ہیں جیسا تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا اور (آج) تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں یہ (سزا) اس وجہ

اتَّخَذْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ فَالْیَوْمَ لَا یُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا

سے ہے کہ تم نے خدا تعالیٰ کی آیتوں کی ہنسی اُڑائی تھی اور تم کو دنیوی زندگانی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا سو آج نہ تو یہ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے

هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ○ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ

اور نہ ان سے خدا کی خفگی کا تدارک چاہا جائے گا سو تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا پروردگار

الْعٰلَمِیْنَ ○ وَلَهُ الْكِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ؏ ع

تمام عالم کا اور اُسی کو بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی زبردست حکمت والا ہے

تفسیر سارے سنسار پر حکومت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ ہر آن اور ہر سیکنڈ کا نظم اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر لمحہ تکوینی تغیرات اسی عالم میں ہو رہے ہیں۔ لیکن ایسا انقلاب جس سے یہ نظام کُلی یکسر بدل جائے ابھی تک نہیں آیا۔ مگر ظاہر ہے کہ جو سارے جہان کا حکمران مطلق اور ناظم و مالک ہے اور ہر وقت ہر چیز میں تغیر پیدا کر رہا ہے وہ بالکل الٹ پلٹ بھی کر سکتا ہے۔ انسانی کردار بھی عدم سے وجود میں آنے کے بعد فنا نہیں ہو جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو لوحِ کائنات پر ثبت کر دیتا ہے اور قلمِ قدرت سے لکھ دیتا ہے کہ کچھ اعمال کے نتائج بسلسلۂ اسباب نمودار بھی کر دیتا ہے، مگر چونکہ انقلاب کُلی کا ابھی وقت نہیں آیا، اس لئے لوحِ ثابت ابھی سامنے نہیں لائی جاتی اور کل اعمال کی حساب فہمی مؤخر رکھی جاتی ہے پس قیامت عالم کا ایک دن ضرور آنا ہے جو لوگ باطل پرست ہیں ان کو خسران کامل اٹھانا پڑے گا اور جو لوگ حق پرست ہیں وہ کامیاب ہوں گے۔ پس لائق ستائش ہے وہ اللہ جس نے حکمت اور مصلحت کے ساتھ اس نظم تکوینی کو قائم رکھا ہے (اور انسانوں کو موقع دیا ہے کہ وہ دنیوی زندگی میں اپنی فکری اور عملی درستی کر لے)۔

تحلیلِ اجزاء وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ کلام سابق کا ثبوت ہے۔ یعنی اللہ تم سب کو قیامت کے دن جمع کر لے گا۔ کیونکہ سارے جہان کی حکومت اُسی کی ہے۔ اُسی کے قبضہ میں آسمان زمین کی تخلیق اور انتظام ہے قیامت کے دن سب آدمیوں کو زندہ کر کے جمع کرنا اس کی قدرت سے خارج نہیں۔

وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَىِٕذٍ یَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ۔ قیامت بپا ہوگی تو اس روز اہلِ باطل اور تکذیب کرنے والے سراسر گھاٹے میں

toobaafoundation.com

رہیں گے۔ دنیا میں زندگی کے انکار و اعمال کی جس طرح خرید و فروخت کی تھی اس کا خسران اور وبال الیہ ین قیامت کے دن ظاہر ہو جائے گا دنیا ختم ہو چکی ہو گی اور آخرت کی راحت میں اُن کا کوئی حصہ نہ ہو گا۔ نفع تو بجائے خود اصل مال بھی کھو بیٹھیں گے۔

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۗ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ جاثیہ کا مادہ جثو ہے۔ جثو کا معنی ہے دو زانو بیٹھنا جیسے حاکموں کے سامنے بیٹھتے ہیں (لیث) یا حسب محاورہ قریش ادب سے بیٹھنا۔ مطلب کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں تخت جلال کے سامنے ہر گروہ با ادب بیٹھا ہو گا اور ہر گروہ کو ان کے اعمال نامے دینے کیلئے بلایا جائے گا۔ اور بارگاہ خداوندی سے حکم صادر ہو گا آج تم (سب) کو تمہارے کیئے کا بدلہ دیا جائے گا۔ ہماری یہ کتاب یعنی فرشتوں کی لکھی ہوئی تحریر اعمال بھی سچی سرگزشت بیان کر دے گی۔ —— ہم تمہارے اعمال اس میں ثبت کر لیا کرتے تھے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۔ یہاں سے نیک و بد کی حساب فہمی کا اچھا برا نتیجہ بیان فرمایا یعنی نیکو کار مومنوں کو اللہ اپنی رحمت میں لے گا۔ جنت مقام قرب رضوان الٰہی سب ہی کا حصول رحمت پر موقوف ہے، اس لئے فرمادیا کہ نیکو کار مومنوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں لے لے گا۔ اور یہی کھلی ہوئی کامیابی ہے۔ (عذاب و لعنت سے بچ کر رحمت میں داخل ہو جانے سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہو گی)

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۔ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۔ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۔ اور کافروں سے کہا جائے گا کہ میری آیتیں تم کو پڑھ کر سنائی گئی تھیں، مگر تم نے نہ مانا اور غرور سے انکار کر دیا۔ تم مجرم لوگ تھے اور جب تم سے کہا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں تو تم نے کہا تھا کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا بلا ہے۔ ہم کو یقین نہیں ایک وہم سا ہے عموماً کفار تو قیامت کا قطعی انکار ہی کرتے تھے اور زندگی صرف دنیوی زندگی کو کہتے تھے لیکن بعض کو کچھ شبہ سا پیدا بھی ہو گیا تھا کہ شاید یہ عالم بھی فنا ہو جائے۔ غرض کافروں کے اعمال بد کی برائیاں بصورت عذاب ان کے سامنے آجائیں گی اور جس عذاب کی وہ ہنسی اڑاتے تھے وہ ہی ان پر آپڑے گا۔

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۔ اور ان کی قطعی آس اور امید رہائی توڑنے کے لئے) کہا جائے گا۔ جس طرح تم نے (دنیا میں) آج کے دن کی پیشی کو فراموش کر دیا تھا (یعنی ذہن سے آج کی پیشی کا تصور ہی نکال دیا تھا) اسی طرح آج ہم تم کو (عذاب میں ڈال کر) لاپرواہ ہو جائیں گے۔ تم کو بھلا بسرا کر دیں گے۔ تمہارا ٹھکانا آگ ہے اور آج تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

نسیان کا معنی ہے بھولنا اور کسی چیز کو بھول جانے کے لئے اُس چیز کو ترک کر دینا لازم ہے۔ اس لئے اس جگہ نسیان سے مراد ہے ترک کر دینا اور بے پرواہ ہونا کیونکہ بھول جانا اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم دنیوی زندگی پر ریجھے ہوئے تھے۔ (آخرت کی زندگی کا انکار ہی کر دیا تھا) اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی (توہین کرتے اور) ہنسی بناتے تھے۔ لہٰذا اُس روز ان منکروں اور کافروں کو دوزخ سے نہیں نکالا جائے گا اور نہ اُن کو معافی کی درخواست کا موقع دیا جائے گا کہ توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو دور کر سکیں۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ وَلَهُ الْكِبْرِيَاۗءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں کا بھی رب ہے اور زمین کا بھی اور سارے جہان کا بھی یعنی وہی سب کا مالک اور حاکم ہے اور وہی سارے عالم کا انتظام اور تکمیل کرتا ہے اور عدل و توازن کے ساتھ سب کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ بس وہی ستائش کا مستحق ہے اور ہر حمد اسی کو زیبا ہے۔ تمام عالم بالا و پست میں اسی کو عزت حاصل ہے اور عظمت ذات و صفات اسی کے لئے ہے۔

toobaafoundation.com

کیونکہ وہی سب پر غالب و مقتدر ہے اور حقائق کونیہ کا صحیح علم محیط اسی کو حاصل ہے۔ اس کی ہر تخلیق و صنعت پُرحکمت ہے۔ سورت کے شروع میں تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ فرمایا تھا اور ختم سورت بھی ھوالحکیم پر کیا۔ آغاز میں الحکیم کے بعد اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ فرمایا تھا۔ یہاں هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ سے پہلے فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فرمایا۔ گویا آغاز میں اللہ تعالیٰ کے اقتدار و حکمت کی دلیل میں تخلیق کائنات کو پیش کیا تھا اور اس جگہ ربوبیت عالم سے اللہ تعالیٰ کے حکیم و عزیز ہونے پر استدلال کیا۔ پس وہ خدا جس کے دست قدرت و حکمت کا سارا جہاں محتاج ہے۔ اپنے وجود کے لئے بھی اور بقاء وجود کے لئے بھی اسی کا محتاج انسان بھی ہے۔ اپنی ہستی کے لئے بھی اور کمال زندگی حاصل کرنے کے لئے بھی۔ لہٰذا اسی خدا عزیز و حکیم نے اپنی کتاب نازل فرمائی اور انسان کو زندگی کا سیدھا راستہ بتایا تاکہ صراط مستقیم پر چل کر انسان دنیا میں درجۂ کمال تک اور آخرت میں منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ پس اُسی خدا کی ربوبیت عمومی و خصوصی کا تقاضا ہے کہ ہم اس کی ہر طرح کی حقیقی ثنا کریں اور اُسی کی الوہیت کا اقرار کریں۔

مقصودِ بیان لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ الخ یعنی سارے جہان بالا و پست میں حکومت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ طبعی قوتیں نیچرل طاقتیں شعوری ارادے اور غیبی کارندے سب مامور ہیں۔ مختار مطلق نہیں۔ حقیقی حکمرانی اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ یہ سارا ملک بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ یعنی انسانوں کی ملکیت حقیقی نہیں عارضی اور تابع حکم خداوندی ہے۔ اسی لئے کسی کو اپنی جان اور اپنے زر و زمین میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف تصرف کرنے کا اختیار نہیں۔

كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً کا لفظ بتا رہا ہے کہ ہر گروہ کی خواہ کافر ہو یا مومن قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں باادب پیشی ہوگی۔

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ بِالْحَقِّ میں صراحت ہے کہ اعمال نامے مکتوب منقش ہوں گے ان میں نقوش ثبت ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے تمام اعمال ان میں درج کر دیے ہوں گے۔ مگر اس آیت میں یہ صراحت نہیں کہ کسی زبان کے الفاظ بصورت حروف منقوش ہوں گے یا ان کے اندر ثبت ہونے کی کوئی دوسری صورت ہوگی۔ واللہ اعلم۔

اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا سے معلوم ہو رہا ہے کہ کچھ کافروں اور منکروں کو قیامت ہونے اور جزا سزا پانے کا کچھ گمان اور وہم سا ہو جاتا ہے، مگر یقین کی حد تک نہیں پہنچتا۔ اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اُن مسلمانوں کو جو زبان سے تو قیامت ہونے کا اقرار کرتے ہیں مگر دل میں روز حساب کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اُن کو قیامت کا یقین نہیں کیونکہ یقین قلبی کیفیت ایمانیہ کا نام ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہوتی صرف زبانی اقرار کا نام یقین نہیں ہے۔ اگر دل سے یقین نہ ہو تو صرف زبانی اقرار اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر نہیں اور باوجود دعویٰ مسلمانی کے ایسے لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے ہاں اندراج کافروں کی فہرست میں ہوگا۔

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ میں صراحت ہے کہ کافروں کی توبہ قیامت کے دن قبول نہیں ہوگی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی دور کرنے کے لئے کیسی ہی معافی کی درخواست کریں، مگر رہائی نہیں ملے گی۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ الخ حقیقی ستائش ربوبیت عزت اور اقتدار کا حصر اللہ تعالیٰ کے لئے کیا گیا ہے جو توحید و الوہیت کی دلیل ہے۔

---

toobaafoundation.com